فہرست مضامین

ہر جلی عنوان سے ایک نیا مضمون شروع ہوتا ہے اور اس کے تحت میں مضامین متجانس ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نورِ ظہور کا وقت

وہ صبح اور وہ چھاؤں ستاروں کی اور وہ نور　　　دیکھے تو غش کرے ارنی گوے افق طور

پیدا گلوں سے قدرتِ اللہ کا ظہور　　　وہ جا بجا درختوں پہ تسبیح خواں طیور

گلشن خجل تھے وادیِ مینو اساس سے
جنگل تھا سب بسا ہوا پھولوں کی باس سے

ٹھنڈی ہوائیں سبزۂ صحرا کی وہ لپک　　　شرماتے جس سے اطلسِ زنگاریِ فلک

وہ جھومنا درختوں کا پھولوں کی وہ مہک
ہر برگِ گُل پہ قطرۂ شبنم کی وہ چمک
ہیرے خجل تھے گوہرِ یکتا نثار تھے
پتے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے

وہ نور اور وہ دشت سہانا سا وہ فضا
دُرّاج و کبک و تیہو و طاؤس کی صدا
وہ جوشِ گُل وہ نالۂ مرغانِ خوش نوا
سردی جگر کو بخشتی تھی صبح کی ہوا
پھولوں کے سبز سبز شجر سُرخ پوش تھے
تھالے بھی نخل کے سبدِ گل فروش تھے

وہ دشت وہ نسیم کے جھونکے وہ سبزہ زار
پھولوں پہ جا بجا وہ گہر ہائے آبدار
اُٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخوں کا بار بار
بالائے نخل ایک جو بلبل تو گل ہزار
خواہاں تھے زہرِ گلشنِ زہرا جو آب کے
شبنم نے بھر دیے تھے کٹورے گلاب کے

وہ قمریوں کا چار طرف سرو کے ہجوم
کوکو کا شور نالۂ حق سرہ کی دھوم
سبحان ربنا کی صدا تھی علی العموم
جاری تھے وہ جو ان کی عبادت کے تھے رسوم
کچھ گل فقط نہ کرتے تھے اپنے خدا کی مدح
ہر خار کو بھی نوکِ زباں تھی خدا کی مدح

(انیس)

۲۔ نمودِ صبح

طے کر چکا جو منزلِ شب کاروانِ صبح — ہونے لگا اُفق سے ہویدا نشانِ صبح
گردوں سے کوچ کرنے لگے اخترانِ صبح — ہر سو ہوئی بلند صدائے نوانِ صبح

پنہاں نظر سے روئے شبِ تار ہو گیا
عالم تمام مطلعِ انوار ہو گیا

یوں گلشنِ فلک سے ستارے ہوئے رواں — چنتے چمن سے پھولوں کو جس طرح باغباں
آئی بہار میں گلِ مہتاب پر خزاں — مُرجھا کے گر گئے ثمرِ شاخِ کہکشاں

دکھلائے طور بادِ سحر نے سموم کے
پژمُردہ ہو کے رہ گئے غنچے نجوم کے

چھپنا وہ ماہتاب کا وہ نور کا ظہور — یادِ خدا میں زمزمہ پردازیِ طیور
وہ رونق اور وہ سرد ہوا وہ فضا وہ نور — خنکی وہ جس سے چشم کو اور قلب کو سرور

انساں زمیں پہ محو ملک آسماں پر
جاری تھا ذکرِ قدرتِ حق ہر زباں پہ

وہ سُرخی شفق کی اِدھر چرخ پر بہار — وہ بار ور درخت وہ صحرا وہ سبزہ زار
شبنم کے وہ گلوں پہ گہرہائے آبدار — پھولوں سے سب بھرا ہوا دامانِ کوہسار

نافے کھلے ہوئے وہ گلوں کی شمیم کے
آتے تھے سرد سرد وہ جھونکے نسیم کے

(انیس)

۳- عبادتِ صبح

کیفیتِ وحی میں ہے سنبل ہے وقتِ نزولِ مصحفِ گل
سبزہ ہے کنارِ آبِ جو پر یا خضر ہے مستعد وضو پر
نوبت ہے صدائے قمریاں کی تیاری ہے باغ میں اذاں کی
محوِ تکبیر فاختہ ہے قد قامتِ سرو دلربا ہے
اک شاخ رکوع میں رکی ہے اور دوسری سجدے میں جھکی ہے
سوسن کی زباں پہ مناجات جاری لبِ جو پہ التحیات
پھیلی ہوئی بوئے گل چمن میں اور صلِّ علیٰ کا غل چمن میں
غنچے میں ہے خامشی کا عالم یا صوم سکوت میں ہے مریم
کیاری ہر اک اعتکاف میں ہے اور آبِ رواں طواف میں ہے
سالک ہے چمن میں نہر موزوں مجذوب ہے شاخِ بیدِ مجنوں
ہے صوفیِ صاف دل صنوبر تحریکِ نسیم حالت آور
سجادہ بدوش لالہ یکسو یکسو شبِ زندہ دار شبو

ہے استغراق نیلوفر کو — پاسِ انفاس ہے سحر کو
ہر شمع خموش فکر میں ہے — ہر طائرِ شوخ ذکر میں ہے

وحدت ہے چمن میں مغز تا پوست
صادق ہے بہار پر ہمہ اوست

(محسن کاکوروی)

۴- نمازِ چمن

بہار آئی کھلے گل زیبِ صحنِ بوستاں ہو کر — عنادل نے مچائی دھوم سرگرمِ فغاں ہو کر
بچھا فرشِ زمرد اہتمامِ سبزۂ تر میں — چلی مستانہ وش بادِ صبا عنبر فشاں ہو کر
عروجِ نشۂ نشو و نما سے ڈالیاں جھومیں — ترانے گائے مرغانِ چمن نے شادماں ہو کر
بلائیں شاخِ گل کی لیں نسیمِ صبح گاہی نے — ہوئیں کلیاں شگفتہ روئے رنگینِ بتاں ہو کر
جوانانِ چمن نے اپنا اپنا رنگ دکھلایا — کسی نے یاسمن ہو کر کسی نے ارغواں ہو کر
کیا پھولوں نے شبنم سے وضو صحنِ گلستاں میں — صدائے نغمۂ بلبل اٹھی بانگِ اذاں ہو کر
ہوائے شوق میں شاخیں جھکیں خالق کے سجدے کو — ہوئی تسبیح میں مصروف ہر پتی زباں ہو کر

زبانِ برگِ گل نے کی دعا رنگیں عبارت میں
خدا سرسبز رکھے اس چمن کو مہرباں ہو کر

(اکبر الہ آبادی)

۵- صبحِ چمن

وہ جلوہ گریِ مہرِ پُرنور — تاریکیِ شب ہوئی ہے کافور
آغازِ سپیدۂ سحر کا — فق ہونا وہ چہرۂ قمر کا
وہ رنگِ شفق افق پہ پھیلا — ہر تختۂ گل کا جس پہ دھوکا
وہ بادِ نسیم دھیمی دھیمی — وہ موجِ شمیم بھینی بھینی
ہر اک نہالِ باغ گل پوش — پھرتی ہے ہوا چمن میں مدہوش
قدرت کی یہ ہے شگوفہ کاری — کرتے ہیں طیور حمدِ باری
ہر شاخِ چمن ہری بھری ہے — گویا کہ چمن نہیں پری ہے
بادِ سحری وہ عطر آگیں — سرگوشیِ غنچہ ہائے رنگیں
سبزہ وہ چمن میں دھانی دھانی — وہ خندۂ گل وہ رُت سہانی
نافہ ہے ختن کا ہر شگوفہ — ہے مشک فشاں ہر اک بوٹا
شبنم سے بھرا ہے لالۂ تر — لبریز ہے یا کہ جامِ احمر
وہ آہوئے دشت محوِ جولاں — وہ فرطِ طرب سے مور رقصاں

ہر سمت طیور ہیں ثنا خواں
اشجار ہیں حمدِ حق میں جنباں

(ذاکی)

۶- نسیم سحر

ہونے کو صبح آئی تو ٹھنڈی ہوا چلی | کیا دھیمی دھیمی چال سے یہ خوش ادا چلی
لہرا دیا ہے کھیت کو ہلتی ہیں بالیاں | پودے بھی جھومتے ہیں لچکتی ہیں ڈالیاں

پھلواریوں میں تازہ شگوفے کھلا چلی
سویا ہوا تھا سبزہ اسے تو جگا چلی

(اسمٰعیل)

۷- لطفِ سحر

وہ دن کے نئے سرور کا وقت | وہ لطفِ سحر وہ نور کا وقت
آہستہ نسیم کا وہ چلنا | سورج کا وہ آڑے نکلنا
شفاف وہ آب جو چمن کی | بھینی بھینی وہ بو چمن کی
منہ پھولوں کے دھو گئی ہے شبنم | سبزے کو بھگو گئی ہے شبنم
ذرّوں پہ جو قطرے تھم گئے ہیں | دانے موتی کے جم گئے ہیں
کلیوں سے لکیر سی ہویدا | پھر قصدِ تبسم اُن سے پیدا

دل کو جو لبھایا رنگ و بو نے
اور حسن کشش یہ دی ہوا نے

(شوق قدوائی)

۸۔ صبح کی آمد

خبر دن کے آنے کی میں لا رہی ہوں — اُجالا زمانہ میں پھیلا رہی ہوں
بہار اپنی مشرق سے دکھلا رہی ہوں — پکارے گلے صاف چلّا رہی ہوں
اٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

میں سب کار تہوار کے ساتھ آئی — میں رفتار گفتار کے ساتھ آئی
میں باجوں کی جھنکار کیساتھ آئی — میں چڑیوں کی چہکار کیساتھ آئی
اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

اذاں پہ اذاں مرغ دینے لگا ہے — خوشی سے ہر اک جانور بولتا ہے
درختوں کے اوپر عجب چہچہا ہے — سہانا ہے وقت اور ٹھنڈی ہوا ہے
اٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

یہ چڑیاں جو پیڑوں پہ ہیں غل مچاتی — اِدھر سے اُدھر اُڑ کے ہیں آتی جاتی
دموں کو ہلاتی پروں کو پھلاتی — مری آمد آمد کے ہیں گیت گاتی
اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

جو طوطے نے باغوں میں ٹیں ٹیں مچائی — تو بلبل بھی گلشن میں ہے چہچہائی
اور اونچی منڈیروں پہ شاماں بھی گائی — میں سو سو طرح دے رہی ہوں دہائی
اٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

ہر اک باغ کو میں نے جھکا دیا ہے | نسیم صبا کو بھی لہکا دیا ہے
چمن سرخ پھولوں سے دہکا دیا ہے | مگر نیند نے تم کو بہکا دیا ہے

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

ہوئی مجھ سے رونق پہاڑ اور بن میں | ہر اک ملک میں دیس میں اور وطن میں
کھلاتی ہوئی پھول آئی چمن میں | بجھاتی چلی شمع کو انجمن میں

اٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

جو اس وقت جنگل کی بوٹی جڑی ہے | سو وہ نولکھا ہار پہنے کھڑی ہے
عجب یہ سماں ہے عجب یہ گھڑی ہے | کہ پچھلے کی ٹھنڈک سے شبنم پڑی ہے

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

ہرن چونک اُٹھے چوکڑی بھر رہے ہیں | کلولیں ہر اک کھیت میں کر رہے ہیں
ندی کے کنارے کھڑے چر رہے ہیں | غرض میرے جلوے پہ سب مر رہے ہیں

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

میں تاروں کی چھاؤں آن پہنچی یہاں تک | زمیں سے ہے جلوہ مرا آسماں تک
مجھے پاؤ گے دیکھتے ہو جہاں تک | کرو گے بھلا کاہلی تم کہاں تک

اُٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

پجاری کو مندر کے میں نے جگایا | مؤذن کو مسجد کے میں نے اٹھایا
بھٹکتے مسافر کو رستہ بتایا | اندھیرا گھٹایا اُجالا بڑھایا

اٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

لدے قافلوں کے بھی منزل پہ ڈیرے
کسانوں کے ہل چل پڑے منہ اندھیرے

چلے جال کندھوں پہ لے کر مچھیرے
دلشاد ہوتے دُور آنے سے میرے

اٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

بگل اور طنبور سنکھ اور نوبت
بجانے لگے اپنی اپنی ہی گت

چلی توپ بھی دن کی حضرت سلامت
نہیں خوب غفلت نہیں خوب غفلت

اٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

ہوشیار ہو جاؤ اور آنکھ کھولو
نہ لو کروٹیں اور نہ بستر ٹٹولو

خدا کو کرو یاد اور منہ سے بولو
بس اب خیر سے اٹھ کے منہ ہاتھ دھو لو

اٹھو سونے والو کہ میں آ رہی ہوں

(اسمٰعیل)

۹- ترانۂ بیداری

جاگو جاگو پیارے جاگو
میری آنکھ کے تارے جاگو

جاگ گئیں چڑیاں کب کی
بیت چکی ہیں گھڑیاں کب کی

شمع بجھا دی بادِ صبا نے
کلی کھلا دی بادِ سحر نے

سوتے رہنا نازیبا ہے
گوشۂ مشرق نور فشاں ہے

چھیڑی بھیرویں نغمہ سحر کی | سنتے ہو آواز گجر کی
شبنم موتی وار رہی ہے | منہ پہ چھینٹے مار رہی ہے
گونجتے ہیں زنبور کنول پر | سورج کا ہے نور کنول پر
چمکا مہر عالم آرا | بدلا اجالے سے اندھیارا

آنکھیں کھولو آنکھیں کھولو
جاگو پیارے نہا لو دھو لو

(فلک)

۱۰۔ ترانۂ بیداری

وقت سحر ہے سونے والو | دھیان کدھر ہے سونے والو
جاگو نیند کے اے متوالو | لطف سحر کو کھونے والو
جاگ اٹھا ہے بچہ بچہ | غفلت کیسی سونا کیسا
بادِ سحر کے جھونکے آئے | نکہت تر کے جھونکے آئے
جاگو پہلو بدل کر دیکھو | اٹھو آنکھیں مل کر دیکھو

صبح تجلی یہ نور کا عالم
ہر ذرّے پہ طور کا عالم

تازہ نیا گلزار چمن ہے | نغمے چہکے جہاں چمن میں

میٹھی بولی بول رہے ہیں — اُڑنے کو پر کھول رہے ہیں
وجد میں ہیں سب آتے جاتے — حمدِ خدا کے گیت ہیں گاتے
گلشن میں جو نہر ہے جاری — کرتی ہے سجدہ خالق باری
نخل کھڑے ہیں سر کو جھکائے — دستِ دعا شاخوں نے اٹھائے

محوِ یادِ خدا ہے سبزہ — سر بسجود پڑا ہے سبزہ
شاخ پہ بلبل زمزمہ خواں ہے — خاک پہ سنبل سجدہ کناں ہے

جاگو یادِ خدا کی گھڑی ہے
وقتِ نماز دعا کی گھڑی ہے

شور اٹھا ناقوس و اذاں کا — وقت نہیں یہ خوابِ گراں کا
عابد شیخ برہمن جاگے — جانبِ مسجد مندر بھاگے
عارف زاہد اور پجاری — نیند نہیں ہے جن کو پیاری
نیند سے پیاری یاد خدا ہے — یاد خدا میں جن کو مزا ہے

محفلِ راز میں جا کر بیٹھے
دل کو جہاں سے اٹھا کر بیٹھے

کیونکہ یہ عالم دارِ فنا ہے — اس میں سدا کب کوئی رہا ہے
تو ہے مسافر اس دنیا میں — جیسے رہرو رات سرا میں
وقت [illegible] — غفلت میں گر وقت گنوائے

چلنے سے ہو گردہ غافل کوئی کرے گا اپنی منزل
تجھ کو بھی درپیش سفر ہے
جاگ اٹھو جاگ اٹھو وقت سحر ہے

(محمود م)

۱۱۔ بندرابن کی صبح

آثار عیاں ہوئے صبح کے ساماں ہونے لگے سفر کے
ہل چل میں ہے کاروانِ انجم مغرب کو چلا نشانِ انجم
وہ شب کا سیاہ شامیانہ اب لے کے قمر ہوا روانہ
تارے سب ایک ایک کر کے
آگے پیچھے چلے قمر کے
مشرق میں ہے نور ہلکا ہلکا طلعت کا ظہور ہلکا ہلکا
صبح بن کر عروس تازہ آئی مل کر شفق کا غازہ
آئی اور کس ادا سے آئی شانوں پہ کا کلیں ملائی
چہرہ اس کا وہ یعنی خورشید بے پردہ حلقے حسرت دید
ہر چیز کو یہ تو سمجھ رہے ہے
قدرت نے رنگا ہے رنگ زر سے

جمنا ابھی خواب سے اٹھی ہو | پیدا اثر سحر سے ناز کی ہے
کرنیں جمنا سے کھیلتی ہیں | ظلمت کو پرے دھکیلتی ہیں

ہے محو خرام ناز جمنا | عشاق کی دلنواز جمنا
ساحل پہ درخت صف بہ صف ہیں | مخمل تو ہے درپا مگر ادھر سے

جمنا کا لباس مخمل ہے | اور موتیوں سے لدی ہوئی ہے
جنگل کے وہ پھول آہ خود رو | بھینی بھینی وہ اُن کی خوشبو

دھیمے دھیمے صبا کے جھونکے | اندازِ خرام وہ گلوں سے
طائر ہر سمت نغمہ زن ہیں | یہ مطربِ محفلِ چمن ہیں

ہر چند ہے دل پذیر جمنا | کب دل کو گریباں ہے تمنا
جمنا سے نہیں ہے کام ہم کو | ہے ذوقِ لقائے شام ہم کو

مل جائے ہمیں کہیں کنہیا
آرامِ دلِ حزیں کنہیا

(محمود مر)

۱۲- طلوعِ آفتاب

صبحدم دروازۂ خاور کھلا | مہرِ عالم تاب کا منظر کھلا
خسروِ انجم کے آیا صرف میں | شب کو تھا گنجینۂ گوہر کھلا

وہ بھی تھی اک سیمیا کی سی نمود — صبح کو راز مہ و اختر کھلا
ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ — دیتے ہیں دھوکا یہ بازیگر کھلا
سطحِ گردوں پر پڑا تھا رات کو — موتیوں کا ہر طرف زیور کھلا

صبح آیا جانبِ مشرق نظر
اک نگارِ آتشیں رُخ سر کھلا

(غالب)

١٣- خوشا وقتِ شام

خدا کی نظر آ رہی شان ہے — سہانا سا اک سبز میدان ہے
ہوا سے جو سبزہ ہے لہرا رہا — تو ہے دیکھنے سے مزہ آ رہا
ہری گھاس وہ لہلہاتی ہوئی — ہوا لوٹ کر لہر کھاتی ہوئی
کوئی دل جو مٹی میں ہے رل گیا — تو لیکن وہ گل ہے کہیں کھل گیا
وہاں ایک پہلو میں تالاب ہے — کہ دن دھوپ اور رات مہتاب ہے
یہ سبزی اسی کے کنارے پہ ہے — درختوں کا جھرمٹ کنارے پہ ہے
لبِ آب جو ہیں شجر جھومتے — وہ ہیں جھک کے پانی کا منہ چومتے
سماں آج کل ہے عجب رات کا — مزہ دن کا ہے کیفیت رات کا
درخت ایک جگہ جو ہیں چھتنار — ہوا دار جنگل بناتے ہوئے

تو اک بچے نے رستے سے وہاں آ کر
جگہ خوب موقع کی پہچان کر

دکھانے لگا اپنے جزدان سے
ورق پر لگاتے لگے دھیان سے

بہت لکھنے پڑھنے کا ہو ذوق اسے
یہی ذوق اُسے ہے یہی شوق ہے

خدا جانے ہے ہاتھ میں کیا کتاب
کہ اس میں ہر ٹکڑا یا چاہی در آب

اڑاتی ہے جوں جوں سیاہی شام
وہ شوقین لڑکا بذوقِ تمام

جھکا جاتا ہے اس طرح غور سے
کہ کاغذ میں کیڑا ہو جس طور سے

نظر اُس کی جب ترمرانے لگی
سیہ شام سُرمہ اُڑانے لگی

بہت بیٹھا بیٹھا جو تھا تھک گیا
اک انگڑائی لے کر وہ لڑکا اُٹھا

ملا کر بہم چھوٹے چھوٹے سے ہاتھ
ملے چہرہ پر لطفِ محنت کے ساتھ

رکھا پھر کتابوں کو جزدان میں
کھیلنے لگا آ کے میدان میں

لگی ٹھنڈی ٹھنڈی جو منہ پہ ہوا
حواس اُس کے آئے ٹھکانے ذرا

تھے دن کے تھکے ماندے جو جانور
وہ اپنے مقاموں پہ سستان کر

بہم مل کے آوازیں دینے لگے
بسیرے درختوں پہ لینے لگے

وہ مل جُل کے باہم چہکتے تھے
کہ اپنی خوشی آوازیں بولتے

درختوں پہ چڑیوں کے جو جھنڈ تھے
جو پھر تو پھر یاد بچوں [illegible]

جو سبزے میں جگنو تھے برسات کے
[illegible]

کئی غول طوطوں کے چہکاتے — گئے سبز سبز اپنے بل مارتے
تھا لڑکا بھی حیراں یہ کیا ہو گیا — کہ میداں کا سبزہ ہوا ہو گیا
کیا خاتمہ دن کا جب شام نے — تو لی گھر کی راہ اس خوش انجام نے
ادھر اور اُدھر کو نظر ڈالتا — چلا جاتا تھا دیکھتا بھالتا
کہ گھر کو گائیں بھینسیں ملی راہ میں — پھریں کھیت سے گھر کی تھیں چاؤ میں
ٹپکتی خوشی صورت حال سے — عجب جا رہی تھیں لٹک چال سے
بھرے دودھ سے تھن لٹکتے ہوئے — کہ مشکیزے جیسے چھلکتے ہوئے
کئی ساتھ ساتھ اُن کے گوسالے تھے — کہ ماؤں نے تھن کے تلے تلپتے تھے
اور اک گلہ باں پیچھے آتا ہوا — تھا الغوزہ اپنا بجاتا ہوا
ملی راہ میں اس کو کچھ بکریاں — اور اک ریوڑ بکر رواں درمیاں
وہ دو دو دن نہائی تھیں پربتوں پہ چلی — کہ دن بھر تھیں چر چگ کے گھر کو چلی
پھلرما سے بچے اُچھلتے ہوئے — تھے اٹکھیلیوں سے مچلتے ہوئے

محبت سے ممیاتا جاتا کوئی
بہت تھک کے ماں کو بلاتا کوئی

وہ لڑکا جو پہنچا نزدیک شہر — نظر آئی یاں اور بھی لہر بہر
دکانوں پہ روشن سراسر چراغ — چراغوں نے گویا لگائے تھے باغ
جو رونق کہ نیچے دکانوں پہ ہے — کچھ اس سے سوا بالا خانوں پہ ہے

دکھاتی جو ہیں ہند کی نزہتیں — اُڑی جاتی ہیں کھولے پنکھ
تماشا یہ تفریح کا ہے اگر — وہ دیکھیں بہار اور گھر
کہیں ڈال کے بیٹھے ہیں کشتیاں — کہ شعر خوانی ہوگا ہے مسند
غزل یہ بجھے کی ہے گاتا کوئی — ہے گاتا کوئی اور بجاتا کوئی

لطیفوں پہ اُڑتے ہیں جو قہقہے
کہاں یاد بلبل کو یہ چہچہے

غرض ہر جگہ سے گزرتا ہوا — تماشے خدائی کے کرتا ہوا
گیا جب کہ گھر میں وہ پرشن چراغ — تو ماں باپ بھی ہو گئے باغ باغ
خوشی سے نہ جامے میں پھولے سمائے — بہن بھائی لے لے کے وہ آئے وہ آئے
سلام اس نے پہلے کیا باپ کو — جھکایا بجنّ ادب آپ کو

دُعا دی یہ اُس نے بھی لے کر سلام
مبارک مبارک خوشا وقت شام

(آزاد)

۱۴- شفق

شفق پھولنے کی بھی دیکھو بہار — ہوا میں کھلا ہے عجب لالہ زار
ہوئی شام بادل بدلتے ہیں رنگ — جنھیں دیکھ کر عقل ہوتی ہے دنگ

نیا رنگ ہے اور نیا روپ ہے
ہر اک سمت میں یہ وہی دھوپ ہے

طبیعت ہے بادل کی رنگت پہ لٹ
سنہری لگا دی ہے قدرت نے گوٹ

ذرا دیر میں رنگ بدلے کئی
بنفشی و نارنجی و چمپئی

یہ کیا بھید ہے کیا کرامات ہے
ہر اک رنگ میں اک نئی بات ہے

یہ مغرب میں جو بادلوں کی ہے باڑ
ہے سونے چاندی کے گویا پہاڑ

فلک نیلگوں اس میں سرخی کی لاگ
ہرے بن میں گویا لگا دی ہے آگ

اب آثار ظاہر ہوئے رات کے
کہ پردے چھٹے لال بانات کے

(اسمٰعیل)

۱۵- شام کا جھٹ پٹا

جھٹ پٹا سا ہو گیا ہے شام کا
صبا جو یہ وقت ہے آرام کا

قصد چڑیوں نے بسیرے کا کیا
ڈھونڈتی ہیں اپنا اپنا گھونسلا

دیکھنا سورج ہے چھپنے کو قریب
تھم گئے چلتے مسافر بھی غریب

وہ کبوتر بھی گرے پر جوڑ کر
لیکے اپنے چھوٹے بچوں کی خبر

شام کو بستی سے باغوں کی طرف
اڑ چلے کوے بھی مل کر صف بصف

دن میں جو آواز تھی مدھم پڑی
جھنجھناہٹ جھینگروں کی کم پڑی

جانور دن بھر قلانچیں بھر چکے — اپنا اپنا کام پورا کر چکے
وہ جو کٹ کٹ کر رہی ہیں مرغیاں — ڈھونڈتی ہیں اپنے ڈربوں کا نشاں
بھیڑ بکری اونٹ گھوڑا گاؤ خر — آن پہنچے اپنے اپنے تھان پر
اب ہوا کے تیز جھونکے رک گئے — سو گئے پیڑ اور پتے جھک گئے

اب کہاں باقی ہے موقع کام کا
صاحبو یہ وقت ہے آرام کا

(اسمٰعیل)

۱۶ — شام کی آمد اور رات کی کیفیت

اے آفتاب صبح سے نکلا ہوا ہے تو — عالم کے کاروبار میں دن بھر پھرا ہے تو
ہیں روز و شب زمانے کے پیہم قدم ترے — پیمانے محنتوں کے ہیں یہ بیش و کم ترے
کلفت سے دن کی ہو گیا منہ تیرا زرد ہے — اور ڈالی اس پہ شام نے غربت کی گرد ہے
ہوتا زمانہ بس کہ ہیں وابستہ شام سے — اور تو بھی ہے تھکا ہوا دنیا کے کام سے

دامانِ کوہسار میں اب جا کے سو رہو
دن بھر کا کام شام کو سمجھا کے سو رہو

آ اے شب سیاہ کہ لیلائے شب ہے تو — عالم میں شاہزادیٔ مشکیں نسب ہے تو
ہونا وہ بعد شام شفق میں عیاں ترا — آراستہ آبنوس کا تخت رواں ترا

تھا دن مگر سیاہ ہی عالم نگاہ میں
لہراتا پرنیان و حریر سیاہ میں

چمکے گا لشکر اب ترا آسمان پر
فرماں نشان ہیں یہ اُڑے گا جہان پر

تا صبح ہوتے کار گہ روزگار بند
آرام حکم عام ہو اور کاروبار بند

عالم پہ تو جو آتی ہے رنگ اپنا پھیرتی
ہاتھوں سے مشک اُڑاتی ہے عنبر بکھیرتی

دُنیا پہ سلطنت کا تری دیکھ کر حشم
کھاتا ہے دن بھی تاروں بھری رات کی قسم

رستے زمیں پہ جل رہے تیرے چراغ ہیں
اور آسماں پہ کھلتے ستاروں کے باغ ہیں

بجلی ہنسے تو رُخ ترا دیتا بہار ہے
شبنم کو موتیوں کا دیا تو نے ہار ہے

سب تجھ کو لیتے آنکھوں پہ ہیں بلکہ جان پر
پورا ہے تیرا حکم پر آدھے جہان پر

چھائی غرض خدا کی خدائی میں رات ہے
اس وقت یا تو رات ہے یا حق کی ذات ہے

خلقت خدا کی سوتی ہے غافل پڑی ہوئی
اور رات سائیں سائیں ہے کرتی کھڑی ہوئی

سوتا گدا ہے خاک پہ اور شاہ تخت پر
ماہی بزیر آب ہے طائر درخت پر

ہے بے خبر پڑا جو بچھونوں پہ گھر میں ہے
دامانِ دشت پر کوئی سوتا سفر میں ہے

گھوڑے پہ اپنے اونگھ گیا ہے سوار بھی
چپکا ہے بلکہ رہزنِ نابکار بھی

القصہ ہے امیر کوئی یا فقیر ہے
عورت ہے یا کہ مرد جواں ہے کہ پیر ہے

بچہ کہ ماں کی گود میں ہے یا کہ پیٹ میں
سب آ گئے ہیں نیند کی اس دم لپیٹ میں

جس کو پکارو وہ سوئے خوابِ عدم گیا
دریا بھی اب تو چلنے سے شاید ہو تھم گیا

وہ آفتاب تھا جو چمکتا جہان پہ ۔ بیٹھا تھا جس کا سکہ زمین آسمان پر
کھوے ہوئے شفق کا نشان زرق برق ہے ۔ رکھ کر کرن کا تاج نکلتا ہے شرق سے
اس کے عمل کو توڑنا تیرا ہی کام ہے ۔ سکہ اب ستاروں کا اور تیرا نام ہے

محنت ثمر تھا اس کا تو راحت ہے پھل ترا
چاندی تھا اس کا حکم تو سونا عمل ترا

مزدور جا بجا تھے جو دکھ درد پا رہے ۔ اور پاؤں تک سر دل سے پسینے بہا رہے
بارِ گراں غریبوں نے سر پر اٹھائے ہیں ۔ جب چار پیسے شام کو گھر میں آئے ہیں

اے شب تمام دن کی مصیبت سے ہار کے
تیرے عمل میں پاؤں ہیں سوئے پسار کے

اکثر امیر بیٹھے ہیں نعمت کے ناز میں ۔ پر دل کو ان کے دیکھو تو ہیں سوز و ساز میں
سامانِ عیش سب ہیں مہیا کئے ہوئے ۔ جو مانگے زمانے سے حاضر لئے ہوئے

مخمل کا فرش ہے مگر آرام ہی نہیں
جھپکے پلک سحر کا کہیں نام ہی نہیں

اور رات کے زیر سایہ پڑا اک غریب ہے ۔ دن بھر اٹھاتا بار جو وہ آفت نصیب ہے
تھا صبح دم کا نکلا ہوا گھر سے کام کو ۔ وہ حق حلال کر کے گھر آیا ہے شام کو

ایسا بھی تاڑ خشک کو پانی میں چھوڑ کر   کھایا ہے اور مست پڑا ہے تنور پر

سر پہ قیامت آئے تو اُس کو خبر نہیں
سونا تو آنکھ میں ہے مگر پاس زر نہیں

یہ بھی نہ کہنا تم کہ جو آرام عام ہے   وہ سب انہوں کے واسطے غفلت کا جام ہے
بندے خدا کے ایسے یہاں بے شمار ہیں   دن سے زیادہ رات کو مصروفِ کار ہیں
کیجئے ذرا خیال کر لاتے نکتہ داں   بیٹھا ہے سر جھکائے لیے چراغداں
کرتا نظر ہے متن پہ بھی حاشیہ پہ بھی   مضمون جو ہیں دگر ہیں الجھتے کبھی کبھی

بیٹھا حرام کرکے ہے آرام و خواب کو
کیڑوں کی طرح لگ گیا ظالم کتاب کو

ہیں مدرسے کے طالبعلم اپنے حال میں   کل صبح امتحاں ہے سو اس کے خیال میں
مل مل کے یاد کرتے ہیں آپس میں دو دو سے   پڑھتے جُدا جُدا بھی ہیں کچھ فکر و غور سے
کرلیں جو کچھ کہ کرنا ہے شب درمیان ہے   کل صبح اپنی جان ہے اور امتحان ہے

جی چھوڑ بیٹھے مرد یہ ہمت سے دور ہے
قسمت تو ہر طرح ہے پہ محنت ضرور ہے

اور وہ جو لکھ رہی ہے ہماجن جہان میں   آدمی بھی سب ہے پروا ابھی ہے دکان میں
گنتی میں دام دام کے بے دم بیٹھے ہوئے   بیٹھا ہے گود میں بہی کھاتا لئے ہوئے
ہے سامنے لین دین کی میزان قلم کی   لیکن غرض ہے جمع نہیں ملتی چھدام کی

وہ دیکھتا نجومی ہوا کی شان کو ہے کس نظر سے دیکھ رہا آسمان کو
اک آنکھ دوربین پہ ہے اک کتاب پر ہے محو اپنے زائچے میں اک حساب پر
کٹتی ہے اس کی تارے ہی گنتے تمام رات ہر اب تو فکر ہے یہی دن بھر تمام رات

اک جنتری بناؤں کہ طرزِ جدید ہو
چمکے جو اس میں اپنا ستارہ تو عید ہو

اے رات تیرے پردۂ دامن کی اوٹ میں دزدِ سیاہ کار بھی ہے اپنی چوٹ میں
بیٹھا نقب لگا کے کسی کے مکاں میں ہے اور ہاتھ ڈالا اس کی ہر اک ٹین آس میں ہے
اسباب سب اندھیرے میں گھر کا ٹٹول کر ہے چپکے چپکے دیکھ رہا کھول کھول کر

لے جائے گا غرض کہ جو کچھ ہاتھ آئے گا
دیکھو کمایا کس نے ہے اور کون اڑائے گا

اس تیرہ شب کے پردہ میں شاعر جو چور ہے پھرتا ٹٹولتا ہوا مانند کور ہے
مضمون اڑاتا شعر سے مضمون غزل کے ہیں لاتا ہے اپنے ڈھب سے لفاقیہ لگے ہے

تعریفیں اس کی کرتے ہیں جو شعر سنتے ہیں
مضمون کیا ہے جن کا وہ سر بیٹھے دھنتے ہیں

عالم ہے اپنے بسترِ راحت پہ خواب میں آزاد سر جھکائے خدا کی جناب میں
پھیلائے ہاتھ صورتِ امیدوار ہے اور کرتا صدق دل سے دعا بار بار ہے
مجھ کو تو ملک ہے نہ ہے مال سے غرض رکھتا نہیں زمانہ کے جنجال سے غرض

یا رب یہ التجا ہے کرم تو اگر کرے
وہ بات دے زباں میں کہ دل پر اثر کرے

اے رات یہ جو تو نے سرِ شام آن کر سجادۂ سیاہ بچھایا ہے تان کر
اور اس پہ حق پرست کہ یادِ خدا میں ہے بیٹھا ہو فنا پہ ہو لے بقا میں ہے
اس کو اسی کی ذات سے ہے لو لگی ہوئی اور دل میں دم بدم ہے لگن وہ لگی ہوئی

کب تک رہے حباب گلا گھونٹ گھونٹ کر
اپنی ہوا میں ایک ہو پھر ٹوٹ پھوٹ کر

دریا میں چل رہا کہیں اس دم جہاز ہے اہلِ جہاز جن کا خدا کارساز ہے
بیٹھے اسی کی آس پہ ہیں دل دبے ہوئے کچھ حسرتیں ہیں دل میں کچھ ارماں دبے ہوئے
بادِ مراد دیتی ہو لئے مراد ہے پر دل کو بھولتی نہیں طوفاں کی یاد ہے
آنکھیں سبھوں کی لگ رہی ہیں بادبان پر اور جاتی ہے دعا کی صدا آسمان پر

یہ سب کے سب ہیں بیٹھے ہوا کی امید پر
اے ناخدا تو رہیو خدا کی امید پر

دل دے رہا جو شیرِ محبت کے جام ہے ماں دیکھو اپنی نیند کو کرتی حرام ہے
ہر چند کام کاج سے ہو دن کے تھک رہی بچے کو ہاتھ سے ہے برابر تھپک رہی
اور کہتی ہے کہ مجھکو پڑے یاد کل پڑے ایسا نہ ہو کہ یہ کہیں ڈر کر اچھل پڑے
ماں کی ترستی جاگتی آنکھوں کی کیا بساط کروٹ نہیں یہ لیتی کہ غش سی کہ جاتی ہے

پڑا جاں بہ حالی سی جاں بلب ہے — سب ہیں کہ کہتے ہیں کہ حالت غضب ہے
دن بھر دوا غذا میں رہا غیر حال ہے — لیکن ہے اب یہ حال کہ بچنا محال ہے
بتی چراغِ عمر کی ہے جھلملا رہی — اور بے کسی سرہانے ہے آنسو بہا رہی
اے رات مجھکو فکر یہی بار بار ہے — اس کی تو زندگی کوئی دم کا شمار ہے

کون اس کا ساتھ دیوے گا ہو صبح جب تلک
روئے گا کوئی شام کے مُردے کو کب تلک

آزاد آ زمیں ترے لطفِ زبان کو — گردش اب ہے رات نے دی آسمان کو
سب اپنے اپنے کام میں ہیں لگ گئے ہوئے — لڑکیوں سے بیٹھا بادۂ غفلت پیے ہوئے

کوئی گھڑی تو ہوش و خرد سے بھی کام لے
وقتِ سحر قریب ہے اللہ کا نام لے

(آزاد)

۱۷- رات

گیا دن ہوئی شام آئی ہے رات — خدا نے عجب شے بنائی ہے رات
نہ ہو رات تو دن کی پہچان کیا — اٹھائے مزہ دن کا انسان کیا
لگے ہونے اب ہاٹ بازار بند — زمانے کے سب کار اور بار بند
ہوئی رات خلقت چھٹی کام سے — خموشی سی چھائی سرِ شام سے

مسافر نے طے کر لیا ہے سفر — سرِ شام منزل پہ کھولی کمر
درختوں کے پتے بھی چپ ہو گئے — ہوا تھم گئی پیڑ بھی سو گئے
اندھیرا اُجالے پہ غالب ہوا — ہر اک شخص راحت کا طالب ہوا
ہوئے روشن آبادیوں پہ چراغ — ہوا سب کو محنت سے حاصل فراغ
کسان اب چلا کھیت کو چھوڑ کر — کہ گھر میں کرے چین سے شب بسر
تھپک کر سُلایا اُسے نیند نے — تردد بھلایا اُسے نیند نے
غریب آدمی جو کہ مزدور ہیں — مشقت سے جن کے بدن چور ہیں
وہ دن بھر کی محنت کے مارے ہوئے — وہ ماندے تھکے اور ہارے ہوئے
نہایت خوشی سے گئے اپنے گھر — ہوئے بال بچے بھی خوش دیکھ کر
گئے بھول سب بال بچوں کا غم — سویرے کو اُٹھیں گے اب تازہ دم

کہاں چین یہ بادشہ کو نصیب
کہ جس بے غمی سے ہیں سوتے غریب

(اسمٰعیل)

۱۸۔ خوابِ راحت

خوابِ راحت بھی کیا عجب چیز — کیا عالمِ بیخودی ہے چھایا
اے نیند نمونۂ قیامت — تو نے ہمیں آنکھ سے دکھایا

تو آئی ہوئے حواس بیکار | کیا جانے تو نے کیا سکھایا
جس وقت اتر گئی گھٹا سی | آنکھوں کا چراغ ٹمٹمایا
پھر چھوڑ گئی ہمیں جہاں میں | پھر زیست کا ذائقہ چکھایا
پایا تو کبھی تجھے نہ دیکھا | دیکھا تو کبھی تجھے نہ پایا
ہے تیری عجیب حکمرانی | دنیا کی پلٹ گئی ہے کایا
رن میں فوجوں کو جا پچھاڑا | بن میں شیروں کو جا دبایا
دہقان کو کھیت میں کیا چت | گو کھیت کو گیدڑوں نے کھایا
ریوڑ کی خبر نہیں کہاں ہے | چرواہے کو گھاس پر لٹایا
پنچھی کو درخت پر بسیرا | چڑیوں نے پروں میں سر چھپایا
ڈھوروں نے بھی چھوڑ دی جگالی | چپ ہیں نہیں کان تک ہلایا
ماؤں کو دیا ہے تو نے آرام | بچوں کو تھپک تھپک سلایا
روتے روتے جھپک گئی آنکھ | جھولے میں جھلا رہی ہے دایا
بیڑی سے رکا نہ ہتکڑی سے | محبوس کو قید سے چھڑایا
شاہوں کی بھی کر و فر مٹا دی | نہ تاج نہ تخت نے رعایا
زر ہے پرے نہ فرش مخمل | ایوان ہے گم سجا سجایا
جب سو گئے ہو گئے برابر | کب شاہ و گدا میں فرق پایا
نچکے بھی حواس ہیں معطل | فیصل ہوئے قصہ و قضیا

ٹھنڈا ہوا تاجروں کا بازار — سودے کا معاملہ چُکایا
ہے نقد کہاں کدھر گئے نوٹ — ساہوکاروں کو گھک بنایا
لالہ کو نہیں رہی ذرا سُدھ — کیا ڈیوڑھا اور کیا سوایا
بنیوں کا اُلٹ دیا ہے ٹٹّر — رہ کڑ ہے نہ جنس ہے نہ مایا
بیمار کی آنکھ لگ گئی ہے — دُکھ درد کا کرب سب ہٹایا
کچھ ہوش نہیں ہے ڈاکٹر کو — پلٹس لگے زخم پر کہ پھایا
اوسان نہیں حکیم جی کو — کیا نیند نے نخلخہ سنگھایا
پنڈت بھی ہوتے تخت لیٹے — اشنان کئے نہ جل چڑھایا
مُلّا کو بھی ہو گیا ہے نسیاں — بھولا ہے مسائلِ ہدایا
تعریف نہ کر سکا مہندس — کیا شکل ہے قائم الزوایا
جغرافیہ داں کی راہ گم ہے — لنکا ہے کدھر کدھر ملایا
کچھ یاد نہیں مورّخوں کو — کیا کیا بر روئے کار آیا
بھولا ہے کتاب طالبِ علم — اُلٹا تو نے سبق پڑھایا
مطرب کی عجیب گت بنائی — کھٹ راگ جہان کا بھلایا
چونکا نہیں قافلہ تری کا — ہر چند جہاز ڈگمگایا
چیخے نہیں ریل کے مسافر — انجن نے ہزار غُل مچایا
باقی نہ رہا کوئی تردد — جھگڑوں میں تھا جان کو کھپایا

سب مشغلے ہو گئے فراموش — اپنا ہی رہا نہ کچھ پرایا
دُنیا کی خبر نہ دین کا ہوش — کیا ساغرِ بیخودی پلایا
تو نے کیا نیند کو مسلّط — قدرت ہے بڑی تری خدایا

(اسمٰعیل)

۱۹- آسمان اور ستارے

اگر تیری قدرت کی کاری گری — نہ کرتی سمجھ بوجھ کی رہبری
تو وہ سر پٹکتی ہی رہتی مدام — طلب میں بھٹکتی ہی رہتی مدام
بنائی ہے تو نے یہ کیا خوب چھت — کہ ہے سارے عالم کی جس میں کھپت
یہ سقف کہن ہے ابھی تک نئی — اسے دیکھتے یوں ہی دُنیا گئی
زمیں پر گئیں کتنی نسلیں گزر — رہی اس کی ہیئت پہ سب کی نظر
اسے سب نے پایا اسی ڈھنگ میں — اسے سب نے دیکھا اسی رنگ میں
عجب ہے یہ خیمہ رسن ہے نہ چوب — ہمیشہ مصفا ہے بے رُخت و روب
نہ در ہے نہ منظر نہ کوئی شگاف — اِدھر سے اُدھر تک ہے میدان صاف
جھروکا نہ کھڑکی نہ در ہے نہ چھید — عجب تیری قدرت عجب تیرے بھید
بنایا ہے کیا دستِ قدرت نے گول — چُرس ہے نہ جھری نہ سلوٹ نہ جھول
عجب قدرتی شامیانہ ہے یہ — نظر کی تریخ کا ٹھکانا ہے یہ

یہ تارے جو ہیں آتے جاتے ہو گر — چمکتے ہوتے جگمگاتے ہوتے
نظر آرہے ہیں عجب شان سے — ہیں لٹکے ہوئے سقفِ ایوان سے
چراغ ایسے روشن جو بن تیل ہیں — یہ تیری ہی قدرت کے سب کھیل ہیں
یہ لعل و گوہر ہیں جو بکھرے پڑے — زمیں سے بھی ہیں ان میں اکثر بڑے
نظر میں جو اتنے سے آتے ہیں یہ — بہت دُور دُور چکر لگاتے ہیں یہ
پڑے اپنے چکر میں ہیں گھومتے — ترے حکم کے ذوق میں جھومتے
یہ قائم ہیں تیری ہی تقدیر سے — بندھے ہیں بہم سخت زنجیر سے
وہ زنجیر کیا ہے کشش باہمی — نہ اس میں خلل ہو نہ بیشی کوئی
عجب تو نے باندھی ہے یہ باگ ڈور — تماسب کا رہتا ہے آپس میں زور
یہ سب لگ رہے ہیں اسی لاگ پر — لگاتے ہیں چکر اسی باگ پر

نشہ میں اطاعت کے سب چور ہیں
کہ قانونِ قدرت سے مجبور ہیں

(اسمٰعیل)

۲۰- تاروں بھری رات

اے چھوٹے چھوٹے تارو — کہ چمک دمک رہے ہو
تمہیں دیکھ کر نہ ہووے — مجھے کس طرح تحیر

کہ تم اونچے آسماں پر   جو ہے محل جہاں سے اعلیٰ
رہتے روشن اس روش سے   کہ کسی نے جڑ دیئے ہیں

گہر اور لعل گویا

جو ہیں آفتاب تاباں   نے چھپایا اپنا چہرہ
وہیں جلوہ گر ہوئے تم   یہ تمہاری جگمگاہٹ
ہے مسافروں کے حق میں   بڑی نعمت اور راحت
اگر اتنی روشنی بھی   نہ میسّر آتی اُن کو
تو غریب جنگلوں میں   یونہی بھولتے بھٹکتے
نہ تمیز راس و چپ کی   نہ طرف کی ہوتی اٹکل

نہ نشانِ راہ پاتے

وہ غریب کھیت والے   وہ امیدوار دہقاں
کہ کھڑی ہے جن کی کھیتی   کہیں کھیت کٹ رہا ہے
کہیں گہ رہا ہے خرمن   کہیں آنکھ اُنکی جھپکی
یونہی شام سے سحر تک   ہیں تمام رات جاگے
نہ گھڑی ہے واں نہ گھنٹہ   نہ شمار وقت و ساعت
مگر اے چمکنے والو   ہو تمہیں انہیں بتاتے

کہ گئی ہے رات اتنی

وہ جہاز جن کے آگے ہے وسیع بحرِ اعظم
انہیں ہولناک موجوں سے مقابلہ ہے کرنا
کوئی ہے چلا وطن سے کوئی آ رہا ہے واپس
انہیں کچھ خبر نہیں ہے کہ کدھر ہے اُن کی منزل
نہ تو مرحلہ نہ چوکی نہ سُراغ راہ کا ہے
نہ کوئی دلیل در رہبر مگر اے فلک کے تارو
تمہیں اُن کے رہنما ہو

(اسمٰعیل)

۲۱- چاندنی

غنچۂ دل کو کھلا جاتی ہے آ کر چاندنی ہے برنگِ موسمِ گل رُوح پرور چاندنی
آسماں سے ہے جھما جھم بارشِ نورِ ضیا نور کا دریا رواں ہے یا زمیں پر چاندنی
آسماں پر ہے ستاروں سے فروغِ نورِ ماہ چار سو سطحِ زمیں پر جلوہ گستر چاندنی
گلشنِ دنیا میں یہ رنگیں بہاریں تجھ سے ہیں نور کی مورت ہے تو اے ماہ پیکر چاندنی
عجز کہتے ہیں جسے ہے نام اس کا انکسار بچھ گئی سطحِ زمیں پر فرش بن کر چاندنی
مرقدوں پر رکھتی ہے لطف و عنایت کی نظر ڈالتی ہے قبر پر رحمت کی چادر چاندنی
غنچۂ خاطر کھلے جاتے ہیں کلیوں کی طرح کس قدر ہے دلکشا کیا پُر فضا ہے چاندنی

ہر روش پر کیوں نہ اترائی پھرے بادِ صبا   شام ہی سے باغ میں ہے جلوہ فرما چاندنی
باغ میں جوشِ طرب سے بلبلیں ہیں نغمہ زن   مرحبا اے آج کیا عشرت فضا ہے چاندنی

ہے نمونہ قدرتِ صانع کا ہر سو آشکار
مظہرِ انوارِ حق شانِ خدا ہے چاندنی

(اوج گیاوی)

۲۲- جنگل کی چاندنی

وہ سنسان جنگل وہ نورِ قمر   وہ براق سا ہر طرف دشت و در
وہ اجلا سا میداں چمکتی سی ریت   اُگا نور سے چاند تاروں کا کھیت
درختوں کے پتے چمکتے ہوئے   خس و خار سارے جھلکتے ہوئے
درختوں کے سایے سے مہ کا ظہور   گرے جیسے چھلنی سے چھن چھن کے نور
نظر جو کہ پڑتی تھی بوٹی جڑی   سو وہ عالم وجد میں تھی کھڑی

درختوں سے لگ لگ کے بادِ صبا
لگی لینے وجد میں واہ وا

(صبر حسن)

٢٣ - برکھا رُت

گرمی کی طپش بجھانے والی — سردی کا پیام لانے والی

قدرت کے عجائبات کی کاں — عارف کے لئے کتاب عرفاں

وہ شاخ و درخت کی جوانی — وہ مور و ملخ کی زندگانی

وہ سارے برس کی جان برسات — وہ کون خدا کی شان برسات

آئی ہے بہت دعاؤں کے بعد — اور سینکڑوں التجاؤں کے بعد

برسات کا بج رہا ہے ڈنکا — ایک شور ہے آسماں پہ برپا

ہے ابر کی فوج آگے آگے — اور پیچھے ہیں دل کے دل ہوا کے

ہیں رنگ برنگ کے رسالے — گورے ہیں کہیں کہیں ہیں کالے

ہے چرخ پہ چھاؤنی سی چھاتی — ایک آتی ہے فوج ایک جاتی

جاتے ہیں مہم پہ کوئی چلنے — ہمراہ ہیں لاکھوں توپ خانے

توپوں کی ہے جبکہ باڑھ چلتی — چھاتی ہے زمین کی دہلتی

مینھ کا ہے زمیں پہ ڈیرا — گرمی کا ڈبو دیا ہے بیڑا

بجلی ہے کبھی جو کوند جاتی — آنکھوں میں ہے روشنی سی آتی

گھنگھور گھٹائیں چھا رہی ہیں — جنت کی ہوائیں آ رہی ہیں

کوسوں ہے جدھر نگاہ جاتی — قدرت ہی نظر خدا کی آتی

سورج نے نقاب لی ہے منھ پر — اور دھوپ نے تہ کیا ہے بستر
باغوں نے کیا ہے غسلِ صحت — کھیتوں کو ملا ہے سبز خلعت
سبزہ سے ہے کوہ دشت معمور — ہے چار طرف برس رہا نور
ٹیلا ہے نہ ہے سڑک نمودار — اٹکل سے ہیں راہ چلتے رہوار
ہے سنگ و شجر کی ایک وردی — عالم ہے تمام لاجوردی
پھولوں سے پٹے ہوئے ہیں کہسار — دولہا سے بنے ہوئے ہیں اشجار
پانی سے بھرے ہوئے ہیں جل تھل — ہے گونج رہا تمام جنگل
کرتے ہیں پپیہے پیہو پیہو — اور مور چنگھاڑتے ہیں ہر سو
کوئل کی ہے کوک جی لبھاتی — گویا کہ ہے دل میں بیٹھی جاتی
مینڈک جو ہیں بولنے پہ آتے — سنسار کو سر پہ ہیں اٹھاتے
ابر آیا ہے گھر کے آسماں پر — کلمے ہیں خوشی کے ہر زباں پر
مسجد میں ہے وردِ اہلِ تقویٰ — یا رَبّ لَنا وَلا عَلَینا
مندر میں ہے ہر کوئی یہ کہتا — کرپا ہوئی تیری مینگھ راجا
کرتے ہیں گرو گرو گرنتھی — گاتے ہیں بھجن کبیر پنتھی
جاتا ہے کوئی ملہار گاتا — ہے دیس میں کوئی گنگناتا
بھنگی ہیں نشہ میں گاتے پھرتے — اور بانسریاں بجاتے پھرتے
ساون کی کوئی [illegible] ٹھیٹھا — چھیڑا ہے کسی نے پیارا نغما

رکھشک جو بڑے ہیں جلیں مت / ڈھکنے ہیں پول پہ ڈھکتے پھرتے
کرتے ہیں وہ یوں جیون کی رکھشا
تا جل نہ بجھے کوئی پتنگا

کھم باغوں میں جابجا گڑے ہیں / جھولے ہیں کہ سو لبو پڑے ہیں
کچھ لڑکیاں بالیاں ہیں کمسن / جن کے ہیں یہ کھیل کود کے دن
ہیں پھول رہی خوشی سے ساری / اور جھول رہی ہیں باری باری
جب گیت ہیں ساری مل کے گاتی / جنگل کو ہیں سر پہ وہ اٹھاتی
اک سب کو کھڑی جھلا رہی ہے / اک گرنے سے خوف کھا رہی ہے
ہے ان میں کوئی ملار گاتی / اور دوسری پینگ ہے چڑھاتی
گاتی ہے کبھی کوئی ہنڈولا / کہتی ہے کوئی بدیسی ڈھولا
اک جھولے سے وہ گری ہے جا کر
سب ہنستی ہیں قہقہے لگا کر

ندی نالے چڑھے ہوئے ہیں / تیراکوں کے دل بڑھے ہوئے ہیں
گھڑناؤ پہ ہے سوار کوئی / اور تیر کے پہنچا پار کوئی
بگلوں کی ہیں ڈاریں آ کے گرتی / مرغابیاں تیرتی ہیں پھرتی
چکلے ہیں یہ پاٹ ندیوں کے / دن بھر میں ہیں بیڑے جا کے لگتے
ندیوں پہ چڑھا ہوا ہے پانی / موجوں کی ہیں صورتیں ڈراتی

نادیں ہیں کہ ڈگمگا رہی ہیں   موجوں کی تھپیڑیں کھا رہی ہیں
ملاحوں کے اڑ گئے ہیں اوساں   بیڑے کا خدا ہی ہے نگہباں

منجدھار کی رو بہ زور پر ہے
مچھلی کو بھی جان کا خطر ہے

(حالیؔ)

۲۴ - برکھا رُت

اُٹھ ساقی برکھا رت آئی   بجلی چمکی بدلی چھائی
پانی برسا بادل گرجا   پڑے ہیں جھولے باغ میں ہر جا
ڈُڑیں ملاریں گڑے ہنڈولے   گائیں سکھیاں پپیہے بولے
رات کو جھینگر پھونکے نفیری   دن کو ساون گاتے بھنبیری
کہیں پہ بیٹھے آلھا گائیں   جھولے ڈالیں پینگ لگائیں
اپنے رنگ میں سب متوالے   گُجری گائیں نیارس والے
چمک رہا ہے سارا جنگل   سارے درخت ہیں تارا منڈل

اگلا جھولے بگلا جھولے
کریا ماس کریلا پھولے

(عندلیب کنتوری)

۲۵ - برسات

وہ دیکھو اٹھی کالی کالی گھٹا — ہے چاروں طرف چھانے والی گھٹا
گھٹا کے جو آنے کی آہٹ ہوئی — ہوا میں بھی اِک سنسناہٹ ہوئی
گھٹا آن کر مینہ جو برسا گئی — تو بے جان مٹی میں جان آگئی
زمیں سبزے سے لہلہانے لگی — کسانوں کی محنت ٹھکانے لگی
جڑی بوٹیاں پیڑ آئے نکل — عجب بیل پتے عجب پھول پھل
ہر اک پیڑ کا اک نیا ڈھنگ ہے — ہر اک پھول کا اِک نیا رنگ ہے
یہ دو دن میں کیا ماجرا ہو گیا — کہ جنگل کا جنگل ہرا ہو گیا
جہاں کل تھا میدان چٹیل پڑا — وہاں آج ہے گھانس کا بن کھڑا

ہزاروں پھدکنے لگے جانور
نکل آئے گویا کہ مٹی کے پر

(اسمٰعیل)

۲۶ - برسات

ابھی اندھیرا ابھی اُجالا بادل تو بر تو — بوندا باندی کبھی پھوار کبھی دھڑا دھڑ بد
جنگل جھل کو برسوں میں جل تھل گویا ساگر تھال — میلے ٹھٹے گھور اور مینڈے ٹاپو کی تمثال

جھیلیں، تال، تلاؤ تلییں جیسے چھلکتا جام
سڑکیں، ریکھیں، باٹ اور ٹیلیں ندیاں نہریں تمام

تیز ہوا کی ٹکر کھا کر جھیلوں میں اک جوش
لہریں چکر بھنور سپاریں کشتی دوش بدوش

نالے نے پُل کیا چھوٹی پلٹیں ٹوٹی اٹوں تک بھرے
پلٹیں کھا کھا بھاگا اُترا تا پانی کرتا شور

جھاڑی بوٹی دھکو اور پودے اونچے نیچے پیڑ
بچھ بچھ جاتے جھاتے کھا کر موج ہوا کی ایڑ

ایک تو مینہ کی موسلا دھاریں پھر شدّت کا زور
کھیت کھسے مٹکا کے جیسے دُم کو گراتے مور

سارس، بگلے، بطّ، مرغابی، مور اور چیہے ہزار
اُڑتے اک اک اوج ہوا پر کوئی باندھ قطار

ڈبکی ماریں، تیریں، اچھلیں، کبھی مچائیں شور
پھر بھی سوکھے واہ رے اُن کے پر پرند کی زور

(جلال مرادآبادی)

۲۷- بارش

ابر تھا چھایا ہوا اور فصل تھی برسات کی
تھی زمیں پہنے ہوئے وردی ہری بانات کی

آفتاب ڈھکے ہوئے تھا چادرِ ابرِ سیاہ
برق کی چمک نے لی سے خیرہ ہوتی تھی نگاہ

بادل اتنے مینہ کا نامسفر برسانے لگے
داستانِ قلزم و عمّاں کو دہرانے لگے

جھوم کر اُٹھی گھٹا، برسی برس کر چھٹ گئی
گرد کی چادر زمیں کے منہ سے فوراً ہٹ گئی

بادلوں سے نورِ خورشید انور چھننے لگا
سائباں قوسِ قزح کا آسماں تننے لگا

سبزہ زاروں میں کلیلیں کرتے پھرتے ہیں ہرن
تھا جہاں بن کا ہرا رنگ ختن اندر ختن

جنگلوں میں مست ہو کر ناچتے پھرتے تھے مور — کوہساروں میں چکوروں نے مچا رکھا تھا شور
دامن پھیلا تھا افق کے آسماں تک آفتاب — تھی شفق کی اس کے منہ پہ اک نارنجی نقاب
یہ نظر آرا تماشا فطرت کے تھے ایسے دلفریب — ہاتھ سے جاتا رہا دل بے صبر اور دل ناشکیب

عالمِ از خود رفتگی کا مجھ پہ طاری ہو گیا
جوشِ مستی کا مری ہر رگ میں ساری ہو گیا

(ظفر علی خاں)

۲۸- فضائے برشگال

اُٹھا وہ جھوم کے ساقی چمن میں ابرِ بہار — چمک رہے ہیں شگوفے برس رہی ہے پھوار
سہی قدوں کا ہے جھمگٹ کنارِ آبِ رواں — کہ برج میں لبِ جمنا ہے گوپیوں کی قطار
ترانہ ریز ہے یوں شاخِ سرو پر قمری — کہ جیسے گاتی ہو مدھوبن میں کوئی سندر نار
ہے موتیوں کی لڑی یا قطار بگلوں کی — ہوا میں اڑتے ہیں جگنو کہ چھوٹتے ہیں انار

عجب نشاط ہے بادہ کشو چلو تو سہی
پیامِ عیش ہے لایا چمن میں ابرِ بہار

(سرور جہان آبادی)

۲۹- فضائے برشگال

ذوقِ مے نوشی بڑھاتی ہے گھٹا برسات کی
اللہ رے اڑتی ہے مستوں کو ہوا برسات کی

ابر، دریا، سبزہ، ساقی، یار، مطرب، دخترِ رز
ہوں یہ سب ساماں تو پھر دیکھیں فضا برسات کی

رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں نو عروسانِ چمن
پتی پتی سے برستی ہے ادا برسات کی

مور ناچے کوئلیں کوکیں پپیہے بول اٹھے
وصل کے دن آ گئے فصل آئی کیا برسات کی

ساقیا جام و سبو سے ایسی آرائش بڑھے
آ کے میخانہ پہ صدقہ ہو گھٹا برسات کی

(امیرؔ)

۳۰- ابر کی آمد

لہرا دیا صبا نے جو کل سبزہ زار کو
دوڑیں گھٹا نے گھیر لیا چشمہ سار کو

جوش و خروش رعد نے یہ دھوم دھام کی
ہرگز کوئی کسی کی نہ پہنچا پکار کو

بجلی تڑپ تڑپ کے دکھانے لگی چمک
رونق ہوئی دو چند ہر اک برگ و بار کو

کچھ کہہ رہا ہے ابرِ سپید و سیاہ و سرخ
مستانہ جھوم جھوم چلے کوہسار کو

ہم مشرب اپنے چند جواں تھے سو نہر پر
تشریف لے گئے وہ بتوں کے شکار کو

(انشاؔ)

۳۰- پہاڑی بادل

وہ دیکھو کوہ کے پہلو سے طفلِ ابر اُٹھا — وہ سامنے ہے جہاں پیڑ یوکلپٹس کا
وہ بھاپ سا وہ دھواں سا وہ ملگجا سا ابر — وہ ننھا مُنا بگولا سا وہ ذرا سا ابر

وہ پیارا پیارا سا وہ دلربا سا دیکھو تو
نہ دیکھا ہوگا کبھی یہ تماشا دیکھو تو

وہاں پہ کھڈ میں سے اور اک غبار سا نکلا — ہوا کے گھوڑے پہ بادل سوار سا نکلا
وہ پھیلا اور وہ سرکا بڑھا چڑھا کیا خوب — وہ مل کے دونوں نے ٹیلہ چھپا لیا کیا خوب

اندھیرا ہو گیا اب دھوند و کار بادل سے
نہاں نظر سے ہوئے سبز کھیت مخمل کے

وہ دیودار کے جنگل وہ قرن خوش منظر — بنی ہوئی تھی جو سب کوہسار کا زیور
نظر فریب جو تھیں پھول پتیاں ایلو — وہ سب دھندلکے میں بادل کے چھپ گئیں دیکھو
وہ آسمان کا حُسنِ نظر فریب چھُپا — فرازِ کوہ کھڈوں کا جو تھا نشیب چھپا

وہ دل فریب سماں سب نظر سے اوجھل ہے
زمیں سے تا بہ فلک اب تو صرف بادل ہے

لو بھیگی بھیگی ہوا آئی مینھ برسنے لگا — لو بوندوں کا سرِ کہسار پہ بندھا سہرا
لو کھڑکیوں پہ پہاڑوں کی چلمنیں چھوٹیں — لو وہ پہاڑ سے پتھر گرے سلیں ٹوٹیں

وہ پانی سانپ کی مانند کوہ سے اُترا
وہ کھڈ کی سمت چلا بے تحاشا لہراتا
اچھلتا کودتا رکتا ہوا اچھلتا آتا
سمٹتا پھیلتا، جھکتا ہوا، چلا آتا

بدلتا رنگ کھنڈروں میں مچاتا شور گھسا
چمکتا گرتا سنبھلتا دکھاتا زور چلا

نکھر رہے ہیں شجر اور حجر دلہن کی طرح
پہاڑ پہ ہے بہار آج گل چمن کی طرح

عروج روح کو حاصل ہے لطفِ منظر سے
یہ طفلِ ابر الٰہی یونہی بڑھے برسے

(واسطی)

۳۲ - ابرِ کرم

چلنا وہ بادلوں کا زمیں چوم چوم کر
اور اُٹھنا آسماں کی طرف جھوم جھوم کر

بجلی کو دیکھو آتی ہے کیا کوندتی ہوئی
سبزہ کو ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا روندتی ہوئی

آئی ادھر صبا ہے اُدھر سے نسیم بھی
اور اُن کے ساتھ ساتھ ہے آئی شمیم بھی

مستی میں جھومنا وہ جوانانِ باغ کا
جھک جھک کے لینا ہاتھ سے گل کے ایاغ کا

سبزے کے عکس سے دُھوئیں بادل سرسبز
سیراب باغ و دشت تو کہسار سبز سبز

ان سبز سبز کیاریوں پہ دل ہیں لوٹتے
طوطے پتنگ طائرِ بلبل ہیں لوٹتے

شبنم عجیب بہار ہے اپنی دکھا رہی
موتی بکھیرتی ہے جواہر لٹا رہی

پتوں پہ آبِ رنگ سے مینا نگار ہیں — ٹپکیں اگر ہوا سے تو ہیرے کا ہار ہیں

بادل اب اک بجے ہوئے سر پہ آ گئے — اور شامیانے شرق سے تا غرب چھا گئے

کیا مست آیا جھوم کے سرشار ابر ہے — برسے گا آج خوب دھواں دھار ابر ہے

لیکن یہ ماجرا سا برسنا پھوار کا — ہے گا پیام ابرِ بہاری کے تار کا

بوندوں میں جو مستی وہ درختوں کی ڈالیاں — اور سبز کیاریوں میں وہ پھولوں کی لالیاں

وہ ٹہنیوں میں پانی کے قطرے ڈھلک رہے — وہ کھاڑیاں بھری ہوئیں تھالے چھلک رہے

آبِ رواں کا نالیوں میں لہر مارنا — اور روئے سبزہ زار کا دھو کر سنوارنا

گرنا وہ آبشار کا چادر کا زور سے — اور گونجنا وہ باغ کا پانی کے شور سے

جل تھل ہیں کوہ دشت میں تالاب بھر گئے — گویا چھلک رہے ہیں کٹورے گلاب کے

ہر جا پہ طائرانِ چمن غول غول ہیں — آپس میں بولی بولتے کرتے کلول ہیں

کوئل کا کوہو کوہو درختوں پہ بولنا — اور دل میں اہلِ درد کے نشتر گھنگولنا

طاؤس کا وہ دُم کو چھتر کر کے ناچنا — اور مورنی کا اشک کے موتی کو جانچنا

لیکن چمن سے ناچ کے چلتا جو مور ہے — اک قہقہہ یہ طنز لگاتا چکور ہے

املی کے اک درخت میں جھولا پڑا ہوا — اور ساتھ اُس کے آم کا ٹپکا لگا ہوا

جھولے میں نوجوان ہیں بیٹھے چڑھے ہوئے — اور بچے آم کے ہیں پپیے بجا رہے

ساون کے گیت گا رہے طوفان و منیج — پردیسیوں کی یاد سے ارمان دلوں میں ہے

پھر مجھ کو رشک ہے اسی مستِ مدام پر — جس کی کوئی خوشی نہیں موقوف جام پر

مستانہ پن میں رکھتا ہے دیوانہ طور بھی — مستانے ساتھ رکھتا ہے دو چار اور بھی
سبزہ پہ لوٹتا ہے دماغ آسماں پہ ہے — اللہ مدد ہے یہ مطلع موزوں زباں پہ ہے

یوں پھوٹ کر جو ہیں گل و ریحاں نکل پڑے
کیا جانے کن دلوں کے ہیں ارماں نکل پڑے

(آزاد)

۳۳۔ بادل کا پھٹنا

وہ ہوا نے زور باندھا اور بادل پھٹ گیا
کھل گیا خورشید کا چہرہ کہ پردہ ہٹ گیا

بچھ گیا ہے دھوپ سے سونے کا پتر ہر طرف
خوب برساتی ہیں کرنیں ہُن زمیں پر ہر طرف

صحن سونے کا ہے چھت سونے کی گھر سونے کے ہیں
پھول پھل پتے ہیں سونے کے شجر سونے کے ہیں

کیمیا گر ہے مگر عالم میں خورشید فلک
جس کی صنعت سے پہاڑوں میں ہے سونے کی چمک

مختلف چڑیاں اڑیں کوے اڑے چیلیں اڑیں
اپنے اپنے آشیانے چھوڑ کر ابابیلیں اڑیں

بھوک سے ہیں سب پرندے اور چرندے بے آس
ڈھونڈھتا ہے کوئی کیڑے کوئی پھل اور کوئی گھاس

ہے نرالی سب سے خرگوشوں کے چلنے کی ادا
کیا بھلی معلوم ہوتی ہے اُچھلنے کی ادا

سبز میدانوں میں پھرتے ہیں ہرن چرتے ہوئے
دیکھ لیتے ہیں مگر چاروں طرف ڈرتے ہوئے

(شوق قدوائی)

۳۴ - برسات کی شام

دن ہے کم دیکھو ہٹا مغرب سے وہ ابرِ سیاہ
کھل گئی دُنیا میں آنے کے لئے کرنوں کی راہ

بن گیا خورشید ہلکے رنگ کے سونے کا طشت
دھوپ سے کچھ کچھ سنہرے ہو گئے اشجار دشت

وہ شفق کی سُرخ رنگت اور فلک کا مُرغزار
ساون کی پھولی ہوئی گویا دکھاتی ہے بہار

کوہ کے دامن میں یا لالے کا تختہ ہے عیاں
یا جسے کہتے ہیں چنخ اِک کوہ ہے آتش فشاں

جلوہ گر ہے چرخ پر سورج کے پرتو سے دھنک
یا اُڑا پردہ کھلی محرابِ ایوانِ فلک
یا کسی کے واسطے کھولے ہے آغوش آسماں
یا تنے ہے دوش پر ترکِ فلک اپنی کماں
دستکاری اپنی کی معمارِ قدرت نے عیاں
سات رنگوں سے رنگا ہے طاقِ قصرِ آسماں

(شوق قدوائی)

۳۵ - شبِ ابر

اے ابر تیری رات کی تعریف اگر کروں
لازم ہے پہلے میں رہِ ظلمات سر کروں
کیا کیا بیاں کروں میں تری رات کا مزا
گر رات کا مزا ہے تو برسات کا مزا
سنسان رات اور وہ آئی ہوئی گھٹا
چاروں طرف جہان میں چھائی ہوئی گھٹا
بجلی کبھی کبھی نگہِ فتنہ ساز سے
کرتی نقاب ابر میں چشمک ہے ناز سے

اور کوکنا پپیہے کا وہ دل کی ہوک سے
نالہ کو اپنے تو ناکوئل کی کوک سے

کوٹھے پہ ٹھنڈے ٹھنڈے بچھونے وہ اوس میں
ہے گل کو فخر آوے اگر پاتے بوس میں

آنا وہ بھیگی بھیگی ہوا کا کبھی کبھی
بول اٹھنا مرغ نغمہ سرا کا کبھی کبھی

آرام کہہ رہا ہے کہ میرے ہی ہو رہو
قسمیں ہیں دیتی نیند کہ بس اب تو سو رہو

آزاد لکھتے لکھتے ہی آدھی تو ڈھل گئی
اور شمع لالٹین میں ساری پگھل گئی

طول امل کو اپنے اب انجام دیجے
کوئی گھڑی تو آپ بھی آرام لیجئے

(آزاد)

۳۶ - مینڈک کا راگ

سن او شوریدہ حال سودائی
بند کر اب یہ اپنی شہنائی
میں نے مانا ہے تری آجکل برسات
لطف میں کٹتے ہیں ترے دن رات

تری فصل بہار ہے بیشک ‏ ‏ تجھ کو یہ ساز گار ہے بیشک

پر مجھے کیوں ستا رہا ہے تو ‏ ‏ مفت کیوں غل مچا رہا ہے تو

صدقہ اس اپنی خوش گلوئی کا ‏ ‏ واسطہ اپنی خوب روئی کا

تجھ کو سوگند تیری صورت کی ‏ ‏ اس گمانی ڈرانی مورت کی

تجھ کو جوہر کا واسطہ اے دوست

وجہ غوغا بتا مجھے اے دوست

کیا ترا نالۂ فراق ہے یہ ‏ ‏ یا صدائے پر اشتیاق ہے یہ

یا کسی سے ہے دل لگا تیرا ‏ ‏ تجھ سے محبوب چھٹ گیا تیرا

تو بھی مذبوح تیغ فرقت ہے ‏ ‏ کیا یہ تیری بھی شام غربت ہے

کس لئے تو نے غل مچایا ہے ‏ ‏ آسماں سر پہ کیوں اٹھایا ہے

رات بھر سن چکے تری ٹر ٹر ‏ ‏ نیند بھر سونا ہو گیا دو بھر

کوئی حد بھی ہے تیری اس زر کی ‏ ‏ انتہا کوئی تیری اس بڑ کی

جھٹ پٹے سے لگا ہے ٹرانے ‏ ‏ صبح ہونے کو آئی دیوانے

دیکھ تو آدھی بیت چکی کب کی ‏ ‏ رہ گئیں چند ساعتیں شب کی

ارے ظالم خموش ہو بس کر

تا کجا عائیں عائیں اور ٹر ٹر

(داستی)

۳۷ - میر اپنے گھر کا حال

کیا لکھوں میر اپنے گھر کا حال — اس خرابی میں میں ہوا پامال

گھر کہ تاریک و تیرہ زنداں ہے — سخت دل تنگ یوسفِ جاں ہے

کوچۂ موج سے بھی آنگن تنگ — کوٹھری کے حباب کے سے ڈھنگ

چار دیواری سو جگہ سے غم — تر تنک ہو تو سو کھتے ہیں ہم

لونی لگ لگ کے جھڑتی ہے ماٹی — آہ کیا عمر بے مزہ کاٹی

اس چکش کا علاج کیا کیجے — راکھو سے کب تلک گڑھے بھریئے

جا نہیں بیٹھنے کو راہ کے بیچ — ہے چکش سے تمام ایواں کیچ

آنکھیں بھر لا کے یہ کہے ہیں سب — کیونکہ پردہ رہے گا یا رب اب

جھاڑ باندھا ہے مینہ نے دن رات — گھر کی دیواریں ہیں کہ جیسے پات

باؤ میں کانپتے ہوں جو تھر تھر — ان پہ رو دار رکھے کوئی کیونکر

کھینچ رے رے کے باتے چھوپا ہر — چھوپنا کا ہے کا ہے تھوپا ہر

ایک حجرہ جو سب سے ہے اچھا — سنئے اب اس کا حال مجھ سے ذرا

کہیں سوراخ ہے کہیں ہے چاک — کہیں جھڑ جھڑ کے ڈھیری ہے گئی خاک

کہیں گھوسوں نے کھود ڈالا ہے — کہیں چوہے نے سر نکالا ہے

کہیں گھر ہے کسو چھچھوندر کا — شور ہر کونے میں ہے مچھر کا

کہیں مکڑی کے لٹکے ہیں جالے — کہیں جھینگر کے بے مزہ نالے
گرے ٹوٹے ہیں طاق چھت نیچے — چھپکلی جگہ سے چھوٹتے ہیں
آگے اس حجرے کے ہوا اک باب — وہی اس تنگ خلق کا ہے مکاں
کوئی تختے ہیں دھوئیں سے سیاہ — اس کی چھت کی طرف ہمیشہ نگاہ
کبھو کوئی سپنولیا ہے پھرے — کبھو چھت سے ہزار پائی گرے
کوئی تختہ کہیں سے ٹوٹا ہے — کوئی واسا کہیں سے چھوٹا ہے
دب کے مرنا ہمیشہ مد نظر — گھر کہاں صاف موت کا ہے گھر
مٹی تو وہ جو ڈالیں چھت پہ ہم — تھے جو شہتیر جوں کماں ہے خم
دی ہیں لرزہ دراڑیں پھر جو گئے زیاد — چل ستوں سے مکان ڈھے یاد
اینٹ مٹی کا گھر کے آگے ڈھیر — گرتی جاتی ہے جیسے جیسے منڈیر
کہنگی دیوار کی نپٹ بے حال — پیڈی کا برج کبھی سکے نہ سنبھال
طوطا مینا تو ایک بابت ہے — پودنا پھدکے تو قیامت ہے
کیونکہ ساون کٹے گا اب کی بار — تھرتھراوے جھنجھری سی دیوار
ہو گیا ہے جو اتفاق ایسا — سانس گذرے ہے کیا کہوں جیسا
ہو کے مضطر لگے ہیں کہنے سب — اڑ جھنجھری کہ ساون آیا اب
تیتری یاں جو کوئی آتی ہے — جان تھر دل نکل ہی جاتی ہے
نہیں دیوار کا یہ اچھا ڈھنگ — کہیں کہیے تو ہے قیامت تنگ

ایک دن ایک کڑا آ بیٹھا ہے گماں جیسے تھا آ بیٹھا
نہیں مطلق خار پاؤں پھلا ایک کالا پہاڑ آن گرا
مٹی اس کی کہیں کہیں تھمکی جی ڈہا اور چھاتی بھی دھسکی
سان کر خاک لگ گئے دو چار بائے جلدی درست کی دیوار
اچھے ہونگے کھنڈر بھی اس در سے بدتر ہے اک خرابی گھر در سے
اکھڑے بکھرے کواڑ ٹوٹی وصید زلفی زنجیر ایک کہنہ حدید
خاک لوہے کہ جیسے کھاد پاک چھوڑ دیجئے تو پھر نری ہی خاک
بند رکھتا ہوں ڈر جو گھر میں ہوں قدر کیا گھر کی جب کہ میں ہی نہ ہوں
گھر بھی پھر ایسا جیسا ہے مذکور ہے خرابی سے شہر میں مشہور
جس سے پوچھو لے بتا دے شتاب ساری بستی میں ہے یہی تو خراب
ایک چھپر ہے شہر دلی کا جیسے روضہ ہو شیخ چلی کا
بانس کے جا دیئے ہیں سرکنڈے سڑ گئے مینہوں میں سب ہوئے ٹھنڈے
گل کے بندھن ہوئے ہیں سب ڈھیلے پاکھے رہنے لگے ہیں سب گیلے
مینہ میں کیوں نہ بہہ گئے یکسر پھونس بھی تو نہیں ہے چھپر پر
واں جو ٹپکا تو یاں سرک بیٹھا یاں جو بھیگا تو واں تنک بیٹھا
کہیں صحنک لگوں کہیں پیالہ کہیں ہانڈی کے ٹھیکرے لالا
ٹپکے دو چار جا تو بند کروں بیچ کوئی لڑاؤں فند کروں

بس کہ بدرنگ چھپکے ہے پانی — کپڑے لیتے ہیں جیسے انسانی
کوئی جانے کہ ہولی کھیلا ہوں — کوئی سمجھے ہے یہ کہ خیلا ہوں
بان جھینگر تمام چاٹ گئے — بھیگ کر بانس پھاٹ پھاٹ گئے
تنکے جاندار ہیں جو بیش و کم — ان پہ چڑیوں کی جنگ ہے باہم
ایک کھینچے ہے چونچ سے کر زور — ایک ٹکڑی پہ کر رہی ہے شور
بوریا پھیل کر بچھا نہ کبھو — کونے ہی میں کھڑا رہا یکسو
ڈیوڑھی کی یہ خوبی درایا — چھپر اس چوچلے کا گھر آیا
جنس اعلیٰ کوئی کھٹولا کھاٹ — پلتے پٹی رہے ہیں جن کے چاٹے
کھٹملوں سے سیاہ ہے سو بھی — چین پڑتا نہیں ہے شب کو بھی
شب بچھونا جو میں بچھاتا ہوں — سر پہ روز سیاہ لاتا ہوں
کیڑا ایک ایک پھر مکوڑا ہے — کھانے کو شام ہی سے دوڑا ہے
ایک چٹکی میں ایک چھنگلی پر — ایک انگوٹھے پہ ایک انگلی پر
گرچہ بہتوں کو میں مسل مارا — پر مجھے کھٹملوں نے مل مارا
ملتے راتوں کو گھس گئیں پوریں — ناخنوں کی ہیں لال سب کوریں
ہاتھ تکیہ پہ گہہ بچھونے پر — کبھی چادر کے کونے کونے پر
سلسلایا جو پا کمنی کی اور — وہیں مسلا کر ایڑیوں کا زور
تو نشان ان رگڑوں سے جب جاتی — ایڑیاں یوں رگڑتے ہی کاٹی

جھاڑتے جھاڑتے گیا سب بان — ساری کھاٹوں کی چولیں نکلی نداں
نہ کھٹولا نہ کھاٹ سونے کو — پائے پٹی لگائے کرنے کو
سوتے تنہا نہ یاں میں کھٹمل — آنکھ، منہ، ناک، کان میں کھٹمل
اک ہتھیلی میں یک کھائی میں — سینکڑوں ایک چارپائی میں
ہاتھ کو چین ہو تو کچھ کہیے — کب تلک یوں ٹٹولتے رہیے
یہ جو بارش ہوئی تو آخرکار — اس میں سی سالہ وہ گری دیوار
دو طرف سے تھا کتوں کا ہتا — کاش جنگل میں جاکے میں بستا
ہو گھڑی دو گھڑی تو دھتکاروں — ایک دو کتے ہوں تو میں ماروں
چار جاتے ہیں چار آتے ہیں — چار عف عف سے مغز کھاتے ہیں
کس سے کہتا پھروں یہ صحبت نغز — کتوں کا سا کہاں سے لاؤں مغز
دن کو ہے دھوپ رات کو ہے اوس — خواب راحت یہاں ہے سو سو کوس
قصہ کوتہ دل اپنا کھوتا ہوں — رات کے وقت گھر میں ہوتا ہوں

نہ اثر بام کا نہ کچھ در کا
گھر ہے کاہے کا نام ہے گھر کا

(میر)

۴۸- جاڑے کا موسم

سردی اب کی برس ہے اتنی شدید
صبح نکلے ہے کانپتا خورشید

جتنا عالم تھا کاشمیر ہوا
بلکہ کہتے کہ زمہریر ہوا

ان دنوں چرخ پر نہیں ہے مہر
گودیں کانگڑی رکھے ہے سپہر

کہر پڑنے کو کہتے ہیں سب یار
ٹھنڈ سے ہے جہاں کے دل میں غبار

لیک دیکھا جو غور کرکے میں آپ
نکلے ہے منھ سے آسماں کے بھاپ

دے ہے پوشش زمیں کو یاں تک جاڑ
پا بدامن ہیں جس قدر ہیں پہاڑ

پانی پر جس جگہ کہ کائی ہے
سبزہ وہ شال کی رضائی ہے

بس کہ یخ بستہ بحر میں ہے آب
برف کی ہے رکابی ہر گرداب

عکس پانی میں یوں ہے شکل پذیر
رہتی ہے زیر شیشہ جوں تصویر

نہیں ہے نہر باغ میں اس دم
بچے بط بھی یخ بچہ سے کم

تیغ سے کاٹتا ہے آب وہ چند
آب میں اس قدر ہوئی ہے گزند

اکڑے جاتے ہیں دیکھو سنبل کو
گٹھری ہو جائے گل کے غنچہ میں تو

دیکھ گل پر صبا نہیب برد
بھرتی پھرتی ہے ہر طرف دم سرد

گر پڑے برگ تاک مڑ کے تمام
بلبلیں مر رہیں اکڑ کے تمام

مرمر صبح جان کھوتی ہے
تیر سی دل کے پار ہوتی ہے

بادسے رنگ سکڑ کے ہیں اس بھانت — بجے تو باجے ہیں دانت سے دانت
جس طرف اب نگاہ جاتی ہے — جو ہی جوں بید تھرتھراتی ہے
کانپتے ہیں درخت وارض وجبال — موسم دے ہے یا ردیا بھونچال
آگ بھی ٹھنڈ سے ٹھٹھرتی ہے — گودوں کے بیچ چھپتی پھرتی ہے
بے حرارت ہیں سردی کے مارے — طرح یاقوت کی اب انگارے
ہے یہ آفت چراغ تک درپے — لو گویا کہربائے شمع سے ہے
جاڑا لگنے کا نج تلک ہے حرف — لپٹی رہتی ہے نمدوں ہی میں برف
دیں ہیں برباد ٹھنڈ سے یکدست — جو کوئی ہے سو آفتاب پرست
دن کی کٹتی ہے دھوپ میں اوقات — کالے کمبل میں رات کاٹے ہے رات
رعد سردی کے ہاتھ گرم فروش — ابر دوشِ ہوا پہ بالاپوش
برف پڑتی نہیں فلک سے ندات — پھینکے ہے واسطے زمیں کے لحاف
شب جو درخشندگی پہ برق آئے — ابر میں یوں ٹھٹھر کے رہ جائے
گر کسی شخص کو مرض ہے اب — تو وہ جاڑے ہی سے کرے کرتب
فرطِ سرما سے دیکھیے جس کو — دست زیرِ بغل ہے مثلِ سبو
مشعلوں کے گھروں میں آج اور کل — ہیں پڑے پڑے دبکے ہے منقل
پہنتے ہیں سمور اور قاقم — ٹھنڈ سے کھینچتے ہیں ہم سو دم
اس پہ جاڑے سے ہے یہ اُن کا حال — ناک سے چھوٹتا نہیں رومال

جھینکنا جاڑے کا جو جھینکیں ہیں — اک سخن ہے تو لاکھ جھینکیں ہیں

کوئی اب جلسے ہل نہیں سکتا — گھر سے باہر نکل نہیں سکتا

پھر جو کوئی ندان نکلے ہے — ٹھنڈ کے مارے جان نکلے ہے

لیٹے رہتے ہیں روئی میں مجبور — جس طرح ناشپاتی و انگور

اہل حرفہ پہ کیجئے جو نگاہ — کاروبار اُن کا ہو گیا ہے تباہ

پیٹ کر سر کہے ہے بھٹیارہ — ہائے اب کیا کروں میں بیچارہ

سقا بولے ہے بھر کے آنکھوں میں اشک — یارو پانی نکالو چیر کے مشک

آہ قناد بھر کے یوں بولے — بنی تھی قند ہو گئے اولے

دیکھو حلوائی کو جو بیٹھے کہیں — برنی کچھ چپٹ دکاں میں آ سکے نہیں

لگے ہے اب جو مرنے بیچارا — یہی کہتا ہے ٹھنڈ نے مارا

غرض ایسی ہی کچھ پڑی ہے ٹھنڈ — مٹ گیا زمہریر کا بھی گھمنڈ

سودا آخر ہے سردی کا مذکور — شعر بھی گر خنک ہوں رکھو معذور

آگے جاتا نہیں ہے اب بولا
ہو گئی ہے زبان بھی اولا

(سودا)

۳۹۔ شبِ سرما

اے زمستاں کہوں کیں طرح تری رات کا لطف
تری شبہائے دراز اور وہ برسات کا لطف

ہے کوئی چھینٹ کا اوڑھے ہوئے فرغل بیٹھا
پر سمیٹے ہوئے جیسے کوئی بلبل بیٹھا

اوڑھ بیٹھا کوئی سردی سے لحاف اپنا ہے
کوئی کر بیٹھا بچھونے کو غلاف اپنا ہے

کچھ لحافوں سے ابھی منھ کو نکالے ہیں پڑے
لیکن انگیٹھی کو پہلو میں سنبھالے ہیں پڑے

مارے سردی کے جگر سینوں میں تھراتے ہیں
بچے ماں باپ کی بغلوں میں گھسے جاتے ہیں

کہیں سُو سُو کہیں سی سی کہیں سیٹی ہے
گرد سب بیٹھے ہیں اور بیچ میں انگیٹھی ہے

بزمِ احباب کی صحبت کا مزہ ہے تجھ سے
سازِ عشرت کے نئے برگ و نوا ہے تجھ سے

شب بھر اسی میں ہے گانے بجانے کا مزا
پان کھانے کا گلوری کے چبانے کا مزا

یار خط کے ترے دور میں لٹتے ہیں مزے
دو دو تلخ اس کے سوا دودھ سے دیتے ہیں مزے

ہے جواں لیتا اسی شب میں جوانی کا مزا
اور جو بڈھا ہے تو لیتا ہے کہانی کا مزا

صوفی و رند کے جلسے کا تو ہی ساقی ہے
مایۂ عیش و طرب دم سے ترے باقی ہے

ہر طرف سے ہے گی پیالی پہ پیالی اُڑتی
مے نہ ہو مے تو ہے تصویر خیالی اڑتی

بے ملے مست پڑے شکر خدا کرتے ہیں
چائے پی پی کے ترے سر کو دعا کرتے ہیں

بس کر اے عدل کہ نہیں لکھنے کی طاقت باقی
مارے سردی کے نہیں ہاتھ میں حالت باقی

میرے اللہ تو ہی اب ہے بچانے والا
تیرے آزاد کو پالے سے پڑا ہے پالا

آرزو کچھ نہیں دنیا کی رہی ہے دل میں

تپشِ عشق سے دل میرا رہے نرم سدا
گرمیِ شعر و سخن سینہ رکھے گرم سدا

(آزاد)

۴۹ - موسمِ خزاں

گزر چکی تھیں بہاریں خزاں کا موسم تھا
کہ اتفاق سے میں اک چمن میں جا نکلا

عجیب حال گل و گلستاں نظر آیا
نگہ اٹھا کے جدھر دیکھا آنکھ بھر آیا

وہ زرد زرد تھے رنگ آہ سبز پوشوں کے
کہ شکل دیکھی نہ جاتی تھی ان کی آنکھوں سے

کھڑے تھے بیکس و مجبور سے بچارے سے
لٹے لٹائے پریشان غم کے مارے سے

نہ موتیا، نہ چنبیلی، نہ موگرا دیکھا
برائے نام نہ غنچہ کوئی کھلا دیکھا

زباں دراز نہ سوسن کہیں نظر آئی
نہ آنکھ نرگسِ شہلا نے ہائے دکھلائی

نہ سبزیاں نہ طراوت نہ تازگی نہ فضا
نہ خوشگوار ہوائیں نہ لطفِ نظارہ

روش روش پہ فضا یہ بری سی چھائی ہوئی
خزاں کے ہاتھ سے اک خاک سی اڑائی ہوئی

یہ سب دیکھ کے دل میں بہت ہی پچھتایا
کہ آج اس جگہ کیوں سیر کو چلا آیا

یہاں نہ آتا تو ناحق ملال کیوں ہوتا
کسی کے حال کا مجھ کو خیال کیوں ہوتا

(حائل)

۴۱ - موسمِ خزاں

آزمستاں کہو تم بادشہِ برفانی ‏ ‏ شاہِ برفانی و شاہنشہِ یخستانی

بادِ صرصر ہے نشاں تیرا اڑاتی آتی ‏ ‏ فوجِ اقبال کو رستہ ہی بتاتی آتی

جس طرف تیرے پھریرے کا ہو جھوکا جاتا ‏ ‏ مارے ہیبت کے ہو دل سینوں میں تھراجاتا

باغ پر جب ہے ترے قہر کا جھوکا آتا ‏ ‏ ڈر کے ہر برگ ہے پیوندِ زمیں ہو جاتا

تیرے سناٹے سے ہوتی ہو فنا جانِ نبات ‏ ‏ خوف کے مارے دہل جاتے ہیں طفلانِ نبات

تھرتھراتے ہیں کھڑے سارے جوانانِ چمن ‏ ‏ منہ چھپاتے ہیں گل و سنبل و ریحانِ چمن

ہیں شجر سر پہ کھڑے خاک اڑاتے سارے ‏ ‏ گل و گلزار ہیں ویراں نظر آتے سارے

نغمہ سنجانِ چمن پر ہیں پھلائے بیٹھے ‏ ‏ اور پر و بال میں ہیں منہ کو چھپائے بیٹھے

باغباں کا جو گلستاں میں گزر ہوتا ہے ‏ ‏ لب حیرت سے یہی کہتا ہے اور روتا ہے

یاالٰہی وہ جوانانِ چمن ہو گئے کیا ‏ ‏ باغ سنسان ہے مرغانِ چمن ہو گئے کیا

ماتمِ غم کس سے کہے باغ میں بلبل بھی نہیں ‏ ‏ کان میں پوچھیے کس سے کہ وہاں گل بھی نہیں

نہ تو غنچہ کوئی باقی ہے کہ جو منہ کھولے ‏ ‏ نہ ہے گلزار میں سوسن جو زباں سے بولے

کہ درختانِ چمن باغ میں عریاں کیوں ہیں
ہاتھ پھیلائے کھڑے ششدر و حیراں کیوں ہیں

(آزاد)

۴۳ - آمدِ بہار

پھر اس انداز سے بہار آئی
ہو گئے مہر و مہ تماشائی

دیکھو اے ساکنانِ خطۂ خاک
اس کو کہتے ہیں عالم آرائی

کہ زمیں ہو گئی ہے سر تا سر
رو کشِ سطحِ چرخِ مینائی

سبزے کو جب کہیں جگہ نہ ملی
بن گیا روئے آب پر کائی

سبزہ و گل کے دیکھنے کے لئے
چشمِ نرگس کو دی ہے بینائی

ہے ہوا میں شراب کی تاثیر
بادہ نوشی ہے باد پیمائی

کیوں نہ دنیا کو ہو خوشی غالب
شاہِ دیندار نے شفا پائی

(غالب)

۴۳ - آمدِ بہار

ہوا چاروں طرف اقصائے عالم میں پکار آئی
بہار آئی بہار آئی بہار آئی بہار آئی

بہار آئی دکھائی قادرِ مطلق کی شان اس نے
زمیں کی تہ میں جو ٹھٹھرے تھے ڈالی ان میں جان اس نے

بہار آئی ہے نیچر اپنی نقاشی دکھاتا ہے
بہت رنگین نقشے سامنے آنکھوں کے لاتا ہے

جہاں سے مٹ گیا برگِ خزاں کا بد نما سکہ
بہار اب ڈھالتی ہے اشرفی کے پھول کا سکہ

ہوا سے صبح اس کے ساتھ پنکھا جھلتی آتی ہے
ہنسی پڑتی ہیں کلیاں جب ہوا اُن کو منہ لگاتی ہے

پہاڑوں سے بہایا اس نے برفِ صاف پگھلا کر
رواں ہو کر وہی پانی سمندر میں ملا جا کر

شمیمِ باغ نے سیکھا چلن اترا کے چلنے کا
زمانہ آگیا پھر سے سبزے کے نکلنے کا

دُلھن کی شکل ہر گُل نے لباسِ سُرخ پہنا ہے
شجر کے جسم پر کیا خوشنما پھولوں کا گہنا ہے

ہوا شائق پہ نیّرِ اعظم جو آمادہ
سنوارا مختلف رنگوں سے دُنیا کا رُخِ سادہ

تعجب کیا جو ہیبت سے خزاں کے رُخ پہ زردی ہے
کہ فوج اس پہ غالب آئی جس کی سُرخ وردی ہے

نکل آئے حجابِ ارض سے گُل پیرہن رنگوں

کہیں ہیں سرو قد لاکھوں کہیں غنچہ دہن لاکھوں

پلاتی ہے شجر کو اوس اپنا دودھ لا لا کر
محبت سے ہوا منہ چومتی ہے بار بار آکر

جڑیں اندر ہی اندر پھیل کر قوت پکڑتی ہیں
زمیں اُن کو جکڑتی ہے زمیں کو وہ جکڑتی ہیں

چمن اور دشت میں ہے ہر طرف انبار پھولوں کا
جدھر دیکھو زمیں پہنے ہوئے ہے ہار پھولوں کا

عیاں سبزہ پہ نعمت کی ادائیں کی ہیں سورج نے
بڑھا کر ہاتھ کرنوں کی بلائیں لی ہیں سورج نے

ہیں روشن چاندنی کے پھول یا تارے چمکتے ہیں
کھلے ہیں پھول لالہ کے کہ انگارے دہکتے ہیں

ہزاروں رنگ کی چڑیاں ہیں شکلیں خوشنما جن کی
ادائیں دلربا جن کی صدائیں نغمہ زن جن کی

بہار آنے سے خوش ہیں ہر طرف اتراتی پھرتی ہیں
ہوا تو ناچتی پھرتی ہے چڑیاں گاتی پھرتی ہیں

دیا ہے تیلیوں کو رزق کا سامان پھولوں نے
کیا بھونروں کو جوشِ فیض سے مہمان پھولوں نے

ہوا ہی نے کھلائے گل، ہوا ہی پھر گراتی ہے
زمیں جس نے کیا پیدا وہی پھر اُن کو کھاتی ہے
غرض اے شوقؔ اترانا عبث ہے حسنِ فانی پر
گھمنڈ انساں کو نازیبا ہے دو دن کی جوانی پر

(شوقؔ قدوائی)

۴۴ - صبحِ بہار

واہ کیا پُر فضا ہے صبحِ بہار
واہ کیا دلفریب ہیں اشجار

ہر طرف ہیں شگفتہ لالہ و گل
ہے چمن پر غضب کا آج نکھار

شاخِ گل پر ہے بلبلوں کا ہجوم
کر رہی ہیں ستائشِ غفار

کیا ہے پُر درد نالۂ قمری
کیسے دلکش ہیں نغمہائے ہزار

کہیں وہ شور و غل پپیہوں کا
کہیں وہ نالہ ہائے بلبلِ زار

کیا ہی دلکش ہے صبح کا عالم
رشکِ جنت ہے تختۂ گلزار

ہر طرف طائرانِ خوش الحان
شادمانی کا گا رہے ہیں ملہار

جس طرف دیکھو پُر فضا ہے سماں
جس طرف دیکھو سبز ہیں اشجار

کہیں بیلا چنبیلی جوہی ہے
کہیں سنبل کہیں ہیں چنار

کہیں شبو کہیں گلاب کے پھول
کہیں نسرین و نسترن کی بہار

کیسے سرسبز ہیں یہ برگ و شجر — کیسے شاداب ہیں گل و گلزار

دیکھیں پر خزاں کا نام و نشاں — باغ سیراب سبز ہیں اشجار

چل رہی نسیم عنبر بیز — جس سے بشاش ہے دلِ بیمار

واہ کیا دلفریب منظر ہے

واہ کیا پُر فضا ہے صبحِ بہار

(ادجؔ)

۴۵- لطفِ بہار

اک روز گلستاں میں جو میرا گزر ہوا — لطفِ بہار و منظرِ بستاں تھا دلکشا

جادو بھرا تھا گل کا ادھر حسنِ جانفزا — بلبل ادھر ترانۂ الفت سے خوش نوا

سبزے کا فرش بادِ بہاری بچھا گئی

شبنم بھی موتیوں کا خزانہ لٹا گئی

کلیاں تھیں اک ادا سے تبسم دکھا رہی — تھیں مسکرا کے بجلیاں گویا گرا رہی

بادِ صبا انہیں تھی کبھی گدگدا رہی — منہ چوم کر کبھی تھی گلے سے لگا رہی

شمشاد کے گلے کا کبھی ہار بن گئی

سنبل کے گیسوؤں کا کبھی تار بن گئی

شاخیں گلوں کی گاہ صبا تھی ہلا رہی — تھی طفلِ غنچہ کو کبھی جھولا جھلا رہی

مستانہ چال سے تھی کبھی لڑکھڑا رہی — انداز لغزشوں کے کبھی تھی دکھا رہی
ہو سوسن کی ہم زباں تھی کبھی ہمکنار تھی
نسرین و نسترن کی کبھی رازدار تھی

تھیں خندہ ہائے گل میں عجب جاں نوازیاں — نالوں میں بلبلوں کے نہاں جاں گدازیاں
پیپے کے تا بہ تیج میں افسوں طرازیاں — نرگس کی چشم مست میں سحر سازیاں
کچھ کر رہی تھی غنچوں کو نرگس اشارتیں
آنکھوں سے تھی ٹپک رہی اس کی شرارتیں

مرغان بوستاں بھی بیتاب سر بسر — بیچین اڑ رہے تھے چمن میں اِدھر اُدھر
گویا وہ ڈھونڈتے تھے کسی کو شجر شجر — قرباں کر رہے تھے وہ دل شاخ شاخ پر
نرگس پہ نسترن پہ گل و سبزہ زار پر
شمشاد پر صنوبر و سرو و چنار پر

دھانی لباس پہنے عروس بہار تھی — زیب گلو کتے ہوئے پھولوں کے ہار تھی
ہر برگ گل سے شانِ جمال آشکار تھی — جوبن کے اس بہار پہ جنت نثار تھی
شہرت بہارِ حسن کی تھی آسمان پر
تعریف اس کی مرغ جہاں کی زبان پر

(مبارک)

۴۶- بہار

شادابی ہوا میں یہ کیفیت اب کے ہو — سو رنگ کے شگفتہ ہیں گل شاخسار پر
اشجار جھومتے ہیں بڑے صحنِ باغ میں — تاک اینٹھتے ہیں مست ہوئے جوبار پر

موجِ بہار لالۂ خود رو نے اے نسیم
کچھ آگ سی لگائی ہے کوہسار پر

(انشاء)

۴۷- جوشِ بہار

بہار لالہ و گل سے لگی ہے آگ گلشن میں — گریباں چاک کر چل بیٹھے صحرا کے دامن میں
جنوں کے جوش میں یکجا نہیں دم بھر قرار آتا — کبھی گلشن سے صحرا میں کبھی صحرا سے گلشن میں

(آتش)

۴۸- بادِ مُراد

چل اے بادِ بہاری ہمت کر ذرا — تمنائی ہے تیرا ہر گل و خار
نہال و نخل و سبزہ سب ہیں بے جاں — گیا و مُردہ میں تو ڈال دے جاں
نہیں گلشن میں پتے کا بھی کھڑکا — ذرا شاخیں ہلا طائر کو بھڑکا

ہلک (?) تیزی سے اے بادِ بہاری — کہ چھا جائے چمن پر وجد طاری
جو تو ہلکے تو سبزہ لہلائے — چمن کا بیل بوٹا سر ہلائے
لچک جائے کمر نازک شجر کی — زمیں پر جھک پڑے ڈالی ثمر کی
ٹپک جائے جو ہو پکا ہوا پھل — کہ شاخیں ہو رہی ہیں سخت بوجھل
سنا بادِ صبا کیا کیا خبر ہے — قلمرو میں تری گل بحر و بر ہے
ذرا کر دامنِ صحرا میں راحت — بہت کی تو نے دریا کی سیاحت
بس اب آرام کر لوگوں کے گھر میں — رہی تا دیر تو سیر و سفر میں
ترے ہمراہ چلے آتے ہیں پیہم — بھری ہیں کیا سفیرِ (?) بحرِ اعظم
جلو میں ہر ترے اک فوج جرار — تو ہی ہے ابر کے لشکر کی سردار
اٹھایا ہے سمندر تو نے سر پہ — گھٹا کو لاد کر لائی کمر پہ

تری تیزی سے ہیں بادل چمکتے
ترے جھونکوں سے ہیں تنکے پھڑکتے

چمن میں بہہ رہی ٹھنڈی ہوا ہے — کبھی آہستہ رو موجِ صبا ہے
غبارِ گرد سے جو اٹ گئی تھی — صبا نے غسل کا ساماں کیا ہے
ہوا نے کیا ہوا باندھی چمن میں — کہ خوابِ چمن کا سر کھلا ہے
چمن کا پتہ پتہ ہے نوا سنج — صبا کی آمد آمد جا بجا ہے
گلوں کی ڈالیاں جھک جھک گئی ہیں — زمیں پر سبزہ کیا لوٹتا ہے

کھلی پھنکھڑی گلہائے تر کی　　صبا نے کان میں کیا کہہ دیا ہے
بکھیری نسترن پر زلفِ سنبل　　صبا شوخی میں فتنہ ہو رہا ہے
گیاہِ سبز کا طرّہ پریشاں
صبا تیرے ہی چھیڑے سے ہوا ہے

کرائے بادِ مراد آہنگ آفاق　　جہاز سست رو ہے تیز مشتاق
پھریرے کو اڑا کس بادباں کو　　کہ دیکھیں ساحلِ ہندوستاں کو
فلک کا آباد و بحر و ساحل　　ترے دیکھے پڑے ہیں سب مراحل
مقامِ استوا سے تا بہ قطبین　　تجھے جنبش نہیں دیتی کبھی چین
بہت کھوندے ہیں کوہ و دشت تو نے
کیا بحرین کا گلگشت تو نے

تو ہی کہہ اے نسیمِ صبح گاہی　　مثالِ رحمتِ عامِ الٰہی
جہاں میں ہیں ترے الطاف حاوی　　غریبوں اور امیروں پر مساوی
کبھی بنتی ہے جا ایسی تند پر زور　　معاذ اللہ معاذ اللہ ترا زور
اگر تو خشکیوں سے تند خو ہو　　تہ و بالا جہازِ جنگجو ہو
کبھی دریا میں لے جائے بہا کر　　کبھی ساحل پہ دے پٹکے اٹھا کر
اڑاتی ہے اسے تو راہ بے راہ　　جہاز آگے ترے ہے ہر خس و پرِ کاہ
معاذ اللہ ترا طوفاں غضب ہے　　تری تیزی نشانِ قہرِ رب ہے

اُجاڑا تو نے گلزار و چمن کو
ہلا ڈالا ہے جنگل اور بن کو

پچھاڑا نے میں کیسا ہاگ تو نے
نیستاں میں لگا دی آگ تو نے

تری رفتار ہے بیباک کیسی
اُڑاتی ہے زمیں کی خاک کیسی

یہ گُل کرتے ہیں تجھ سے بے تامل
کیا اک دم نہ دل میں شمع کو گل

کبھی گرمی سے گرما گرم ہے تو
کبھی سردی سے سرد و نرم ہے تو

اُڑا لیتی ہے تو پانی کو چپ چاپ
نظر آتا نہیں جب بن گیا بھاپ

چھپا دی چور تھا ایسی نہ چھوتی
نہ پاتے صبح کو شبنم کے موتی

خوشامد تیری خصلت میں نہیں ہے
تری تیزی برابر ہر کہیں ہے

اُجاڑا گر کسی مفلس کا چھپر
اکھاڑا خیمہ و خرگاہِ لشکر

نہ در گزرے غریبوں کے مکاں سے
نہ جھجکے طرۂ تاجِ شہاں سے

نہیں کچھ تجھ کو حرمتِ شانِ سلطاں
اُڑایا پردۂ ایوانِ سلطاں

کسی کا طرۂ طرار چھیڑا
کسی کا برقعِ زرتار چھیڑا

غرض دلچسپ تیری ہر ادا ہے
تری شوخی و چالاکی بجا ہے

(اسمٰعیل)

۴۹۔ گرمی کا موسم

گرمی سے تڑپ رہے تھے جاندار — اور دھوپ میں تپ رہے تھے کہسار

بھوبل سے سوا تھا ریگِ صحرا — اور کھول رہا تھا آبِ دریا

تھی لوٹ سی پڑ رہی چمن میں — اور آگ سی لگ رہی تھی بن میں

سانڈے تھے بلوں میں منہ چھپائے — اور ہانپ رہے تھے چارپائے

تھیں لومڑیاں زباں نکالے — اور لُو سے ہرن ہو رہے تھے کالے

چیتوں کو نہ تھی شکار کی سُدھ — ہرنوں کو نہ تھی قطار کی سُدھ

تھے شیر پڑے کچھار میں سُست — گھڑیال تھے رود بار میں سُست

ڈھوروں کا ہوا تھا حال پتلا — بیلوں نے ڈال دیا تھا کندھا

بھینسوں کے لہو نہ تھا بدن میں — اور دودھ نہ تھا گئو کے تھن میں

گھوڑوں کا چھٹا تھا گھاس دانہ — تھا پیاس کا اُن پہ تازیانہ

طوفان تھے آندھیوں کے برپا — اُٹھتا تھا بگولے پہ بگولہ

آرے تھے بدن پہ لُو کے چلتے — شعلے تھے زمین سے نکلتے

تھی سب کی نگاہ سوئے افلاک — پانی کی جگہ برستی تھی خاک

پنکھے سے نکلتی جو ہوا تھی — وہ بادِ سموم سے سوا تھی

سات آٹھ بجے سے دن چھپے تک — جانداروں پہ دھوپ کی تھی دستک

مٹی میں دن تھا گنواتا کوئی | تہ خانہ میں منھ چھپاتا کوئی
بازار پڑے تھے سارے سنسان | آتی تھی نظر نہ شکلِ انسان
چلتی تھی دکان جس کی دن رات | بیٹھے تھے وہ ہاتھ پر دھرے ہاتھ
خلقت کا ہجوم اگر کہیں تھا | یا پیاؤ یا سبیل پر تھا
پانی سے تھی سب کی زندگانی | میلا تھا وہاں جہاں تھا پانی
تھیں برف پہ نیتیں لپکتی | فالودے پہ رال تھی ٹپکتی
تھے جو خفقانی اور مراقی | گرمی سے نہ تھا کچھ اُن میں باقی
کھانے کا نہ تھا اُنہیں مزہ کچھ | آٹھ آٹھ پہر نہ تھی غذا کچھ
بن کھائے کئی کئی دن اکثر | رہتے تھے فقط ٹھنڈائیوں پر
شب کٹتی تھی ایڑیاں رگڑتے | مر مٹ کے صبح تھے پکڑتے
بچوں کا بُرا تھا حال بے حال | کملائے ہوئے تھے پھول سے گال
آنکھوں میں تھا اُن کے پیاس سے دم | تھے پانی کو دیکھ کرتے مم مم
پانی دیا گر کسی نے لاکر | پھر چھوڑتے تھے نہ منھ لگا کر
تخصیص تھی کچھ نہ میری تیری | پانی سے نہ تھی کسی کو سیری
کل شام تلک تو تھے یہی طور | پر رات سے ہے سماں ہی کچھ اور
پُروا کی دُہائی پھر رہی ہے | پچھوا سے خدائی پھر رہی ہے
برسات کا بج رہا ہے ڈنکا | اک شور ہے آسماں پہ برپا

۵۰۔ گرمی کا موسم

مئی کا آن پہنچا ہے مہینہ — بہا چوٹی سے ایڑی تک پسینہ
بجے بارہ تو سورج سر پہ آیا — ہوا پیروں تلے پوشیدہ سایہ
چلی لُو اور تڑاقے کی پڑی دھوپ — لپٹ ہے آگ کی گویا کڑی دھوپ
زمیں ہے یا کوئی جلتا توا ہے — کوئی شعلہ ہے یا پچھوا ہوا ہے
در و دیوار ہیں گرمی سے تپتے — بنی آدم ہیں مچھلی سے تڑپتے
پرندے اُڑ کے ہیں پانی پہ گرتے — چرندے بھی ہیں گھبرائے سے پھرتے
درندے چھپ گئے ہیں جھاڑیوں میں — مگر ڈوبے پڑے ہیں کھاڑیوں میں
نہ پوچھو کچھ غریبوں کے مکاں کی — زمیں کا فرش ہے چھت آسماں کی
نہ پنکھا ہے نہ ٹٹی ہے نہ کمرہ — ذرا سی جھونپڑی محنت کا ثمرہ

امیروں کو مبارک ہو حویلی
غریبوں کا بھی ہے اللہ بیلی

(اسمٰعیل)

۵۱۔ شبِ گرما

بچھا صحن میں تھا بڑا سا جو تخت — وہاں آ کے بیٹھا وہ فرخندہ بخت

لگا سامنے آ کے دستار خوان
بہم کھا کھلا کر ہوئے شادماں

فراغت ہوئی کھانے پینے سے جب
بچھونوں پہ آئے قرینے سے تب

برابر برابر بچھے تھے پلنگ
پڑیں چادریں اُن پہ مہتاب رنگ

فلک نیلگوں رنگ نکھرے ہوئے
ستارے تمام اُن پہ بکھرے ہوئے

چمک کر چڑھا چرخ پر چاند تھا
کہ سورج کا منہ کر دیا ماند تھا

اِدھر چاندنی نور پھیلا رہی
سیاہی اُدھر رنگ دکھلا رہی

وہ چھائی رات تاروں بھری
کہ چادر ہو جیسے ستاروں بھری

پلنگڑی پہ لڑکا تھا لیٹا ہوا
کہ بیٹا تھا شکر لپیٹا ہوا

پدر تھا جو تاریخ کا رازداں
سناتا تھا ہر دم نئی داستاں

دیا یہ مزہ ان حکایات نے
کہ انگڑائی گردوں پہ لی رات نے

ہوا آ کے پنکھا ہلانے لگی
ہر اک کو غرض نیند آنے لگی

تھکے ماندے دن بھر کے تھے ہو رہے
ڈوپٹے پٹے تان اور سو رہے

بیاں کیا کروں رات کی شان کا
زمانہ میں عالم ہے سنسان کا

پڑا نیند میں مست سارا جہاں
نہ تھے چور باقی نہ تھے پاسباں

پڑے ایسے سب گئے مدہوش تھے
کہ گھڑیال تک بھی تو خاموش تھے

درختوں میں تھی جو گزرتی ہوا
زمانہ پڑا کرتا تھا سائیں سائیں

شب تار بھی نیند میں آن کر
سیہ چادر اپنی پڑی تان کر

ہمیشہ زمانہ کا دستور ہے
اندھیرے سے کرتا عیاں نور ہے

کہ چمکا ستارہ سحر گاہ کا
ہوا رنگ پھیکا رُخِ ماہ کا

ستاروں کی آنکھیں جھپکنے لگیں
تعجب سے مشرق کو تکنے لگیں

شبِ تار کا رنگ فق ہو گیا
چراغِ سحر جاں بحق ہو گیا

سحر کے جو عالم نمودار تھے
دھوئیں اُڑ رہے تھے شبِ تار کے

لگے بولنے سب سحر کے طیور
گئی اُن کی آواز نزدیک و دُور

وہ بڈھا کہ تھا جو بستر خواب میں
ستارہ ہو جوں چادرِ آب میں

اُٹھا کر کہا اُس نے تکیہ سے سر
سَلامٌ عَلَیکُم مُبارک سحر

(آزاد)

۵۲- جاڑہ اور گرمی

ایک دن جاڑے نے گرمی سے کہا
میں بھی ہوں کیا خوب موسم واہ وا

ہے بجا گر کیجئے میری صفت
ہے روا گر کیجئے میری ثنا

میں جہاں میں ہوں نفیس و ہر عزیز
مانگتے ہیں میرے آنے کی دعا

میرے آنے سے نہ ہو کیوں خرمی
کیا خنک پانی ہے کیا ٹھنڈی ہوا

چاندنا ہے کہ دودھ ہے بچھا
آسماں ہے صاف نیلا خوشنما

بات گرمی کی تو کچھ ہوتی نہ تھی | دن کی محنت سب کو دیتی تھی تھکا
میری آمد نے کیا شب کو دراز | میرے آنے نے دیا دن کو گھٹا
تو مسافر کا جھلس دیتی تھی منھ | اور زمیں تلووں کو دیتی تھی جلا
اب ہوا بھی اور زمیں بھی سرد ہے | کھو دیا میں نے حرارت کا پتا
مل گئی کتنے بکھیڑوں سے نجات | ٹٹیاں موقوف پنکھا چھٹ گیا
دھوپ کا ڈر ہے نہ لُو کا خوف ہے | ان دنوں کی دھوپ ہے گویا غذا
سورج اب کترا کے جاتا ہے نکل | فصلِ تابستاں میں تھا سر پر چڑھا
ہے حضر میں آج کل عیش و نشاط | ہے سفر بھی ان دنوں راحت فزا
میرے دم سے تندرستی بڑھ گئی | پا لی مدت کے مریضوں نے شفا
ڈاکٹر صاحب کو فرصت مل گئی | اب شفاخانہ میں ہے کم جمگھٹا
ضعفِ معدہ کی شکایت مٹ گئی | بے دوا خود بڑھ گئی ہے اشتہا
مکھیاں بھی رہ گئیں پر ڈال ڈال | بے تکلف اب ہے کھانے کا مزا
گرم پوشاکوں نے اب پایا رواج | میں نے بخشا آن کر خلعت نیا
سل گئے توشک لبادے اور لحاف | درزیوں نے پایا محنت کا صلہ
بیسے ہونے کو ات پوچھے برف کو | ہاں پانی برف کا بھی ہے چھپا
ندی نالوں کا گیا پانی ٹھہر | جھیل اور تالاب نے پائی صفا
طالب علم اب کریں گے کوششیں | کوششوں سے ہوگا پورا مدعا

ٹھیک وقت بارش ہوئی کھیتوں کا ہے یہی | تندرستی کا ہے جن سے فائدہ
حاکموں نے کر دیا دورہ شروع | تاکریں دردِ رعایا کی دوا
جابجا فوجیں ہوتی ہیں مجتمع | تاکہ میداں میں کریں مشقِ وغا
سیب، نارنگی، بہی، بیر، انار | میوہ ہر اک قسم کا بکنے لگا
تخم ریزی جنسِ اعلیٰ کی ہوئی | کھیت میں بویا گیا گیہوں چنا
پک گئی ایکھ اور کولھو چل پڑا | عید کی سی دھوم ہے دیہات میں
ہے مٹھائی کی نہایت ریل پیل | چل رہی ہے آج کل میٹھی ہوا
انس ہے محنت مشقت سے مجھے | کاہلی کو میں نہیں رکھتا روا

محنتی ہیں مجھ سے خوش میں اُن سے خوش
کاہلوں کا میں نہیں ہوں آشنا

سُن کے یہ باتیں ہوئی گرمی بھی تیز | اور جل کر یوں جواب اُس کو دیا
آپ اپنے منہ میاں مٹھو نہ بن | خودستائی عیب ہے او خودستا
اُس کو ہوتا ہی نہیں حاصل کمال | جو کہ اپنے آپ کو سمجھے بڑا
باہنر تو سرکشی کرتے نہیں | بلکہ سر کو اور دیتے ہیں جھکا
تیری خودبینی ہوئی تجھ کو حجاب | خوبیوں کو میری سمجھا بدنما
تجھ سے عالم میں خزاں کا ہے ظہور | مجھ سے ہے فصلِ بہاری کی بنا
تو نے شاخوں کے کئے پتے کھسوٹ | تو نے پیڑوں کو برہنہ کر دیا

میرے آنے سے پہلے پت جھڑ سے شجر — سبز پوشاک اُن کو کی میں نے عطا

میں نے شاخوں میں لگائے برگ و بار — ورنہ کیا تھا ان میں ایندھن کے سوا

کھیت جاڑے بھر تو کچے ہی رہے — ہاں مگر میں نے دیا اُن کو پکا

تو نے رکھے تھے بخیلوں کی طرح — برف کے تودے پہاڑوں میں چھپا

میں نے پگھلا کر کیا تقسیم اسے — تاکہ پہنچے سب کو فیض و فائدہ

خشک چشمے بھر گئے دریا چڑھے — دیکھے میرا کرم بھر کا تھا

تجھ سے تھی مخلوق میں افسردگی — کون خوش تھا جز گروہ اغنیا

میری آمد نے مساوی کر دیئے — راحت و آرام میں شاہ و گدا

کر دیا میں نے رگوں میں خوں رواں — ٹھنڈے شل ہو گئے تھے دست و پا

میں نے کھولے آن کر تن کے مسام — کیونکہ رکنا تھا پسینہ کا بُرا

پھینک دیگا اب دلق کہنہ خلق نے — غلغلہ جو میری آمد کا سنا

رات بھر رہتی تھی خلقت گھر میں بند — کر دیا اس بند سے میں نے رہا

میں نے حکمت سے چلائیں آندھیاں — تا بدل جائے مکانوں کی ہوا

میں سمندر سے اٹھاتی ہوں بخار — جس سے چھا جاتی ہے ملکوں پہ گھٹا

چہرۂ گردوں کا یہ گرد و غبار — ابر کے آنے کا دیتا ہے پتہ

رات چھوٹا دن کو نہ کیوں ترجیح دوں — رات ہے تاریک دن ہے پُر ضیا

ہے بہجت ابتدا میری بہار — ہے سدا برسات میری انتہا

تھیں بہت دونوں کی تقریریں دراز ‏ ‏ ‏ اور طولانی بیانِ ماجرا
سن کے اِن دونوں کی یہ کج بحثیاں ‏ ‏ ‏ ایک دانا نے کیا یوں فیصلہ
کچھ نہیں ہے اس میں جاڑے کا قصور ‏ ‏ ‏ کچھ نہیں ہے اس میں گرمی کی خطا
جب حقیقت پر نہیں ہوتی نظر ‏ ‏ ‏ یوں ہی رہتا ہے بہم شکوہ گلا

ہے حرارت کی کمی بیشی فقط
ورنہ جاڑا کون اور گرمی ہے کیا

(اسمٰعیل)

۵۳ - خدا کی صنعت

جو چیز خدا نے ہے بنائی ‏ ‏ ‏ ظاہر ہے اس میں خوشنمائی
کیا خوب ہے رنگ ڈھنگ سب کا ‏ ‏ ‏ چھوٹی بڑی ہیں حسبِ قدر اشیاء
ہر چیز کی ہے ادا نرالی ‏ ‏ ‏ حکمت سے نہیں ہے کوئی خالی
ننھی کلیاں چٹک رہی ہیں ‏ ‏ ‏ چھوٹی چڑیاں پھدک رہی ہیں
اُس کی قدرت کے پھول مہکے ‏ ‏ ‏ پھولوں پہ پرندے آکے چہکے
چڑیوں کے عجیب پَر لگائے ‏ ‏ ‏ اور پھول ہیں عطر میں بسائے
چڑیوں کی ہے بھانت بھانت آواز ‏ ‏ ‏ پھولوں کا جُدا جُدا ہے انداز
محلوں میں امیر ہے با آرام ‏ ‏ ‏ ہے در پہ کھڑا غریب ناکام

ہے کوئی غنی تو کوئی محتاج   بے گھر ہے کوئی کسی کے گھر راج
روزی دونوں کو دی خدا نے   معمور ہیں قدرتی خزانے
دن کو بخشی عجب صفائی   "تاروں بھری رات کیا بنائی"
موتی سے پڑے ہوئے ہیں لاکھوں   ہیرے سے جڑے ہوئے ہیں لاکھوں
کیا دودھ سی چاندنی ہے چھٹکی   حیران ہو کر نگاہ بھٹکی
تارے رہے صبح تک نہ وہ چاند   آگے سورج کے ہو گئے ماند
نیلا نیلا اب آسماں ہے   وہ رات کی انجمن کہاں ہے
شام آئی تو اس نے پردہ ڈالا   پھر صبح نے کر دیا اُجالا
جاڑا، گرمی، بہار، برسات   ہر رُت میں نیا سماں نئی بات
جاڑے سے بدن ہے تھرتھراتا   ہر شخص دن میں ہے دھوپ کھاتا
سردی سے ہاتھ پاؤں ہیں ٹھٹھرتے   سب لوگ الاؤ پر ہیں گرتے
سرسوں پھولی بسنت آیا   سب نے پھاگن کا راگ گایا
پھوٹیں کونپلیں نئی شجر میں   اِک جوش بھرا ہوا ہے سر میں
جاڑے کی جو رُت پلٹ گئی ہے   دن بڑھ گیا رات گھٹ گئی ہے
گرمی نے زمیں کو تپایا   بھانے لگا ہر کسی کو سایا
برسات میں دل ہیں بادلوں کے   ٹھنڈے ٹھنڈے ہوا کے جھونکے
رو آئی ہے زور شور کرتی   دامانِ زمیں کو تر کرتی

کس زور سے بہہ رہا ہے نالہ
اونچے ٹیلے کو کاٹ ڈالا
بل کھا کے ندی نکل گئی ہے
رخ اپنا اُدھر بدل گئی ہے
دریا ہے رواں پہاڑ کے پاس
بستی ہے بسی اُجاڑ کے پاس
بستی کے اِدھر اُدھر ہے جنگل
جنگل ہی میں ہو رہا ہے منگل
مٹی سے خدا نے باغ اُگائے
باغوں میں اسی نے پھل لگائے
میوے سے لدی ہوئی ہے ڈالی
دانوں سے بھری ہوئی ہے بالی
سبزے سے ہرا بھرا ہے میداں
اونچے اونچے درخت ذی شاں
روشن آنکھیں بنائیں دو دو
قدرت کی بہار دیکھنے کو

ہر شے اُس نے بنائی نادر
بیشک ہے خدا قوی و قادر

(اسمٰعیل)

۵۴- خدا کی کاریگری

تعریف اُس خدا کو جس نے جہاں بنایا
کیسی زمیں بنائی کیا آسماں بنایا
پیروں تلے بچھایا کیا خوب فرش خاکی
اور سر پہ لاجوردی اک سائبان بنایا
مٹی سے بیل بوٹے کیا خوشنما اُگائے
پہنا کے سبز خلعت اُن کو جواں بنایا
خوش رنگ اور خوشبو گل پھول ہیں کھلائے
اس خاک کے کھنڈر کو کیا گلستاں بنایا

بھوری گھٹائیں کیا کیا خوش نما ہیں پھیلے
چمکنے سے جن کے بجلی کو تیر کی طرح بنایا

سورج سے ہم نے پائی گرمی بھی روشنی بھی
کیا خوب تو نے چشمہ اے مہرباں بنایا

سورج بنا کے تو نے رونق جہاں کو بخشی
رہنے کو یہ ہمارا اچھا مکاں بنایا

پیاسی زمیں کے منہ میں مینہ کا چوایا پانی
قدرت نے تیری ان کو تسبیح خواں بنایا

تنکے اٹھا اٹھا کے لائیں کہاں کہاں سے
کس خوبصورتی سے پھر آشیاں بنایا

اونچی اڑیں ہوا میں بچوں کو پر نہ بھولیں
ان بے پروں کا ان کو روزی رساں بنایا

کیا دودھ دینے والی گائیں بنائی تو نے
چڑھنے کو میرے گھوڑا کیا خوشنما بنایا

رحمت سے تیری کیا کیا ہیں نعمتیں میسر
ان نعمتوں کا مجھ کو پھر قدرداں بنایا

آبِ رواں کے اندر مچھلی بنائی تو نے
مچھلی کے تیرنے کو آبِ رواں بنایا

ہر چیز سے ہے تیری کاریگری ٹپکتی
یہ کارخانہ تو نے کب رائگاں بنایا

(اسمٰعیل)

۵۵- ہندوستان کے پھول

فصلِ بہاری آئی چمن میں
پھول کھلے دشت و دمن میں

قدرت کی یہ رنگ آمیزی
سبزہ و گل کی رستا خیزی

گل ہائے رنگا رنگ کی رنگینی
خوشبو کی بھینی بھینی

کہیں ہے بیلا کہیں ہے خیری　　کہیں ہے گیندا کہیں دوپہری
مدن مست کی بُو متوالی　　مولسری کی باس نرالی
جاہی جوہی اور چنبیلی　　چنپا کی خوشبو البیلی
ساونی اپنے رنگ میں ماتی　　ادھر مالتی ہے اتراتی
دونا مروا اور ہزارا　　رنگ اشرفی سب سے پیارا
نافرمان اور گل داؤدی　　رنگت زرد سنہری اودی
ٹیسو پھولا جنگل دہکا　　کیوڑے سے سارا بن مہکا

تالابوں میں کنول کھلا ہے
اور سنگھاڑا خوب پھلا ہے

(علیؔ میاں کنتوری)

دیگر

ہے اس مملکت کی عجب گل زمیں　　کہیں پھول یاں کے سے ہوتے نہیں
دل بستہ دیکھیں اُن کو ہو باغ باغ　　جو سونگھے تو بھر جائے بو سے دماغ
گندھے ہیں گندھے گر وہ محفل میں آئیں　　تو مجلس کو عالم چمن کا بنائیں
کروں وصف کیا موگرے کا بیاں　　ہے بزم میں اس کی نسبت دلی چل
بہت موتیا کی پیاری ہے بُو　　ہر اک گل سے اُس کی نیازی ہے خو

ذراسے کی اد بسکہ بیٹھی ہے جو
دلوں کو وہ مقبول کیونکر نہ ہو

خدا سب سے وہ ہیر کا ہے روپ
کہاں اس کی رنگت کو گلنی ہو دھوپ

گلوں سے نرالا ہے گل چاندنی
چمن کا اُجالا ہے گل چاندنی

ہر اک گل کا ہے رنگ عالم جُدا
نہیں تکلف سے کوئی خالی ذرا

جسے دیکھئے ہر طرح خوب ہے
طبیعت کو ہر اک کی مرغوب ہے

ہوئے سستے یوں تا کہ پہنے منگا
زنِ بے نوا و زنِ بادشاہ

جو عالم دکھاتے ہیں دمڑی کے پھول
وہ ہرگز نہ ہو موتیوں سے حصول

۹

۵۶- کنج عزلت

دُنیا کی محفلوں سے اکتا گیا ہوں یارب
کیا لطف انجمن کا جب دل ہی بجھ گیا ہو

شورش سے ہوں گریزاں دل ڈھونڈتا ہے میرا
ایسا سکوت جس پہ تقریر بھی فدا ہو

مرتا ہوں خامشی پہ یہ آرزو ہے میری
دامانِ کوہ میں اک چھوٹا سا جھونپڑا ہو

لذت سرود کی ہو چڑیوں کے چہچہوں میں
چشمے کی شورشوں میں باجا سا بج رہا ہو

آغوش میں زمیں کی سویا ہوا ہے سبزہ
پھر پھر کے جھاڑیوں میں پانی چمک رہا ہو

گل کی کلی چٹک کر پیغام دے کسی کا
ساغر ذرا سا گویا مجھ کو جہاں نما ہو

صف باندھے دونوں جانب بوٹے ہرے ہرے ہوں
ندی کا صاف پانی تصویر لے رہا ہو

ہو دلفریب ایسا کہسار کا نظارہ
پانی بھی موج بن کر اٹھ اٹھ کے دیکھتا ہو

مہندی لگائے سورج جب شام کی دلہن کو
سرخی لیے سنہری ہر پھول کی قبا ہو

راتوں کے چلنے والے رہ جائیں تھک کے جس دم
امید ان کی میرا ٹوٹا ہوا دیا ہو

پچھلے پہر کی کوئل وہ صبح کی موذن
میں اس کا ہمنوا ہوں وہ میری ہمنوا ہو

کانوں پہ ہو نہ میرے دیر و حرم کا احساں

روزن ہی جھونپڑی کا مجھ کو سحر نما ہو
پھولوں کو آئے جس دم شبنم وضو کرانے
رونا مرا وضو ہو نالہ میرا دعا ہو

دل کھول کر بہاؤں اپنے وطن پہ آنسو
سرسبز جن کی نم سے بوٹا امید کا ہو

اس خامشی میں جائیں اتنے بلند نالے
تاروں کے قافلے کو میری صدا درا ہو

ہر دردمند دل کو رونا مرا رلا دے
بیہوش جو پڑے ہیں شاید انہیں جگا دے

(اقبال)

۵۷ - باغ

دیا شہ نے ترتیب اک خانہ باغ — ہوا رشک سے جس کے لالہ کو داغ
عمارت میں خوبی دروں کی وہ شان — لگے جس میں زربفت کے سائباں
چقیں اور پردے بندھے زرنگار — دروں پہ کھڑی دست بستہ بہار
کوئی در سے ہے پا لٹکا ہوا — کوئی زہ پہ خوبی سے لٹکا ہوا
وہ مقیش کی ڈوریاں سربسر — گرہ کا پھندنا جس سے تارِ نظر

چھتوں کا تماشا تھا آنکھوں کا جال نگہ کو وہاں سے گزرنا محال

سنہری مغرق چھتیں ساریاں وہ دیوار اور در کی گلکاریاں

دیے ہر طرف آئینے جو لگا گیا چوگنا لطف اس میں سما

وہ مخمل کا فرش ایسا ستھرا کہ بس بچھے جس کے آگے نہ پلنے ہوس

رہیں کھلنے اس میں روشن مدام معطر شب و روز جس سے مشام

چھپر کھٹ مرصع وہ دالان میں چمکتا دمکتا تھا ہر آن میں

زمیں پر تھی اس طرح اس کی جھلک ستاروں کی جیسے فلک پر چمک

زمیں کا کروں کیا میں اسکی بیاں کہ صندل کا اک پارچہ تھا عیاں

بنی سنگ مرمر کی چوپڑ کی نہر گئی چار سو اس کے پانی کی لہر

کھڑے تھے قرینے سے سرو سہی ذرا دور دور ان سے سیب سہی

کہوں کیا میں کیفیت بلند پست لگاتے رہیں تاک اس کے مے پرست

ہوائے بہاری سے کچھ لہلہے چمن سارے شاداب اور ڈہڈہے

زمرد کی مانند سبزے کا رنگ روش پر جواہر لگا جیسے سنگ

روش کی صفائی پہ بے اختیار گل اشرفی نے کیا گل نثار

چمن سے بھرا باغ گل سے چمن کہیں نرگس و گل کہیں یاسمن

چنبیلی کہیں اور کہیں موتیا کہیں رائے بیل اور کہیں موگرا

کھڑے شاخ شبو کے ہر جا نشاں ملے پان کی اور ہی آن بان

کہیں ارغواں اور کہیں لالہ زار | جُدی اپنے موسم میں سب کی بہار
کہیں جعفری اور گیندا کہیں | سماں شب کو داؤدیوں کا کہیں
عجب چاندنی میں گلوں کی بہار | کہ ہر اک سفیدی سے مہتاب وار
کھڑے سرو کی طرح چنپے کے جھاڑ | کہے تو کہ خوشبوئیوں کے پہاڑ
کہیں زرد نسریں کہیں نسترن | عجب رنگ کے زعفرانی چمن
پڑا آب جو ہر طرف کو بہے | کریں قمریاں سرو پر چہچہے
گلوں کا لب نہر پر جھومنا | اسی اپنے عالم میں مُنہ چُومنا
وہ جھک جھک کے گرنا خیابان پر | نشے کا سا عالم گلستان پر
لیے ہاتھ میں بیلچے مالنیں | چمن کو لگیں دیکھنے بھالنے
کہیں تخم پاشی کریں کود کر | نہری جما دیں کہیں کھود کر
کھڑے شاخ در شاخ باہم نہال | رہیں ہاتھ جوں مست گردن میں ڈال
لبِ حوض پر آئینے میں دیکھ قد | اکڑنا کھڑے سرو کا حد نہ تد
خراماں صبا صحن میں چار سو | دماغوں کو دیتی ہر اک گل کی بو
کھڑے نہر پر قاز اور قرقرے | لیے ساتھ مرغابیوں کے پرے
صدا قرقروں کی بطوں کا وہ شور | درختوں پہ بگلے منڈیروں پہ مور
چمن ہر طرف گل سے مہکا ہوا | ہوا کے سبب باغ مہکا ہوا
صبا جو گئی ڈھیر اس رنگ کے پھول | پڑے ہر طرف نسریوں کے پھول

وہ کیلوں کی اور مولسریوں کی چھاؤں ۔ لگی جابجا نکہتیں سے چمن کا ماؤں
خوشی سے گلوں پر صدا بلبلیں ۔ تعشق سے آپس میں باتیں کریں
درختوں نے برگوں کے کھولے ورق ۔ کریں طوطیاں بوستاں کا سبق
سماں قمریاں دیکھ اس آن کا
پڑھیں باب پنجم گلستان کا

(میر حسن)

٨٥ - باغ

دیکھا اک باغ قدرت نے لگایا ہے وہاں ۔ گلِ خود رو نے عجب جلوہ دکھایا ہے وہاں
مخملِ سبز سے ہے سبزۂ تر کا انداز ۔ رنگِ گل اس میں دکھاتے ہیں تماشا انداز
ہر سرِ کوہ جو پانی کا ہے چشمہ جاری ۔ نہر بن بن کے دکھاتا ہے عجب سرشاری
آب یوں سر سے بدامانِ جبل مار رہا ۔ سانپ سیماب کا ہو جیسے کہ بل مار رہا
سنگ مرمر کی سلِ آب پہ جو اک سل ہے پڑی ۔ اس پہ اک شکل پری ہاتھ میں جونکی چھڑی
رنگ رُخ کو گلِ رخسار سے چمکاتے ہوئے ۔ بیٹھی اک پاؤں کو پانی میں ہے لٹکائے ہوئے
اس پہ ہے چتر کی جا سایہ فگن سبز نہال
پھول پہنے ہے پہلو میں کھڑی باد شمال

(آزاد)

۵۹۔ باغ بنگلہ

باغ ہے پُر عجب ہے بیعداد　　　وہ کوئی آدمی نہ آدم زاد

گل ہیں سب پڑے اپنے جوبن پر　　　بوئے گل ہے صبا کے توسن پر

ہے عجب پُر شگوفہ دبرِ گل　　　باغ رنگین جس سے ہے باگل

ہے عجب شگفت پر بہارِ چمن　　　جھومتے ہیں کھڑے نہالِ چمن

سبزہ یکجا پہ لہلہاتا ہے　　　پیچ سنبل کہیں پہ کھاتا ہے

مالتی کھل رہی جو ہر سو ہے　　　کچھ عجب بھینی بھینی خوشبو ہے

آب پاشی سے سبزہ لائق دید　　　سبز مخمل پہ جیسے مروارید

پھول اک ایک ایسے ہیں بوقلمون　　　ہے جسے دیکھ آدمی کو جنون

وہ سہانا سہانا وقتِ زوال　　　شگفت گلشن سے ہر شجر ہے نہال

باغ چھوٹا سا پیارے پیارے چمن　　　گل ز گل پتی پتی پہ جوبن

بیچ میں ایک بنگلہ ہے خس کا　　　فرش جس میں تمام اطلس کا

چار جانب سے آتی ہے خوشبو　　　کہیں جوہی کھلی کہیں شببو

ہر چمن پر نئی طرح کی بہار　　　پھولا اک سمت کو ہے ہارسنگار

سب چمن اپنے اپنے ڈھنگ کے ہیں　　　پھول کچھ جیسے کچھ ہر رنگ کے ہیں

قمریاں طائران تیز زبان　　　ابھر شاخوں سے لٹکا آویزاں

گل جو چاروں طرف مہکتے ہیں
مست ہو ہو کے سب چہکتے ہیں

(مرزا شوق)

۶۰- آرائش باغ

نظر آیا دونوں کو اک خانہ باغ
کہ بلبل کا دل جس کی فرقت میں داغ

مصفا وہ نہر اس میں اک بے عدیل
کہے تو کہ ہے موجزن سلسبیل

ہزاروں سے پیدا سکے پانی واں
کہ برسائے مینہ جس طرح آسماں

تھی سرسبز صحنوں میں مہندی جہاں
وہ گویا زمرد کی تھیں ٹٹیاں

تھی سوسن کی رنگت اس اسلوب کی
خجل جس سے مستی ہو محبوب کی

شجر اس کے تھے سب کے سب باثمر
قرینوں سے سب کچھ ادھر کچھ ادھر

روش صاف صاف آئینہ کی مثال
شجر وہ کہ گلچیں ہو جس سے نہال

ہوا کے وہ جھونکے عجب سرد سرد
کہ کشمیر کا تختہ جس سے ہو زرد

وہ انگور کی ایک طرح دار بیل
جوانوں کو مستی ہو لڑکوں کو کھیل

وہ بلبل کے نالوں کی ہر سمت دھوم
وہ ہر سرو پر قمریوں کا ہجوم

وہ نہروں کا پانی چھلکتا ہوا
پھرے مست جیسے بہکتا ہوا

درختوں پہ بیٹھے ہوئے وہ طیور
دلوں کو ہو جن کی صدا سے سرور

باغ میں گل چیں کو خلعت صیاد کو
ہم سے شعلہ بیاں ہے سرگین فساد
وہ زرِ گل کی چمک جس پہ کندن ہو خجل
طبع کی صنعت گری، پر نہ ہوا فرق کچھ
لالۂ احمر تھا وہ، یا کہ عقیقِ یمن
دیکھ کے یہ رنگ ڈھنگ کہنے لگے جوہری
نور کا تڑکا ہوا، اور یہ عالم ہوا
آئی نسیمِ سحر، باغ کو جنبش ہوئی
یوں دہنِ غنچہ سے قطرۂ شبنم گرے
آئی کسی شاخ سے، ایسی سُریلی صدا
بھیرویں اڑنے لگی، باغ میں چاروں طرف
جنبشِ بادِ سحر، پھونک دے سارا چمن
جمع کیے صبح نے ایک ہی جا نار و نور
چشمۂ خورشید سے نور برسنے لگا
سرد ہوا تیز ہوئے جبکہ بخارات جمع
* وہ چمن اور آب جو اور وہ ابرِ سیاہ
مینہ کے برس جانے سے دھو گئی گردِ نبات

رحمتِ پروردگار چار طرف تھی حصار
اپنی طرف سے وہ تھا دل یہ کچھ ایسے غبار
قطرۂ شبنم کی آب، جس پہ ہو گوہر نثار
سونے کا زیور بہت لائے بنا کر سنار
موتیا کی تھی کلی، یا کہ دُرِ شاہوار
گل ہے ہر اک زرنگار، باغ جواہر نگار
آئی نسیمِ سحر باغ میں مستانہ وار
ہلنے لگے سب درخت، اڑنے لگے برگ و بار
دُود دھا گانے لگے، جیسے کوئی شیرخوار
جیسے بجائے کہیں، بین کوئی بین کار
تانیں اڑانے لگے، اونچے سروں میں ہزار
ہر طرف اٹھنے لگے، آتشِ گل سے شرار
پرتوِ خور محض نور، آتشِ گل محض نار
آتشِ گل سے ادھر تک کے اٹھا اک غبار
پھر تو وہاں دھار مینہ پڑنے لگا ایک بار
روم و حلب پر محیط ہے سیہ زنگبار
نام کو بھی باغ میں اب نہیں گرد و غبار

شاخ پہ اس طرح ہے، شاہد گل جلوہ گر
جیسے زمرد کے تخت پر ہو کوئی شہریار

ایک طرف نسترن، ایک طرف یاسمن
ایک طرف ارغواں، سارے ہیں خدمت گزار

اور بھی خادم کئی سامنے موجود ہیں
جن کو شاہانے کئے ملتے ہیں سب کاروبار

ہے کوئی زریں کمر، اور کوئی زریں کلاہ
ہے کوئی سیمیں بدن اور کوئی سیمیں عذار

لالۂ گل کی نمود، کب ہے لب آب جو
آئینے میں دیکھتا ہے چمن اپنی بہار

شاخ سے اتر گئے، پھول مہکتے ہوئے
نہر کا پانی تمام ہو گیا عطر بہار

بحر ظلمات میں سبز پری غوطہ زن
عکس ہے شمشاد کا، نہر میں یوں آشکار

چار گھڑی دن رہے، کا وہ سہانا سماں
شام اودھ شیفتہ، صبح بنارس نثار

موج ہوا سرد سرد، رنگ شفق سرخ زرد
لالۂ گل کا بناؤ، سرو چمن کا سنگھار

عارض گلگوں سے شوخ، رنگ گل سرخ کا
نشتر مژگاں سے تیز باغ کا ہر ایک خار

دھوپ کی زردی کا رنگ، گنبد نیلی کا رنگ
دونوں ملے اس طرح سبزہ ہوا آشکار

سایہ درختوں کا یوں، صفحۂ گلزار پر
جیسے کہ عکس شبیہ، باغ کی ہو شرمسار

عکس فلک ہو کے شاخ لٹے ہے نظر کو فریب
دیدۂ نرگس میں ہے، سرو مرو تبلہ دار

گرتے ہیں یوں شاخ سے پھول بھلی لالہ سا
تار نظر سے نگاہ گوندھے پھولوں کا ہار

دیکھ کے گلزار کو کہنے لگا باغباں
پھولوں کا گہنا پہن کر نکل آئی بہار

پر گل ہر ایک سبز سبز پھول ہر اک سرخ سرخ
مرغ چمن شاخ شاخ چہچہے زن بار بار

مرغ چمن مل کے سب، نغمہ سرا صبح
کوک کے اور گن گا کے، اور لاپے بہار

سامنے ہے مہر و مہ، دیکھئے صنع اللہ
جیسے دو آئینہ رو، ہوئیں کسی جا دوچار

ایک کو شکست ہے، ایک کو حیرت سی ہے
دیکھتے ہیں ایک ایک کو دونوں ہی آئینہ وار

ایک کا منہ زرد ہے، ایک ہے جیسے نور سا
دیکھ کے گل کا سنگھار اور چمن کا نکھار

رنگِ گلِ نیلوفر، گنبدِ نیلوفری
دیکھ کے گردش میں ہے، جیسے کوئی بیقرار

صبح کا عالم کچھ اور، شام کا عالم کچھ اور
صبح ہے کافور بیز اور ہے شب مشکبار

صبح سنہری ورق، شام روپہلی ورق
فیضِ مہ و آفتاب، شام و سحر آشکار

رات کی وہ چاندنی، اور وہ گل چاندنی
جس سے شبِ ماہ کی، ہوتی ہے دونی بہار

دیکھ کے گل چاندنی، ہوتا ہے سب کو یقیں
چادرِ مہتاب کے، کترے ہیں گل بیشمار

کرمکِ شب تاب کا، ہے یہ چمن میں ہجوم
تاروں بھری رات بھی جس سے کہ ہو شرمسار

ہر گل شب بو کی شاخ، شمع شب افروز باغ
اور یہ اس شمع کے، گرد ہیں پروانہ وار

باغ میں دیکھو جہاں، ان کی چمک ہے عیاں
آتشِ گل سے مگر، اڑتے ہیں جیسے شرار

ہے وسطِ گل میں یہ، ان کے سبب سے ظہور
دائرے میں جیسے ہو، مرکزِ گل آشکار

بسکہ ہر اک گل پہ آگ سی ہے اک لگی
ہوتا ہے ہر نخل پر، سب کو گمانِ چنار

سارے چمن میں یہی، سرو سمن میں یہی
دیدۂ نرگس میں نور، آتشِ گل میں شرار

رات کی خاموشیاں، رات کی تاریکیاں
رات کی وہ راحتیں، صبح کا وہ انتظار

باغ کی آرائشیں، باغ کی زیبائشیں
موجِ ہوا تازہ کار، رنگِ شفق غازہ دار

نکہتِ گل عنبریں، آتشِ گل دود گیر
نکہتِ گل عطر بار، آتشِ گل شعلہ بار

بوئے گُل عنبر سِرشت، سایۂ گُل مشک باب — سُنبلِ پیچاں کے پیچ، نافۂ مشک تتار
طبع چمن عطر ساز، موجِ ہوا کارساز — غالیۂ مشک و عود، مجمرِ دود و بخار
دیکھیے جس نخل کو، باغ میں ہے بامراد — طفلِ شگوفہ کو سب کہتے ہیں ہے ہونہار
باغ کی کیفیتیں، دیکھ کے ہیں وجد میں — چرخ و مہ و آفتاب، انجم و لیل و نہار

فرش سے تا عرش جو شے ہے وہ حیران ہے
قابلِ نظارہ ہے، قدرتِ پروردگار

(عزیز لکھنوی)

۶۲۔ صحرا

سہانا سہانا وہ صحرا و بَر — کہ کوسوں نہ انساں آئے نظر
وہ ٹھنڈی ہوا اور وہ جنگل کی دھوپ — وہ سبزی میں اک کوڑیالی یہ روپ
وہ گلہائے خوشبوئے صحرا تمام — کہ خوش ہوں جسے دیکھ کر خاص و عام
وہ چکر کسی جا پہ کچھ آب کے — وہ چھٹتے ہوئے جوڑے سرخاب کے
وہ اک سمت پھرتے تھے سارس کے جفت — جو ہوتے شکاری پکڑ لاتے مفت
درختوں پہ صحرا کے بیٹھے طیور — پر و بال سے جن کے بڑھتا تھا نور
صدائیں عجیب تھیں عجب شور تھے — پپیہے کہیں تھے کہیں مور تھے
وہ جھاڑی ہر اک جلتے ڈھنگ کی — وہ صحرا کی بوٹی نئے رنگ کی

وہ جھڑبیریوں کے ہر اک جا پہ جھاڑ — کسی جا خزاں اور کسی جا بہار
کسی جا پہ تال اور کسی جا پہ کھاڈں — کسی جا پہ ٹھنڈے بوٹوں کی چھاؤں
کسی جا پہ بن مالتی کے جھنڈ — کہ جس بس سے تھے مست سب جانور
کہیں چیتے پاڑے چکارے ہرن — بھرا جانورہائے صحرا سے بن
کہیں بھیڑیئے اور کہیں کچھ شغال — کہیں گینڈے جن کے بناتے ہیں ڈھال

کسی جا پہ چرتے ہوئے فیل مست
کہ ہوں کوہ جن کی بلندی سے پست

(مونا شوق)

۶۳ - صحرا

شہر کی گلیوں میں گھبراتا ہوں میں — دل کو بہلانے یہاں آتا ہوں میں
دل کی آسائش یہاں پاتا ہوں میں — تیری وسعت پر مٹا جاتا ہوں میں

گو نہیں مجھ کو جنوں سودا نہیں
تجھ سے بڑھ کر جا کہیں صحرا نہیں

شہر ہے میرے لئے دشتِ جنوں — دل کو واں حاصل نہیں ہوتا سکوں
شعلہ زن ہے آتشِ دنیائے دوں — رکھتی ہے دل کو سدا سیماب گوں
آہ پر تیری نسیم خوشگوار — ہے مجھے سرمایۂ صبر و قرار

ہیں قریبِ شہر کچھ باغ و چمن　　　بیگیاں ہے دلکش جن کی پھبن
ہیں شگفتہ ان میں نسرین و سمن　　　طائران خوش نوا ہیں نغمہ زن
بلبل و گل کے گر جھگڑوں سے خار
پہلوئے تسکیں کو کرتے ہیں فگار

رو برو ہے ہر طرف ساری زمیں　　　صاف آتا ہے نظر چرخ بریں
آہ! جنگل کی فضائے دلنشیں　　　کوہ و دریا کے مناظر ہیں کہیں
گھومتا ہے ہر طرف خطِ نظر
مرکزِ ادوارِ عالم ہے بشر

ہے ترا ہر فصل میں منظر نیا　　　دیکھتا ہوں میں تجھے اکثر نیا
سبز جوڑا ہے کبھی تن پہ نیا　　　لالہ و گل کا کبھی زیور نیا
سال میں کیا کیا بدلتا رنگ ہے
اک سے اک بڑھ کر نکلتا رنگ ہے

تو ٹھکانا غم کے ماروں کے لئے　　　امن کا گھر بیقراروں کے لئے
دل کی راحت دل فگاروں کے لئے　　　الغرض ہے ہزاروں کے لئے
دہر میں اک بے بدل ماوا ہے تو
جنت الماوا ہے یا صحرا ہے تو

(محمود مرؔ)

۶۴- جنگل کی رات

جنگل کی اندھیری رات سنسان — بادل بھی گھرا ہوا پریشان
جھونکوں میں غضب کی سنسناہٹ — شاخوں میں رگڑ بلا کی آہٹ
پیڑوں کا وہ ہولناک انداز — شیروں کی وہ خوفناک آواز
شاخوں کا وہ خود بخود کھڑکنا — پتوں کا وہ جا بجا کھڑکنا
وہ بوم کا ہو، وہ ہُو کا عالم — وہ وہم کی صورتِ مجسم

او حسن وہاں بھی جلوہ گر تو
جگنو بن کر ادھر ادھر تو

(شوق قدوائی)

۶۵- کوہِ ہمالیہ

ہے ہمالہ پہاڑ سر جیون — جس کے اوپر تلے کھڑا ہے بن
بیل بوٹوں سے بن رہا ہے چمن — سبز چوٹی ہرے بھرے دامن
ہے ہر اک ڈھانگ اس کی پھلواری — سبز چشمے جہاں تہاں جاری
لالہ خودرو ہے اور اس کے پاس — لہلہاتی ہے خوبصورت گھاس
سیکڑوں قسم کے ہیں پھول کھلے — پیڑ باہم کھڑے ہوتے ہیں ملے

کہیں بن مالتا کہیں بیلا — کہیں اخروٹ اور کہیں کیلا
سال کا کیا ہی خوب جنگل ہے — سورماؤں کا بن کے دنگل ہے
سرو شمشاد ہیں قطار قطار — ریچھ پھرتے ہیں بن کے چوکیدار
ہیں چٹانوں میں کودتے لنگور — ایک ہی جست میں وہ پہنچے دُور
ہیں ترائی میں ہاتھیوں کے غول — کوئی پاگل ہے اور کوئی بنجھول
شیر خونخوار شاہ ہے یاں کا — پاڑے چیتل کو خوف ہے جاں کا
بارہ سنگھے غریب پر ہے لتاڑ — سینگ ہیں اسکی جھاڑ اور جھنکاڑ
وہ جو ہے ہند کا بڑا ساگر — واں سے چلتا ہے ابر کا لشکر
کوہ در کوہ روز بڑھتا ہے — پھر ہمالہ پہ آ کے چڑھتا ہے
کبھی دیتا ہے باندھ مینھ کا تار — کبھی کرتا ہے برف کی بوچھار
جا چڑھا یوں پہاڑ پر پانی — کی ہے قدرت نے کیا ہی آسانی
واں سے چشمے بہت اُبل نکلے — ندی نالے وہاں سے چل نکلے
سندھ و ستلج ہیں مغربی دریا — اور پورب میں بہہ نکلتا گنگا
ہیں یہ دریا بہت بڑے چاروں — جن میں بہتا ہے پانی اٹھاروں
پس سمندر سے جو رسد آئی — یوں ہمالہ نے بانٹ کر کھائی
ہوا سرسبز ہند کا میدان — تیری حکمت کے اے خدا قرباں
ہند کی سرزمیں ہے اَن ماتا — اور ہمالہ پتا ہے جل داتا

اے ہمالہ پہاڑ تیری شان | دنگ رہ جاتے دیکھ کر انسان
ساری دنیا میں ہے تو ہی بالا | پہنچے جب پاس دیکھنے والا
سامنے اک سیاہ دل بادل | دیو کی طرح سے کھڑا ہے اٹل
گھاٹیاں جن میں گونجتی ہے صدا | آبشاروں کا شور ہے برپا
دبدبہ اپنا تو دکھاتا ہے | گویا میدان کو ڈراتا ہے
ہے میرے دل میں یہ خیال آتا | کاش چوٹی پہ تیری چڑھ جاتا
واں سے نیچے کا دیکھتا میداں | جن میں گنگ و جمن ہے تیز رواں
دو لکیریں سی وہ نظر آتیں | دائیں بائیں کو صاف لہرائیں
اس تماشے سے جب کہ جی بھرتا | تو شمالی طرف نظر کرتا
شام کو دیکھنا بہار بڑی | گویا سونے کی ہے فصیل کھڑی

پھر وطن میں جب آن کر رہتا
دوستوں سے یہ ماجرا کہتا

(اسمٰعیل)

۶۶۔ شملہ

اقبال اک برس جو مرا تاج سر ہوا | شملہ میں مجھکو موسم سرما بسر ہوا
جاڑے کے مارے چلتے ہوئے پانی تھم گئے | اور جو تھمے ہوئے تھے وہ یخ ہو کے جم گئے

دامانِ کوہسار میں سورج بھی لیٹ کر — دبکا لحافِ برف میں منہ کو لپیٹ کر

دیکھو جدھر کو سب درو دیوار تھے سفید — باہر چلو تو دامنِ کہسار تھے سفید

پتے تھے آگے جاڑے نے سب اُدبر کر دیئے — اور تھے درخت برف نے بلور کر دیئے

اک رات بیٹھے بیٹھے جو میں تنگ آ گیا — گھر سے نکل کے آگے ٹہلتا چلا گیا

گھر گھر اُجالے تھے سرِ دیوار سامنے — دروازوں سے چراغ نمودار سامنے

خوشحال گھر اور ان میں خوشی بولتی ہوئی — باتیں کہ غم سے دل کی گرہ کھولتی ہوئی

تھے ہر طرف سے جاڑے کے سامان پکارتے — تارے بھی اک کنارے سے تھے آنکھ مارتے

سنسان جنگل اور یہ درختوں کی سائیں سائیں — چاروں طرف پہاڑ ہیں ہیں دوڑتی بلائیں

طوفانِ برف سر پہ کھڑا ہے تُلا ہوا — ہے یہ درہ کہ موت کا منہ ہے کھلا ہوا

تھی رات رنگ بھی رخِ عالم پہ پھیرتی — گہ مشک اڑاتی تھی کبھی عنبر بکھیرتی

کیا جانے ہم نکل کے کدھر سے کدھر گئے — دیکھا کہ جاڑے زور سے اپنے اُتر گئے

موسم بھی معتدل ہے ہوا بھی لہک گئی — خوشبو کا ہے یہ حال کہ دنیا مہک گئی

اور جانور ہیں رات کے آواز دے رہے — بل جنگل کے ساتھ جیسے ہوں ساز دے رہے

پانی کی ہیں پہاڑ سے آوازیں آ رہیں — جو زیر و بم کے دور سے ہیں سُر ملا رہیں

ناگہہ فلک پہ دامنِ شب چاک ہو گیا — لبریز نور سے طبقِ خاک ہو گیا

منہ رات کا جو صبح کے آنے سے فق ہوا — گلگونے کے سامنے رنگِ شفق ہوا

رہ مدتے سحر پہ شان تھی نور و ظہور کی — چاروں طرف وہ زمزمہ خوانی طیور کی

وہ گہری سبزیوں پہ گلِ تر کی لالیاں
اور اوس سے بھری ہوئی چھوٹی پیالیاں

وہ صبح کی ہوا سے درختوں کا جھومنا
اور جھوم جھوم کر وہ رُخِ گل کا چومنا

سبزی جو ردئے خاک پہ مخمل بچھا گئی
شبنم تھی آ کے رات کو موتی لٹا گئی

پانی وہ صاف صاف جو بل کھا کے جاتے تھے
پارے کے سانپ گھانس پہ لہرا کے جاتے تھے

(آزاد)

۶۷- روانیِ دریا

وہ سوذی سخن گوئے شیریں مقال
جو انگریزی شاعر تھا اک باکمال

لکھی اس نے ہے نظم اک لاجواب
دکھاتی ہے شکلِ روانیِ آب

جو بہتا ہے پانی میانِ لڈور
اسی کا دکھایا ہے شاعر نے زور

مناسب جو انگلش مصادر ملے
مقفےٰ کئے ان کے سب سلسلے

یہ اصرار کرتے ہیں بھائی حسن
کہ میں بھی بہا اس بحر میں غوطہ زن

دکھاؤں روانیِ دریائے فکر
کہ گوہر شناسوں میں ہو جس کا ذکر

عجب ہے نہیں ان کی اس پر نظر
کجا میں کجا سوذیِ نامور

سوا اس کے ہیں اور بھی مشکلیں
نہیں سہل اس راہ کی منزلیں

مرے پاس سرمایہ کافی نہیں
وہ مصدر نہیں وہ قوافی نہیں

زباں میں نہ وسعت نہ دیسا مذاق　　ادھر تو ہے کچھ ادعاے طمطراق

اگر ترجمہ ہو تو مطلب ہو خبط　　معانی میں پیدا نہ ہو ربط و ضبط

موانع یہ ہیں جن سے ڈرتا ہوں میں

مگر خیر کچھ فکر کرتا ہوں میں

جو تھیں دقتیں کہہ چکا برملا　　غرض دیکھیے اب یہ پانی چلا

اُچھلتا ہوا اور اُبلتا ہوا　　اکڑتا ہوا اور مچلتا ہوا

روانی میں اک شور کرتا ہوا　　رکاوٹ میں اک زور کرتا ہوا

پہاڑوں پہ سر کو ٹپکتا ہوا　　چٹانوں پہ دامن جھٹکتا ہوا

وہ پہلوے ساحل دباتا ہوا　　یہ سبزہ پہ چادر بچھاتا ہوا

بھٹکتا ہوا غل مچاتا ہوا　　وہ جل تھل کا عالم رچاتا ہوا

وہ گاتا ہوا اور بجاتا ہوا　　یہ لہروں کو پیہم نچاتا ہوا

اِدھر جھومتا اور ٹھٹکتا ہوا　　اُدھر گھومتا اور اٹکتا ہوا

بپھرتا ہوا جوش کھاتا ہوا　　بگڑ کر وہ کف منہ پہ لاتا ہوا

وہ اونچے سروں میں تموج کا راگ　　وہ خود جوش میں آکے لاتا یہ جھاگ

سُدھرتا ہوا اور سنورتا ہوا　　تھرکتا ہوا رقص کرتا ہوا

پلٹتا ہوا اور چمٹتا ہوا　　یہ چھٹتا ہوا وہ سمٹتا ہوا

یہ گھٹتا ہوا اور وہ بڑھتا ہوا　　اترتا ہوا اور چڑھتا ہوا

یہ ہٹتا ہوا اور وہ بچتا ہوا — دباتا ہوا اور پھٹتا ہوا
وہ گرد سے زمیں کو چھپاتا ہوا — وہ خاکی کو سیمیں بناتا ہوا
گل و خار یکساں سمجھتا ہوا — ہر اک سے برابر الجھتا ہوا
بہاتا ہوا اور بہتا ہوا — ہوا کے طمانچوں کو سہتا ہوا
بلندی سے گرتا گراتا ہوا — نشیبوں میں پھرتا پھراتا ہوا
بھٹکتا ہوا اور اڑتا ہوا — اٹکتا ہوا اور مڑتا ہوا
وہ کھیتوں میں راہیں کرتا ہوا — زمینوں کو شاداب کرتا ہوا
یہ تھالوں کی گودوں کو بھرتا ہوا — وہ دھرتی پہ احسان دھرتا ہوا
یہ پھولوں کے گجرے بہاتا ہوا — وہ چکر میں بجرے پھنساتا ہوا
لپکتا ہوا دندناتا ہوا — امنڈتا ہوا سنسناتا ہوا
چمکتا ہوا اور جھلکتا ہوا — سنبھلتا ہوا اور چھلکتا ہوا
ہواؤں سے موجیں لڑاتا ہوا — حبابوں کی فوجیں بڑھاتا ہوا
تڑپتا ہوا جگمگاتا ہوا — شعاعوں کا جوبن دکھاتا ہوا
۔ الٰہی الغرض ہے یہ پانی رواں — بس اب کچھ نہیں شاعر نکتہ داں

وہ سرودی کا سیلاب آب طہور
یہ بحر خیالات اکبر کا زور

(اکبر)

۶۸- گنگا جی

منظور نہیں ہے خوش بیانی — گنگا کی دکھاؤں گا روانی

گو منھ سے وہ آپ چل پڑی ہو — بیساختہ خود نکل پڑی ہے

کیا فیض رساں ہیں اسکی نہریں — جاری کردیں تمام نہریں

کیا خوب ہے آن بان اُسکی — ساحل پہ بھی ایک شان اُسکی

پہلو میں کہیں بتوں کا جمگٹ — ہے رشک ارم کہیں پہ پنگھٹ

جاتی ہے جدھر کو مُنہ اُٹھاتے — لاکھوں ہی کھڑے ہیں سر جھکاتے

تیار ہے کوئی بہر اشنان — پوجا کے لئے ہے کوئی حیران

سیندور کوئی ماتھے پہ لگائے — چندن کی کوئی تلک جمائے

سر کوئی زمیں پہ دھر رہا ہے — ڈنڈوت ہی کوئی کر رہا ہے

کچھ سیر کو لوگ آرہے ہیں — منظر کا مزہ اُٹھا رہے ہیں

ہے دل کو سرور آنکھ کو نور — گویا ہے اس میں سرمۂ طور

نیچر کا عجیب کھیل دیکھا — گنگا جمنا کا میل دیکھا

عاجز اُس کے بیاں سے تحریر — ہوتے ہیں جہاں بہم بغلگیر

القصہ بڑھا یہاں سے پانی — اب قابل ذکر ہے روانی

اُچھلا کبھی دب کے سر اُٹھایا — اُبلا کہیں تھم کے سنسنایا

چلنا وہ کہیں مچل مچل کر — بہنا وہ کہیں سنبھل سنبھل کر
وہ شوکت و دبدبہ و صولت — وہ رعب وہ داب اور سطوت
دب کر جانا کہیں دباتا — انداز و ادا کہیں دکھاتا
دامن کو کہیں جھٹک کے چلنا — ساحل پہ کہیں مٹک کے چلنا
مڑتا ہے جہاں تو چھب دکھا کر — اڑتا ہے جہاں غضب میں آ کر
نکلا ہے جہاں تہاں پہ ہو کر — دھکا ہے کہیں کسی کو ٹھوکر
بیخوف و نڈر وہ شوخ بیباک — آزاد و شریر و چست و چالاک

جلوہ ہر رنگ میں دکھایا
آیا جو سامنے بہایا

(مقبول)

۶۹- دریائے بیاس

اے بیاس اے دلبر نازک ادائے کوہسار — حسن کی تیرے مثالی میں کوئی دیکھے بہار
وہ تری سیماب گوں تگت وہ جوبن کا نکھار — وہ تری مستانہ موجیں اور وہ جوش آبشار

روح را در وجد می آرد صدائے ساز تو
دل بغارت مے برد طرز خرام ناز تو

گنبد گردوں سے ٹکراتے پہاڑوں کے وہ سر — ہر طرف چھلتے ہوئے ابر سیہ بن کر شجر

دور سے یوں چوٹیوں پر برف آتا ہے نظر   نور کے تڑکے ہو جیسے چاکِ امانِ سحر

خندۂ دنداں نمائے شاہدِ رعناست این

یا بیاضِ روئے حورِ جنت الماواست این

اے عروسِ کوہ اے محبوبۂ زیبا نگار   چھینے لیتی ہے دلوں کو تیرے جوبن کی بہار

تیرے سبزہ کی کھبی جاتی ہے آنکھوں میں بہار   لالۂ گل سے ترے شانِ خدا ہے آشکار

دلبرے با ایں چنیں خوبی کسے کم دیدہ است

سبزہ مثل خطِ سبزِ تو کم روئیدہ است

وہ ٹرالے بھر کے بامِ کوہ سے آنا ترا   لڑکھڑا کر پتھروں سے وہ مچل جانا ترا

منہ میں مستوں کی طرح وہ جھاگ بھر لانا ترا   وہ مزاجِ نوجواں کی طرح بل کھانا ترا

مست و بیخود از غمِ ہر دو جہاں آزادۂ

گرچہ معشوقی چو عاشق سر بہ صحرا دادۂ

وہ سہانا دامنِ دشت اور وہ طرفِ کوہسار   جھنڈ وہ تیرے درختوں کے وہ تیرا سبزہ زار

اونچے اونچے وہ کنارے بیچ میں پانی کی دھار   جس طرح آغوشِ عاشق میں کوئی زیبا نگار

حسن را با عشق گوئی شیر و شکر کردہ اند

ہر خمِ شکستہ اندرے باغر کردہ اند

دامنِ کہسار میں ہے شور تیرے ساز کا   گونجتا ہے دشت میں کھٹکا تری آواز کا

تیری ہر جنبش میں ہے سناٹا پرواز کا   تیرے گردابوں میں عالم ہے طلسمِ راز کا

هر چه هستی خوب هستی اے نگار شوخ و شنگ

رنگ رخ بشکستہ پیش سادہ رویانِ فرنگ

دامنِ صحرا میں کوہوں کی تری اٹکھیلیاں
سبزۂ تر پردہ تیری چادرِ آبِ رواں

وہ کناروں پر مسلسل دونوں جانب جھاڑیاں
لہلہاتی دھان کی کوسوں تلک وہ کھیتیاں

نخلہا صف بستہ بر ساحل پئے دیدار تو

شاخہا خم گشتہ بہر بوسۂ رخسار تو

چاندنی رات اور نکھرا تیرا وہ شکر دہن
چاند تارے کا تنِ سیمیں پہ تیرے پیرہن

چاند کا ٹیکہ وہ اور تاروں کی افشاں کی پھبن
وہ جھمکڑا نور کا اور وہ بھبوکا سا بدن

کرمکِ شب تاب ساحل را چراغاں کردہ است

آتش بیدود گلخن را گلستاں کردہ است

جلوۂ نور سحر اور وہ طلوع آفتاب
وہ چمک کرنوں کی وہ چہرے کی تیرے آب و تاب

وہ قبا سبزقی پہنے ہوئے ہر موجِ آب
وہ بنے تصویر سورج کی بغل میں ہر حباب

روشن از نورِ رخت دامانِ صحرا گشتہ است

موجِ حسن است ایں متحرک بہ دریا گشتہ است

جھومتے بادِ سحر سے ہیں تیری بید چنار
آسماں سے کرتے ہیں باتیں درختانِ دیار

ہے یہاں جھیلوں سے شانِ قامتِ رعنائیاں
کم نہیں خوشبو میں کچھ صندل سے تیری دیودار

آبشارت نغمہ سنج و لالہ زارت جلوہ ریز

نخلہایت عنبر افشاں و ہوایت عطر بیز

وہ گلاب اور سیوتی کے پھول پیڑ جھوم کر
وہ چنبلی کی قطاریں اور وہ بیلے کے پرے

پھول گیندے کے نہیں یہ سبزہ زاروں میں کھلے
ہیں سنہری گوکھرو دھانی دوپٹہ میں ٹنکے

این ہمہ باگشت از فیضِ عمیمت بہرہ یاب
اکتساب نور کردہ ذرہ ہا از آفتاب

وہ ترے ساحل کے نظارے فضائے دشت کی
وہ پہاڑوں کے برابر نیچے اونچے سلسلے

برف کی چادر وہ اونچی چوٹیاں لادے ہوئے
اور نشیبی سلسلے وہ سبزۂ تر سے ڈھکے

سر بر آوردہ ز سبزہ خانہ ہائے خوش نما
ہمچو محبوبے کہ بر آرد سر از زیرِ ردا

(کامل)

۷۰۔ طوفانِ عظیم حیدرآباد دکن

دنامراد ندی تجھ پر غضب خدا کا
اُلٹا ہے تو نے تختہ یارانِ آشنا کا

اچھا کیا ادا حق ہمسائیگی کا تو نے
ہم تجھ سے لو لگائیں تو نے ہمیں کو تاکا

اک کاروانِ آصف اترا ترے کنارے
اتنا سا پاس تو نے ڈالا اسی پہ ڈاکا

تیری ہر ایک لہر ماہی بنی اجل کی
تیرا ہر اک تھپیڑ قاصد بنا قضا کا

منجدھار میں ہے کشتی ٹوٹا ہوا ہے لنگر
سر پہ ہے رات کالی طوفان ہے بلا کا

تقدیر ہنس رہی ہے تدبیر رو رہی ہے
مورد ہوا نہ خدا کیوں الزام ناروا کا

شب ہے شب قیامت دن ہے حساب کا دن
وقت آ گیا سزا کا عہد آ گیا جزا کا

خالی امید کا گھر دروازہ توبہ کا بند
آئے اثر کہاں سے متوقع نہیں دعا کو

اس واقعہ کا ماتم برسوں بپا رہے گا
کانٹا ہر ایک دل میں غم کا چبھا رہے گا

امڈی ہوئی ندی ہے چھایا ہوا ہے بادل
پاٹ اس قدر بڑھا ہے سب ہو گیا ہے جل تھل

ہے شب نے دن دہاڑے اندھیر ڈال رکھا
خورشید خاوری ہوا ہے جس سے اوجھل

اک بار گر گئے کھل گردوں کے سب دریچے
بادل چلا ہے بن کر طوفان کا ہراول

قدرت کی طاقتوں کو دست قضا ہے بڑھ کے
انسان کی کوششیں ہیں بیکار اور معطل

غصہ کا ہے یہ عالم کف در دہاں ہے دریا
وقت تموج ذرا بڑھتے ہیں پہاڑ پڑے ہیں

جوش و خروش اس کا ہر لحظہ بڑھ رہا ہے
سہمی ہوئی ہے خلقت ہوش و حواس ہیں شل

ساحل پہ گھر ہیں جن کے وہ دل میں کہہ رہے ہیں
مرنا ہمیں ہے آخر مرنا ہمیں ہے اٹل

پانی ہر اک طرف سے گھیرے ہوئے ہے گھر کو
جاں تھم رہی ہے دل ہو رہا ہے بے کل

گرنے لگے مکاں جب کہنے لگے مکیں سب
ہے آج کوچ اپنا ساماں چلا گیا کل

ہر ہر کھنڈر میں لاشے صدہا پڑے ہوئے ہیں
بلدہ کا ہر محلہ ہے کربلا کا مقتل

واں موجب اجل تھی پیاسوں کی تشنہ کامی
یاں باعث فنا ہے آب بقا کا جنگل

محشر کا صور پھونکا موسیٰ نے کو بکو ہے
شور نشور برپا بلدہ میں کو بکو ہے

واحسرتا وہ صدہا گھر بار کا اُجڑنا — ہر نخلِ آرزو کی بنیاد کا اُکھڑنا

وہ نقشہ اجل کا آنکھوں کے آگے پھرنا — کوہ قضا کا سر پر پل بھر میں ٹوٹ پڑنا

دیوار و بام و در کا پانی میں غرق ہونا — سنگیں عمارتوں کا پانی کی طرح جھڑنا

وہ جسم بے اماں کا موجوں کی نذر ہونا — وہ جانِ ناتواں کا کشتی قضا سے لڑنا

اس ہاتھ کا نہیں ہے جسمیں کہ جان باقی — بہتے ہوئے درختوں کی ٹہنیاں پکڑنا

ماں سے لپٹ لپٹ کر بچے کا وہ بلکنا — اور ضد کو اُس کے سینے پہ ایڑیاں رگڑنا

بچہ کا ہاتھ آ کر پھر ماں سے چھوٹ جانا — زخم جگر کے ٹانکوں کا یک بیک اکھڑنا

سب دل کے دلولوں کا پیوند آب ہونا — اک رات کی دلہن کا نوشہ سے یوں بچھڑنا

وہ ڈوبتے ہوؤں کا سب کو سلام کرنا — اور انکی حسرتوں کا جا کر دلوں میں گڑنا

تھا فتنہ قیامت اے سیل رودِ موسی — بن کر نرا مچلنا بن کر نرا بگڑنا

کیوں ساتھ ساتھ اپنے لے کر چلا نہ ہم کو
جو قافلہ چلا ہے سر منزل عدم کو

(ظفر علیخاں)

۷۱ - آبشار

سچ بتا اے کوہ و صحرا کے مسافر آبشار — ٹھوکریں کھاتا ہوا کس جا چلا ہے بیقرار

کیوں مثل سیماب ہے کیوں یہ لڑکھڑاتی چال ہے — سیل اشک چشم تر کی طرح کیوں پامال ہے

تیرے دامن میں ہے دلکش سبزہ و گل کی بہار میٹھی میٹھی بولیاں اور بلبلانِ کوہسار
دشت میں جاری ہیں ہر سو نہریں تیرے فیض کی ذات تیری بہرِ صحرا وجہ شادابی ہوئی
چشمۂ حیواں ہے تو تشنہ دہانوں کے لئے اور ہے رشکِ مسیح افسردہ جانوں کیلئے
سیل جو تیری ہے وہ چینِ جبینِ حور ہے تجھ کو سب حاصل ہے پھر تو کس لئے رنجور ہے
ہائے کیوں تم سے ٹکراتا ہے سر کو بار بار خاک پر تو ٹوٹ کر کیوں ہو رہا ہے بیقرار
رات دن تجھ کو تلاشِ بحرِ الفت تو نہیں تو بھی میری طرح قیدِ بند آفت تو نہیں
تو کہاں یہ جستجوئے بحرِ بے پایاں کہیں دشت پیمائی بقدرِ جوششِ ارماں کہاں

آرزو مندی وصلِ بحرِ ناپیدا کنار
این خیالست و محالست و جنوں اے آبشار

(شباب)

۷۲ - پہاڑ

اونچے نیچے پہاڑ ٹیلے پھیلے ہوئے گول اور نکیلے
ٹیڑھے بینڈے نہال ان پر نازک بیلوں کے جال ان پر
بہنا کہیں اور کہیں ٹپکنا خورشید کے نور سے چمکنا
شفاف وہ دھارا ور وہ پتھر نکلی ہوئی مانگ جیسے سر پر
چھلی پہ وہ برف کی صفائی چمکی جب دھوپ اس پہ آئی

ضو جنبشِ مہر سے عیاں تھی   کیا کوندرہی ہیں بجلیاں سی
برف اس کی پگھل کے یہ رہی ہے
چاندی گل گل کے بہ رہی ہے
(شوقؔ قدوائی)

۷۳۔ فوّارہ

میرے فوّارے عجب دلچسپ ہے تیرا سماں
یہ تری طبع رواں اور یہ ترا جوشِ نہاں
رات دن سانچے میں وہ موتی یہ موتی ڈھالتا
خوشانِ باغِ رضوان پر وہ ڈورے ڈالتا

گوہرافشانی تری اور ہلکی ہلکی وہ پھوار
وہ شباب بلبل و گل اور وہ تیرا نکھار
وہ اکڑ کے دیکھنا اپنی جوانی کی بہار
وہ ترا انگڑائیاں لینا چمن میں بار بار

مضطرب موجِ ہوا پر تو بہت بے تاب ہے
تیری دھاریں جھومتی ہیں یا کہ نخلِ آب ہے
تو چمن کی رُوح ہے اور ہے فضا میں تیرا دم

ایک بہارِ شادمانی ہے ہوا میں تیرا دور

طائر آتے ہیں ترے دامن میں پر کھولے ہوئے
عاشقِ شوریدہ سر بیٹھے ہیں سر کھولے ہوئے

تیرے دستِ گوہر افشاں کی حالت دیکھ کر
جھولیاں گلشن نے پھیلا دیں سخاوت دیکھ کر

گوندھتا موجِ ہوا پہ موتیوں کے ہار کا
تیرے سر سہرا رہا ہے رونق گلزار کا

تیز ہو ہاں میرے فوارے ذرا پھر تیز ہو
پھر جواہر خیز و گوہر بیز و گوہر ریز ہو

آتشِ گل کا جہاں کچھ بھی اشارہ ہو گیا
اُڑ گیا موجِ ہوا پر دل کہ پارہ ہو گیا

تیرا جو قطرہ گیا گردوں پہ تارا ہو گیا
جب گرا آ کر زمیں پر دل ہمارا ہو گیا

سب غبارِ خاطرِ ناشاد تجھ سے دھل گیا
تیرا منظر اک طلسمِ دل فریبی ہو گیا

(عزیز لکھنوی)

۴۷۔ تتلیاں

پر کھول کے تتلیوں کی پرواز
پر جوڑ کے بیٹھنے کا انداز

اس پھول سے اُڑ کے اس پہ بیٹھیں
رس لے کے اُڑیں، جہاں پہ بیٹھیں

نازک نازک وہ خوشنما پر
اُڑتی ہوئی پتیاں ہوا پر

وہ نقش و نگار اور وہ بوٹے
پر اُن کے چھوئے تو رنگ چھوٹے

رنگ ان میں بہت ملے ہوئے ہیں
پر کیا ہیں، چمن کھلے ہوئے ہیں

ہیں رنگ کئی ہر ایک پر پر
چھوٹا سا چمن ہے اُن کا ہر پر

ہر خال پر ہے یہ اک نگینہ
سونے چاندی پہ یا ہے مینا

قدرت دیکھو کہ کل چمن میں
گلدستے ہیں تتلیوں کے تن میں

جو نقش و نگار سے ہے خالی
وہ بھی دل کی لبھانے والی

ہے رنگ کسی کا زرد گہرا
اتنا گہرا کہ بس سنہرا

کوئی جس کے سپید ہیں پر
جیسے چاندی کے صاف پتر

طاؤسی، صندلی، گلابی
دھانی، کاہی، سیاہ، آبی

نیلے، اودے، زمردی، لال
ہر رنگ کے پر ہیں بے خط و خال

پرواز بھی حسن ہے پھبن بھی
رنگت بھی ہے حسن سادہ پن بھی

(شوق قدوائی)

۷۵ - تیتلی

تتلی ہے چمن میں اک رنگیلی ۔۔۔ پیاری چنچل نئی نویلی
چلتے پھرتے چمن میں ہر سو ۔۔۔ اُڑتی ہوئی پہنچی تا لبِ جو
چپّہ چپّہ چمن کا پامال ۔۔۔ مانندِ شرار و برق تمثال
منظورِ نظر کلی کلی ہے ۔۔۔ ہر ایک روش پہ بیکلی ہے
سبزے پہ کبھی نہال پڑ رہے ۔۔۔ گُل پہ کبھی شاخ پہ نظر ہے
غنچوں کی بنی کبھی تو دمساز ۔۔۔ نکہت کی طرح کبھی ہے پرواز

قابو میں نہیں جو قلبِ مضطر
یکجا نہیں ہے قرار دم بھر

(سفیر)

۷۶ - تیتریاں

دو تیتریاں ہوا میں اُڑتی دیکھیں ۔۔۔ اک آن میں سو طرف کو پھرتی دیکھیں
بھولی خوش رنگ چست نازک پیاری ۔۔۔ پہنے ہوئے فطرتی منقش ساری
پھرتی ہے کہ برق کی طبیعت کا اُبھار ۔۔۔ تیزی ہے کہ آنکھوں کو تعاقب دشوار
جو فاصلہ کر لیا ہے باہم قایم ۔۔۔ وہ بھی ہے بلا زیادت و کم قایم

گو تابِ جوشِ برق پر وازی ہیں — دونوں کے خطوط لیک متوازی ہیں

کیونکر میں کہوں کہ یہ نظر بندی ہے — اللہ اللہ کیا ہنر مندی ہے

کس بزم سے ایسا ناچ سیکھ آئی ہیں — پریاں اندر کی جس سے شرمائی ہیں

اس سمت اگر خیالِ انساں بڑھ جائے
دامانِ نظر پہ رنگِ عرفاں چڑھ جائے

(اکبر)

۷۔ بلبلِ زمزمہ ساز

میں ہوں چہکنے والی بلبل ہے نام میرا — پھولوں کو دیکھنا ہے گلشن میں کام میرا

چھوٹا سا ایک پنچھی ہوں دیکھنے میں لیکن — رونق نہیں ہے کچھ بھی صحنِ چمن میں مجھ بن

ہوں شاخِ گل پہ اپنا میں آشیاں بناتی — شام و سحر گلوں کو ہوں گیت میں سناتی

گل میرے زمزموں پر جب کان ہیں لگاتے — سُن سُن کے میرا گانا پھولے نہیں سماتے

بخشی صدا اثر ملی مجھ کو مرے خدا نے
بھاتے ہیں آدمی کو دل سے مرے ترانے

(محروم)

۶۸- چڑیاں

چڑیوں کا اِدھر اُدھر سے آنا
چھوٹے چھوٹے پھلوں کا کھانا

کچھ سبز ہیں جن کے لال سر ہیں
کچھ زرد سنہری جن کے پر ہیں

کچھ جن میں سپیدی اور سیاہی
کچھ جن کے سروں پہ تاج شاہی

کچھ جن کے زمردی ہیں پوٹے
نقطے پروں پہ چھوٹے چھوٹے

پانی میں اِدھر اُدھر نہا کر
بیٹھیں شاخوں پہ پَر پھیلا کر

مینا کہیں غسل پچار رہی ہے
بلبل کہیں بیٹھی گا رہی ہے

طوطی پیارا زبان شیریں
لہجہ شیریں بیان شیریں

شاماں کی صدا سے رُوح بے چین
چنڈول جو بولے دل نہ لے چین

دہیر کیا خوب نغمہ خواں ہے
بھنگراج ہزار داستاں ہے

رفتار تدرو بانکپن کی
تصویر کھنچی ہوئی پھبن کی

ہر شکل کے ساتھ جلوہ گر حسن
جو کچھ ہے وہ قصہ مختصر حسن

(شوق قدوائی)

۷۹ - مور

طاؤس کا رقص میں وہ آنا | آواز سے کڑ با بجانا
وہ تاج زمردی سروں پر | سونا سا چڑھا ہوا پروں پر
دُم کا پھیلاؤ حسن کی شان | گردن کا تناؤ حسن کی شان
ہر پر ہیں اُداہٹ اور سیاہی | اس میں پھر رنگ سبز کاہی
کیا لُطف دکھا رہی ہے زردی | کیا خوب رنگ ہے لاجوردی
زردی کی چمک سے بڑھ گئی شان | سبزی میں چمک سے پڑ گئی جان
پکھراج اِسمیں زبرجد اس میں | کندن کا جڑاؤ بے حد اسمیں

چلنے پھرنے میں دُم پڑی ہے
رقصاں ہے تو پھیلی ہے کھڑی ہے

(شوقی قدوائی)

۸۰ - مور

کیا مور ہے بنایا پروردگار تو نے | بخشے ہیں اس کو کیا کیا نقش و نگار تو نے
گویا کہ بال و پر ہیں گلزار کھل رہا ہے | جو بیل ہے نرالی بوٹا جو ہے نیا ہے
یہ پھول ہیں شگفتہ تن پر جو داغ سے ہیں | چھکر یہاں لگائے قدرت نے باغ سے ہیں

یہ تاج اِس کے سر پر کیسا ہے یا الٰہی
بخشی ہے تو نے اس کو گلشن کی بادشاہی

جھم جھم برس چکا ہو سبزہ پہ جب کہ پانی
ہوتی ہے اس کو دل کو اُس وقت شادمانی

دل شاد ہو کے بولی تب اپنی بولتا ہے
پر ناچنے کے خاطر اُس وقت کھولتا ہے

دُم کو چنور بنا کر ہے ناچتا خوشی سے
ہے اپنے دوستوں کو دیتا صدا خوشی سے

جس وقت باری باری ہیں ناچنے پہ آتے
جنگل میں مل ملا کر منگل ہیں پھر مناتے

(محروم)

۸۱ - کبوتر

تن تن کے ترازمیں پہ چلنا
ٹھوکر کبھی کھا کے خود سنبھلنا

انداز سے پاؤں کو اُٹھانا
چلنے میں ادا سے تلملانا

مخمور حسین چلبلی آنکھ
پیاری پیاری وہ شربتی آنکھ

مہندی تیرے پاؤں میں لگی ہے
ہر ایک ادا میں دلبری ہے

صورت بھی عجب ہے بھولی بھالی
انداز نیا ادا نرالی

گردن کو وہ ناز سے اٹھاتا
وہ دلکش و دلربا ترانہ

آواز وہ خوشگوار تیری
گردن وہ صراحی دار تیری

چھوٹی سی سفید سرخ منقار
آجاتا ہے دیکھ کر جسے پیار

وہ جسم میں خوشگوار گرمی — وہ حسن وہ نازکی وہ نرمی
بچوں کا وہ پیار سے کھلانا — چلنا پھرنا انہیں سکھانا
وہ شفقتِ فطرتی کا اظہار — منقار میں ڈالنی وہ منقار
بازو کی بیاں کیا ہو طاقت — عاشق کی بندھی ہو جس سے قسمت
آؤں میں تری جبیں کا بوسہ — قاصد ہے تو یارِ مہ جبیں کا
کیونکر نہ تری ہو دل میں توقیر — ہے ذات تری وفا کی تصویر
دل میں ترے نورِ حق سمایا — دشمن سے رسول کو بچایا
کعبہ کا طواف تجھ کو حاصل — ہے حق کی طرف تمام مائل

پایا ہے ضرور تو نے ایماں
لازم ہے کہوں تجھے مسلماں

(محمد عبدالرشید بایزید پوری)

۸۲ - قمری

ہم نے قمری عجیب پالی ہے — عاشقِ حسنِ لایزالی ہے
کیا ہی نازوں سے اس کو پالا ہے — قفسِ نقرئی میں ڈالا ہے
جب میں پنجرے کے پاس جاتا ہوں — پیار سے ہاتھ پر بٹھاتا ہوں
پیاری پیاری وہ نور کی گردن — جس پہ قربان حور کی گردن

وہ گلا خوشنما صراحی دار — چاہتا ہوں کہ کروں بھینچ کے پیار
لال لال اس کی نرگسِ گلفام — یا بھرا ہے شرابِ سرخ کا جام
اس پہ طرّہ ہے سرخیِ منقار — گل سمجھ کے نہ کرے بلبل پیار
رنگِ منقار ارغواں یکسر — یا دھڑی پان کی ہے ہونٹوں پر
یا کوئی ناخنِ حنائی ہے — ہائے کیا سرخ چونچ پائی ہے
کبھی سرکش گلِ چمن کی طرح — سرنگوں ہے کبھی دلہن کی طرح
زیب و زینت سے اس کو ان بن ہے — سادگی میں ہزار جوبن ہے
جسم نقرہ صفت تمام سپید — صاف براق رنگ قابلِ دید
ہے صدا اس کی مونسِ دلِ زار — ہے تصدق ہزار صوتِ ہزار
ہائے وہ اس کی مست کن آواز — گویا بابِ سماع ہو گیا باز
گیت توحید کا سناتی ہے — راہِ حق کی طرف بلاتی ہے
بس ہے حق سرّہٗ سے کام اسے — وردِ اللہ کا ہے نام اسے
ضربِ نامِ خدا لگاتی ہے — دل تو ننھا سا اور یہ چھاتی ہے
شور کرتی ہے غل مچاتی ہے — چپ کبھی تھک کے بیٹھ جاتی ہے
مضطرب ہو کے پھر پکارتی ہے — چونچ کھٹ کھٹ زمیں پہ مارتی ہے

نعرۂ ھو سے دل ہلاتی ہے
کہہ کے حق سرّہٗ جگاتی ہے

(اجمل)

۸۳ - ابابیل

جاں ہے ننھی سی تو ننھی تری آواز ہے
ننھے ننھے بال و پر ننھا ترا انداز ہے

آنکھ ہیں تیری نگاہِ سرمۂ دُنبالہ دار
زلف ہے مشکیں تری کالی تری پشواز ہے

سقفِ دیرینہ میں ننھا سا نشیمن ہے ترا
گو فلک تک صبح دم تو مائل پرواز ہے

قوم کو تیری نہیں مال و دولت کی ہوس
ہر کس و ناکس تمہارا خانہ برانداز ہے

آبِ دریا سے بھلا بجھتی نہیں کیا تیری پیاس
ابرِ نیساں کے تو قائل تو جو انداز ہے

بازوؤں کو تیرے دم بھی نہیں ملتا سکوں
برق ہے اسمیں بھری یا اور کوئی راز ہے

ہے تڑپ تجھ میں بلا کی ہو بہو سیماب ہے
مگر افسوں سا نسے ملتا ترا انداز ہے

تیری حالت میں کبھی دیکھا نہیں دنیا فرق
تیرا یکساں کہتے ہیں انجام اور آغاز ہے

(سید نور اللہ شاہ)

۸۴ - چڑیا کے بچے

دو تین چھوٹے بچے چڑیا کے گھونسلے میں
چپ چاپ لگ رہے ہیں سینہ سے اپنی ماں کے

چڑیا نے ماتا سے پھیلا کے دونوں بازو
اپنے پروں کے اندر بچوں کو ڈھک لیا ہے
اس طرح روزمرہ کرتی ہے ماں حفاظت
سردی سے اور ہوا سے رکھتی ہے گرم اُن کو
لیکن چڑا گیا ہے چُگا تلاش کرنے
دانہ کہیں کہیں سے پوٹے میں اپنے بھر کر
جب لائے تو بچے منہ کھول دیں گے جھٹ پٹ
اُن کو بھرائے گا وہ ماں اور باپ دونوں
بچوں کی پرورش میں مصروف ہیں برابر
اور چھوٹے بچے خوش ہیں تکلیف کچھ نہیں ہے
اے چھوٹے چھوٹے بچو تم اونچے گھونسلے سے
ہرگز نہیں گروگے۔ پر اور پرزے اب تک
نکلے نہیں تمہارے اس واسطے ابھی تم
اونچے نہ اڑ سکوگے۔ ہاں جب تمہارے بازو
اور پر درست ہوں گے تو دن کی روشنی میں
سیکھوگے تم بھی اُڑنا کرتے پھروگے چیں چیں
اُڑتے پھروگے پھر پھر چھوٹے بچو لیکن کوا بڑی بلا ہے اس سے خدا بچائے
(اسمٰعیل)

۸۵ - کوّا

کوّے ہیں سب دیکھے بھالے — چونچ بھی کالی پر بھی کالے
کالی کالی وردی سب کی — اچھی خاصی انکے ڈھب کی
کالی سینا کے ہیں سپاہی — ایک سی صورت ایک سیاہی
لیکن ہے آواز بُری سی — کان میں جا لگتی ہے چھُری سی
یوں تو ہے کوّا حرص کا بندہ — کچھ نہ چھوڑے پاک نہ گندہ
اچھی ہے پر اس کی یہ عادت — بھائیوں کی کرتا ہے دعوت
کوئی ذرا سی چیز جو پالے — کھائے نہ جب تک سب کو بُلالے
کھانے دانے پر ہے گرتا — پیٹ کے کارن گھر گھر پھرتا
دیکھو وہ دیوار پہ بیٹھا — غلہ کی ہے مار پہ بیٹھا
کیوں کر باندھوں اس پہ نشانہ — بے صبرا چوکنّا سیانا
کائیں کائیں پنکھ پسارے — کرتا ہے یہ بھوک کے مارے
تاک رہا ہے کونہ کھترا — کچھ دیکھو تو نیچے اُترا
اُس کو بس آتا ہے اُچھلنا — جانے کیا وہ پاؤں سے چلنا
اُچھلا، کودا، لپکا، سکڑا — ہاتھ میں تھا بچے کے ٹکڑا
آنکھ بچا کر جھٹ لے بھاگا — واہ رے پھرتی تیری کاگا

ہا ہا کرتے رہ گئے گھر کے — یہ جا وہ جا چونچ میں بھر کے

پیڑ پہ تھا چڑیا کا بسیرا — اس کو ظالم نے جا گھیرا

ہاتھ لگا چھوٹا سا بچہ — نوچا بیچارا کھا گیا کچا

چڑیا درد جان ہو کھوتی — ہے ظالم کی جان کو روتی

چیں چیں چیں چیں کیے دہائی — اپنی بپتا سب کو سنائی

کون ہے جو فریاد کو پہنچے — بیچاری کی داد کو پہنچے

پکنے پر جب مکا آئی — کوؤں نے جا لوٹ مچائی

وہ دیکھا بھٹا چونچ سے چیرا — سچ مچ کا ہے اٹھائی گیرا

رکھوالے نے پائی آہٹ — گوپھن لے کر اٹھا جھٹ پٹ

ہریا ہریا شور مچا کر — ڈھیلا مارا ترڑ سے گھما کر

سن کے تڑاقا کوا بھاگا — تھوڑی دیر میں پھر جا لاگا

لالچ خور ڈھیٹ نڈر ہے — ڈاکو سے کچھ اس میں کسر ہے

ڈاکو ہے یا چور اچکا
پر ہے اپنی دھن کا پکا

(اسمٰعیل)

تمام شد

ضمیمہ

شعرا اور اُن کا کلام

استدعا:۔ ذیل میں شعرا کے متعلق جو جو حالات دریافت طلب ہیں۔ اگر کوئی صاحب ان سے مطلع فرمائیں گے تو باعث مشکوری ہوگا۔ اُمید کہ طبع ثانی میں کل حالات مکمل ہو جائیں گے۔

۱۔ آتش　　خواجہ حیدر علی صاحب مرحوم

ولادت　　وطن لکھنؤ　وفات ۱۲۶۴ھ　مدفن لکھنؤ

(۴۷)، جوشِ بہار ....

۲۔ آزاد　　سید محمد حسین صاحب مرحوم

ولادت ۱۸۳۰ء　وطن دلی　وفات ۱۹۱۰ء　مدفن لاہور

(۱۳)　خوشا وقتِ شام ....

(۲۷) تیتریاں . . . .

۶۔ امجد :۔ سید امجد حسین صاحب

ولادت وطن حیدر آباد دکن

(۲۸) قمری . . . .

۷۔ امیر منشی امیر احمد مینائی مرحوم

ولادت ۱۲۴۴ھ وطن لکھنؤ وفات ۱۳۱۸ھ مدفن حیدرآباد دکن

(۲۹) فضلئے پرشکال . . . .

۸۔ انشا انشاء اللہ خاں مرحوم

ولادت وطن دہلی وفات ۱۲۳۳ھ مدفن لکھنؤ

(۳۰) ابر کی آمد . . . .

(۲۶) بہار . . . .

۹۔ انیس : میر ببر علی مرحوم

ولادت ۱۲۱۶ھ وطن دلی وفات ۱۲۹۱ھ مدفن لکھنؤ

(۱) نور ظہور کا وقت . . . .

(۲) نمودِ صبح . . . .

۱۰۔ اثر : محمد یعقوب صاحب گیاوی

ولادت ۱۸۸۳ء وطن

(۲۱) چاندنی . . . .

(۲۲) صبح بہار . . . .

۱۱۔ جلال مرادآبادی قاضی جلال الدین صاحب

ولادت وطن مرادآباد

(۲۶) برسات . . . .

۱۲۔ حالی ؛ خواجہ الطاف حسین مرحوم

ولادت ۱۸۳۷ء وطن پانی پت وفات ۱۹۱۴ء مدفن پانی پت

(۲۳) برکھا رُت

(۲۹) گرمی کا موسم

۱۳۔ ذاکر

ولادت وطن

(۵) صبح چمن

۱۴۔ سرور جہان آبادی منشی درگا سہائے آنجہانی

ولادت وطن وفات مدفن

(۲۸) فضائے برشکال

۱۵۔ سفیر

ولادت وطن

۲۳۔ غالب مرزا اسداللہ خاں مرحوم

ولادت ۱۷۹۶ء وطن دلی وفات ۱۸۶۹ء مدفن دلی

(۱۲) طلوعِ آفتاب . . . .

(۴۲) آمد بہار . . . .

۲۴۔ فلک منشی لال چند صاحب

ولادت وطن

(۹) ترانۂ بیداری . . . .

۲۵۔ کاملؔ نذیر احمد صاحب

ولادت وطن

(۲۹) دریائے بیاس . . . .

۲۶ مائل لالہ جینتر داس صاحب دہلوی

ولادت وطن

(۴۰) موسم خزاں . . . .

۲۷۔ مبارک مرزا مبارک بیگ صاحب

ولادت وطن

(۴۵) لطفِ بہار . . . .

۲۸- محی ومر — منشی تلوک چند صاحب

ولادت — وطن

(۱۰) ترانۂ بیداری . . . .

(۱۱) بندرابن کی صبح . . . .

(۶۳) صحرا . . . .

(۷۷) بُلبلِ زمزمہ ساز . . . .

(۸۰) مور . . . .

۲۹- محسن — مولوی محمد محسن مرحوم

ولادت ۱۲۴۲ھ وطن کاکوری وفات ۱۹۰۵ مدفن مین پوری

(۳) عبادتِ صبح . . . .

۳۰- — محمد عبدالرشید صاحب بازید پوری

ولادت — وطن

(۸۱) کبوتر . . . .

۳۱- مرزا شوق — نواب مرزا شوق مرحوم

ولادت — وطن — وفات — مدفن

(۵۹) باغ بنگلہ . . . .

(۶۰) آرایشِ باغ . . . .

مناظرِ قدرت

حصہ دوم

مُرتّبہ

محمد الیاس برنی

زیرِ نگرانی

مُسلم احمد نظامی۔ ایم۔ اے

قیمت دو روپے ۲۵ نئے پیسے

مالک

کتب خانہ نذیریہ مسلم منزل کھاری باؤلی دہلی

فہرست مضامین

ہر جلی عنوان سے ایک نیا مضمون شروع ہوتا ہے اور اس کے تحت میں مضامین متجانسہ درج ہیں :۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱- ظہورِ صبح

پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زارِ صبح   گلزارِ شب خزاں ہوا آئی بہارِ صبح
کرنے لگا فلک زرِ انجم نثارِ صبح   سرگرم ذکرِ حق ہوئے طاعت گزارِ صبح
تھا چرخِ اخضری پہ یہ رنگ آفتاب کا
کھلتا ہے جیسے پھول چمن میں گلاب کا

چلنا وہ بادِ صبح کے جھونکوں کا دم بدم   مرغانِ باغ کی وہ خوش الحانیاں بہم
وہ آب و تابِ نہر وہ موجوں کا پیچ و خم   سردی ہوا میں پر نہ زیادہ بہت نہ کم
کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیوں سے دامنِ صحرا بھرا ہوا

وہ صبح نور اور وہ صحرا وہ سبزہ زار
تھے طائروں کے غول درختوں پہ بے شمار

چلنا نسیم صبح کا رہ رہ کے بار بار
کو کو وہ قمریوں کی وہ طاؤس کی پکار

وا تھے دریچے باغِ بہشتِ نعیم کے
ہر سو رواں تھے دشت میں جھونکے نسیم کے

آمد وہ آفتاب کی وہ صبح کا سماں
تھا جس کی ضو سے وجد میں طاؤسِ آسماں

قمقموں کی روشنی میں ستاروں کا تھا گماں
نہرِ فرات بیچ میں تھی مثلِ کہکشاں

ہر نخل پر ضیائے سرِ کوہِ طور تھی
گویا فلک سے بارشِ بارانِ نور تھی

انیس

۲۔ نسیم سحر

اے نسیم روح پرور اے ہوائے خوشگوار
کیسی متوالی ہے تیری چال میں تجھ پر نثار

ہر روش پر لغزشِ مستانہ سے رکھنا قدم
اور وہ اٹھلا کے چلنا شوخیوں سے بار بار

تیرے آنے کی خوشی میں قطرۂ شبنم نسیم
گوہرِ نایاب بن کر جھڑتے ہیں تجھ پہ نثار

سبز شاخوں پہ ہیں تیرے خیر مقدم کو طیور
مرحبا اہلاً و سہلاً کی ہے ہر سمت سے پکار

اے نسیمِ صبح بیشک رونقِ گلشن ہے تو
تیرے ہی دم سے ہے وابستہ گلستاں کی بہار

اوج گیاوی

۳- پُل پر شامِ تنہائی

ہے پُل پر عجیب لُطف دیکھو　　مُنھ جانبِ غرب کر کے بیٹھو

سورج ہے غروب ہوتا جاتا　　عالم پہ سکوت سا ہے چھاتا

موجوں سے نسیم کھیلتی ہے　　ٹکراتی اور دھکیلتی ہے

پانی کی بچھی ہوئی ہے چادر　　مقیش بکھر رہا ہے اس پر

گردوں پہ ہیں رنگ کیسے کیسے　　پھیکے اور شوخ بھاری ہلکے

ہر رنگ میں اِک نئی ادا ہے　　گلزار فلک پہ کھل رہا ہے

پانی جو اُفق سے جا ملا ہے　　نظارہ عجیب ہو رہا ہے

اِک غم زدہ اِک طرف ہے بیٹھا　　حیرت سے ہے یہ دیکھتا تماشا

خاطر میں خیال ہے کسی کا　　نظروں میں جمال ہے کسی کا

فرقت کی ہے چوٹ اس کے دل پر
آنکھوں کو تلاشِ روئے دل بر

حسرت

۴- لُطفِ شب

فلک کواکبِ مہتاب سے ہوا روشن　　زمیں پہ لیمپ ہیں جگنو کے جا بجا روشن

یہ چاندنی کی بہار اور یہ خوشگوار فضا　　یہ دلفریب مناظر یہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا

چڑھا ہے ایک رو پہلا ورق زمانہ پر   برس رہا ہے تجلی کا ابرِ خورشید منظر
چمک ستاروں کی اپنی دکھا رہا ہے فلک   نظر اٹھا تو ذرا جگمگا رہا ہے فلک

اٹھو اب زمانہ کا کچھ اور رنگ ہے پیاری
زمانہ دیکھ کے یہ سین دنگ ہے پیاری

عزیز

(ترجمہ نظم انگریزی طامس مور)

۵- چاندنی اور خانہ باغ

نظر آئی واں چاندنی کی بہار   کہ آنکھوں نے کی خیرگی اختیار
در و بام یک لخت سارے سپید   ہر اک طاق و محراب صبحِ امید
بلوریں تھے ہر طرف سنگِ فرش   کہ جس سے منور رہے رنگِ فرش
ہر اک سمت واں نور کا ازدحام   لگے آئینے تدِ آدم تمام
لبالب وہ چوپڑ کی پاکیزہ نہر   پڑے چشمۂ ماہ سے جس میں لہر
لب نہر پر صاف جو غور کی   تو پڑی تھی وہ ایک بلور کی
پڑے اس میں فوارے چھٹتے ہوئے   ہوائیں وہ موتی سے لٹتے ہوئے
معترض پڑا اس میں مقیش جو   گرا آ کے واں رشک سے پرنیے ہو
پئے گود مقیش چھپتے پڑے   ہر اک جاتا ہے اڑاویں گھڑے
غرض اپنی صورت سے تاروں کو توڑ   زمیں کو فلک کا بنایا تھا جوڑ

ہوائیں وہ جگنو سے چمکیں بہم — ملیں جلوۂ مہ کو زیرِ قدم

فقط چاندنی میں کہاں طور یہ — کہ طرّہ نہ جب تک ملے اور یہ

زمانہ درخشاں ہوا دُرفشاں — زمیں سے لگا تا سما دُرفشاں

کھڑا ایک نمگیرۂ آب دار — کہ تھے جس کے جھالر پہ موتی نثار

جڑاؤ وہ استادے الماس کے — ڈھلے ایک سانچے کے اک راس کے

کبھی ڈور ہر سمت زر تار کی — لڑی جوں کناری کہ ہو ہار کی

کہوں کیا میں جالو کی اُسکی پھبن — کہ سورج کی ہو گرد جیسے کرن

مغرق بچھی مسند اک جگمگی — کہ تھی چاندنی جس کے قدموں لگی

نہ چھوٹے سمانے تھے تکیے دہرے — کہ تھے وہ فقط حسن ہی کو بھرے

زمیں نور کی آسماں نور کا — جدھر دیکھو ادھر سماں نور کا

چمن سارے داؤدیوں سے گھرے — جوانانِ شبّو کے ہر جا پرے

ستاروں کا مہتاب میں حال یوں — کہ چھٹکے ہیں پانی کے قطرے جوں گل

اگر کچھ تھا سایہ ادھر پہ نگاہ — تو ہے وہ بھی جوں سایۂ مہر و ماہ

کرے ہے نگہ جس طرف کو گزر

بجز نور آتا نہیں کچھ نظر

میر حسن

۶- چاندنی اور تالاب

ایک شب جو تھی چاندنی کی بہار — سیرِ دریا کو میں اُٹھا اِک بار
پھٹ گیا ابر پھٹ گیا تھا سحاب — صاف تھا سطحِ شبِ مہتاب
تھا فلک سے زمیں تلک اک نور — نور سے تھا خلا وہ سب معمور
نور افشاں تھا چشمۂ مہتاب — نور آگیں تھا چشمۂ تالاب
تھا جہاں میں کہیں نہ گرد و غبار — ہاں مگر تھا بہ خاطرِ انجار
پہونچا آخر میں طالبِ تالاب — تھا جو تالاب چادرِ مہتاب
سطحِ نوری تھا وہ ہر آئینہ — موجِ تالاب تھی ہر آئینہ
اس میں میں دیکھتا تھا قدرتِ حق — کر دہ آئینہ تھا مجھے مطلق
آپ اس وقت ذوق شوق میں آ — سر کو ہر سنگ پر پٹکتا تھا
موج زن تھی ہوا با موج اس دم — وجد میں تھی ہر ایک موج اِس دم
مُرغِ دریا تھے ذکر میں اس کے — چشمِ گریاں تھی فکر میں اس کے
دود ماں کا بخارِ اُلفت تھا — دلِ ماہی میں خارِ اُلفت تھا
آئینہ تھی وہاں ہر ایک خزف — چشمِ حق بیں تھی سینہ چاک صدف

جلوہ آرا تھا عالمِ مہتاب
ماہ سے تا بماہیِ تالاب

میر حسن

۷۔ شبِ تاریک

ہے وہ بھیانک رات اندھیری — تو بہے لے ایزدِ باری
اِکا دُکا ہیں کچھ تارے — چھپ گئے باقی خوف کے مارے
کرتی ہے دُنیا سائیں سائیں — صرف درندوں کی ہیں صدائیں
رنگِ عمارت ہے یہ نرالا — جیسے پہاڑ اِک کالا کالا
کوئی سوادِ شب کی حد ہے — گوشہ گوشہ گھر کا لحد ہے

سوچ رہا ہوں باتیں کیا کیا
دیکھ رہا ہوں نقشہ کیا

عزیزؔ

۸۔ سمندر کی رات

نصف شب اور اُس پہ کالی رات — ماہِ قمری کی ہے ہلالی رات
سارا عالم ہے خواب میں مدہوش — باسفورس میں ہے نرالا جوش
لہریں پانی کا راگ گاتی ہیں — موجیں اُٹھ اُٹھ کے دف بجاتی ہیں
سطحِ دریا پہ ہے ہمارا جہاز — ہے تلاطم سے محوِ نازو نیاز
موجیں لوری سُنا رہی ہیں اُسے — لہریں جھولا جھلا رہی ہیں اُسے

ننھے ننھے وہ خوشنما تارے　　چھوٹے چھوٹے وہ دل رُبا تارے

وہ ہمیں دیکھ کر ہیں دُور سے خوش
ہم اندھیرے میں اُن کے نُور سے خوش

(ترجمہ نظم انگریزی)　　محمد عبدالعزیز شفیق

۹۔ لُطفِ برشکال

آتے ہی جہاں میں فصلِ برسات　　جی اُٹھے زمیں کے سب نباتات
چلنے لگیں دل کُشا ہوائیں　　اُٹھنے لگیں جھوم کر گھٹائیں
اُمڈے ہیں عجیب دھج کے بادل　　برسے وہ گرج گرج کے بادل
کوئل کی صدا پپیہوں کا شور　　پَر کھول کے ناچتے ہوئے مور
سرسبز وہ جنگلوں میں جھاڑی　　سبزہ سے ڈھکے ہوئے پہاڑی
خود رَو پھولوں کی شوخ رنگت　　بھینی بھینی وہ مست نکہت
ہے کیسی نظر فریب و مرغوب　　نازک نازک ہری ہری دوب

خوش پھر رہے ہیں چرند چرتے
ہیں چوکڑیاں غزال بھرتے

عزیز

۱۰- برق و باراں

بن گیا ہے کرۂ تاریک بالکل آسماں
بادلوں کو دیکھ کر دل کہہ رہا ہے الاماں

غیر ممکن ہے گرج سن کر کوئی گھبرا نہ جائے
قہر برپا کر دیا ہے بادلوں نے ہائے ہائے

ہو گیا ہے برقِ سوزاں کا فلک پر اقتدار
جھاڑتی پھرتی ہے ظالم ہر طرف اپنا شرار

کوندتی ہے اس طرح ہو ہو کے ہر دم بیقرار
چل رہی ہے تیغ گویا آسماں پر بار بار

ہر طرف معلوم ہوتی ہے لگی اک آگ سی
اللہ اللہ اس قدر سرعت یہ آئی وہ گئی

کیا تعجب ہے دہلتی ہے جو یہ رہ کر زمیں
اڑ گئی ہے آج شاید آسماں کی میگزیں

دفعتہً آتی ہے پھر اک ہرہراہٹ کی صدا
دور کے کھیتوں میں ہر بالکل دھواں چھایا ہوا

رفتہ رفتہ یہ دھواں نزدیک بالکل آ گیا
بڑھ گئی پہلے سے بھی اب ہرہراہٹ کی صدا

دیکھتے کیا ہیں کہ بارش سر کے اوپر آ گئی
ہر طرف پڑنے لگیں بوندیں ٹپا ٹپ دور کی

دیکھ کر یہ طفل برنا پیر سب مسرور ہیں
یا ہیں وہ غم ان کے دل سے اب تو کوسوں دور ہیں

ہیں کہیں جھولے کہیں سامان ہیں پکوان کے
دل خوشی سے ہر طرف لبریز ہیں انسان کے

ہادی

۱۱- برسات

آگئی گھنگھور گھٹا چھا گئے بادل ہر سو
آئیں بگلوں کی قطاریں سوئے دریا اڑ کر

کوئلیں کوکیں، پپیہوں نے صدا دی دلکش
ہو کے خوش مور نے بھی ناچ کے پھیلا دیئے پر

فاختہ دید میں ہے سرو سہی کے مشغول
مسکراتے ہوئے غنچوں پہ ہے بلبل کی نظر

بھونرے کرنے لگے پھولوں کی بلا گردانی
آ کے سب بیٹھ گئے نغمہ سرا شاخوں پر

بال سنبل کے جو الجھے ہوئے پائے اس نے
شانہ کرنے لگی منقار سے قمری آ کر

آئی برسات ہرے پھر ہوئے دل کے یہ زخم
باغ میں پھر ہے جنوں خیز ہواؤں کا گزر

جمالؔ عظیم آبادی

۱۲- برسات

امنڈ کے آئی ہے گھٹا
سیاہ چھائی ہے گھٹا

جو فرق ہے تو نام میں
سحر میں اور شام میں

غضب ہے رعد کی کڑک
رہا ہے جس سے دل دھڑک

جھڑی لگی ہے زور کی
کچھ انتہا ہے شور کی

وہ ہو رہا ہے شور کچھ — وہ جا رہے ہیں مور کچھ
بنا کے حلقہ ایک دم — یہ کیسے ہو گئے بہم
ہے ایک بیچ میں کھڑا — عجب ادا سے ناچتا
جو تال سم ہیں مل رہے
تو سارے پر ہیں ہل رہے

کہیں جو لال ابر ہے — وہ مایہ سوز صبر ہے
ہے آہ کتنی دل رُبا — فلک میں سُرخیِ حنا
ہے جس کا عکس خوشنما — کچھ یوں زمیں پہ پڑ رہا
کہ ہے نگاہِ عام میں
سحر کا لُطف شام میں

سحر

۱۳۔ برسات

رُت ہے برسات کی بہت پیاری — موج زن جھیلیں ندیاں ساری
کھیت دھانوں کے لہلہے شاداب — کر رہے ہیں نظر کی دلداری
کیا ہری دوب جنگلوں میں ہے — سبز مخمل سے ہو سوا پیاری
ہر طرف کھل رہے ہیں گل بوٹے — جن سے شرمندہ باغ کی کیاری

ننھی ننھی برستی ہیں بوندیں | رُوح پر ہوتی ہے خوشی طاری
سوندی سوندی زمین کی مٹی | بھینی بھینی چمن کی بُو پیاری
کوکلہ بگلا کوئلیں طاؤس | اپنی تانیں سناتے ہیں پیاری
قازیں مرغابیاں بطیں سُرخاب | جھیلوں کے ساتھ کرتی ہیں یاری
شفقِ سُرخ رنگ لائی ہے | لالہ گوں ہے سپہر زنگاری
بدلیاں چھا رہی ہیں گردوں پہ | زرد، اودی سنہری زنگاری
سیر مچھی بھون کی چل کر دیکھو | کیا نمایاں ہے قدرتِ باری

مچھلوں کی چمک میں ہے چل بل
جیسے رقصاں بتانِ فرخاری

منیر

۱۴- برسات

پرندوں نے ہر سُو مچائی ہے دھوم | کہ آئے ہیں بادل سیہ جھُوم جھُوم
جو پر اپنے پھیلا کے ناچے ہے مور | تو مینڈک نے پانی میں ڈالا ہے شور
پپیہوں کی پی پی وہ کوئل کی کوک | کلیجے سے عاشق کے نکلے ہے ہوک

جہاں سارا دم بھر میں جل تھل ہوا
کہ اک چادرِ آب جنگل ہوا

طرب

۱۵- برسات

بجلی چمک رہی ہے بادل بھی چھا رہے ہیں
کیا لُطف کا سماں ہے کیا لُطف آ رہے ہیں
رفتار بادلوں کی کیا لُطف دے رہی ہے
پورب سے آ رہے ہیں پچھم کو جا رہے ہیں
دیوانہ وار بچے پھرتے ہیں شور کرتے
پانی سے کھیلتے ہیں خوش خوش نہا رہے ہیں
ایسا سماں ہے دل کش اس وقت کچھ نہ پوچھو
بادل برس رہے ہیں دل کو لبھا رہے ہیں

حامد

۱۶- برسات

وہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے گلشن میں
کہ جس کے جھونکوں سے بشاش ہو دلِ بیمار
وہ جھوم جھوم کے آنا گھٹا کا ہر سُو سے
وہ شاخِ سرو پہ آمادہ قمریوں کی پُکار

وہ بار بار پپیہوں کا "پی کہاں" کہنا
وہ کوئلوں کا درختوں پہ کوکنا ہر بار
وہ سبز سبز ہیں ہر سمت برگ ہائے شجر
گمان جس پہ زمرد کا ہوتا ہے ہر بار
کہیں ہے جوہی کہیں موتیا کہیں بیلا
کہیں گلاب کہیں نسترن کہیں ہے چنار
عجیب فصل ہے برسات کی بھی صلِ علیٰ
درود پڑھنے کے قابل ہے صنعتِ غفار

اوج

۱۷- برسات

پورب سے گھٹائیں کالی کالی
سرسبز زمیں کو کرنے والی
مخلوق کو چین دینے والی
مستوں کی دعائیں لینے والی
مستانہ اٹھیں بڑھیں امنڈ کر
آفاق پہ چھا گئیں سراسر
دل کھول کے بحر و بر پہ برسیں
دم بھر میں تمام جھیلیں بھر دیں
بارش کا جو تار لگ گیا تھا
رحمت کا پیام لا رہا تھا
قطرے جو زمیں پہ ٹوٹتے تھے
فوارے کروڑوں چھوٹتے تھے

مخلوق کے دل کو چین آیا — خوش خوش ہے ہر ایک پیر و برنا
اطفال بہم نہا رہے ہیں — پانی کی خوشی منا رہے ہیں
رحمت کا نزول ہو چکا ہے — سرشار ہر اک شجر کھڑا ہے
ہر شاخ نہا نہا کے نکھری — قدرت نے کئے نثار موتی
ہر پھول سے رنگ ہے ٹپکتا — ہر برگ سے زندگی ہویدا
آواز پپیہا دے رہا ہے — خاموش سا ہر شجر کھڑا ہے
عشاق کا دل ہے محو تاثیر — سناٹے میں دشت مثل تصویر
فریاد میں دردِ دل نہاں ہے — مضمون فغاں سے "پی کہاں" ہے
اس زور سے چیختا ہے پیہم — رہ جاتا ہے چپ وہ ہو کے بیدم
کوئل وہ نظیرِ قیس و لیلیٰ — جاں سوختہ سانولی سلونی
پُر سوز و گداز اُس کی آواز — مہجوروں کے درد دل کی ہمراز
گلزار ہیں باغ اس کے دم سے — پُر کیف دماغ اس کے دم سے
چوپایوں کے صاف ستھرے گلّے — رمنوں میں اِدھر اُدھر ہیں چرتے

سبزے میں سفید اور کالے
بھاتے ہیں نگاہ کو کیسے

حسرت

۱۸- برسات

پانی کھلا ہے اس دم برس کر
دیکھیں تو چل کر جنگل کا منظر

آتا نظر ہے قدرت کا جلوہ
چاروں طرف ہے سبزہ ہی سبزہ

کیسی ادا سے بہتے ہیں جھرنے
پانی کی موجیں نکلی ہیں بھرنے

پانی میں کیسی دولت بہادی
قدرت نے سیروں چاندی گلادی

گرنا چٹانوں سے کیسے اچھل کر
گودی میں سبزہ کی جانا مچل کر

جانا تو یوں کوئی سن گن نہ پائے
سبزہ کی چادر سے منھ کو چھپائے

پانی کے تھمنے سے پھیلا اُجالا
سورج نے پردہ سے منھ نکالا

اُٹھ کر چلے ہیں پانی کے مارے
ناؤں کو پھاندا پہنچے کنارے

کب تک نہ بھیگے خود کو سنبھالے
سر پر کھڑے ہیں بادل کے جھالے

فقیر

۱۹- جنگل کی برسات

یہ نظر فریب منظر
یہ فضائے برشگالی

یہ نسیم روح پرور
یہ گھٹائیں کالی کالی

لپ جو برسنے والی

کہیں مینھ کے ہیں جھالے   کہیں بادلوں کے ہیں دَل
کہیں بہ رہے ہیں نالے   کہیں ڈوب پڑا ہیں جنگل
کہیں کوکتی ہے کوئل

جو اُبل رہے ہیں چشمے   تو چڑھی ہوئی ہیں ندیاں
جو برس گئے ہیں جھالے   تو ہرا بھرا ہے میداں
ہے زمیں کا سبز داماں

کہیں قمریوں کی کوکو   کہیں مور کی صدائیں
کہیں پھر رہے ہیں آہو   کہیں چر رہی ہیں گائیں
کبھی اُٹھتی ہیں گھٹائیں

کہیں بگلوں کی قطاریں   ہیں ہوائیں اونچی اونچی
کہیں مینھ کی پھواریں   لپ جو ہیں ٹھنڈی ٹھنڈی
کہیں بہہ رہی ہے کشتی

جو چٹک رہی ہیں کلیاں   تو لہک رہا ہے سبزہ
جو ہوا ہے عنبر افشاں   تو مہک رہا ہے صحرا
کہ یہ رُت ہے روح افزا

یہ جلاوطن مسافر   جو میانِ دشت و صحرا

ہوئے گوشہ گیر آ کر   کہ چڑھے ہوئے ہیں دریا

یہ ہیں رام اور سیتا

شاکر

۲۰- جھولا

تجھ سے اے جھولے ادائے دلکشی ہے آشکار   تیرے ہی باعث فزوں تر ہے گلستاں کی بہار

آگئی برسات ساون کا مہینہ ہے شروع   تجھ کو پڑنا چاہیئے شاخ شجر میں پائدار

تیری ہی خاطر تو سب آئے ہیں جھولے باغ میں   جھولنے کو ہیں حسینانِ جہاں امیدوار

سب فراہم ہو گیا ساماں مگر ہے یہ تلاش   ہو بڑا سا پیڑ کوئی شاخ کوئی استوار

منتظر ہیں سب پڑے تو پہلے میں ہی جھول جاؤں

جانب شاخ شجر ہے آنکھ اور دل بے قرار

دوڑ کر وہ ایک جا بیٹھی غضب کی شوخ ہے   سب تو منہ تکتے رہے اور یہ ہے جھولے پر سوار

وہ زمیں پہ ٹیک کے تلوے سے بڑھایا اُس نے پینگ   وہ خوش آوازی سے گانے والی ہے کوئی ملہا

پاؤں ہٹنی سے لگانا لازمی ہے پینگ میں   شرط یہ سب جھولنے والوں میں ہے پائی قرار

جان کو دیتی ہے راحت دل کو دیتی ہے سرور   پینگ کے ہمراہ چلتی ہے ہوا جو بار بار

لطف جھولے کا غرض برسات میں آتا ہے خوب

پھیاں پھیاں پڑ رہی ہے آج کل ہر سو پھوار

محوی

٢١- اُمس

بدلی کے جو گھر آنے سے ہوتی ہے ہوا بند
پھر بند سی گرمی وہ غضب پڑتی ہے یک چند
پھینکے کوئی پگڑی کوئی کھولے ہے کھڑا بند
دم رک کے گھٹا جاتا ہے گرمی سے ہر اک بند

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُمس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُمس

رکنے سے ہوا کے جو برا ہوتا ہے احوال
پنکھا کوئی آنچل کوئی دامن کوئی رومال
دم دھکنے لگتا ہے لہاروں کی گویا کھال
کچھ روح کو بے تابیاں کچھ جان کو جنجال

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُمس
سب چیز تو اچھی ہے پر ایک قہر ہے اُمس

ہوتی ہے اُمس جو کبھی اک رات کو آ کر
کر ڈالتی ہے پھر تو قیامت ہی مقرر
ادھر تو ہوا بند ادھر پسو و مچھر
پانی کوئی پیوے تو اگن سے بھی وہ بدتر

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُمس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُمس

جس وقت ہوا بند ہو اور آ کے گھٹا چھائے
پھر کہئے دل اس گرمی میں کس طرح نہ گھبرائے
ادھر تو پسینہ چھٹے ادھر تو غضب آئے
پسو کبھی مچھر کبھی کھٹمل ہی لپٹ جائے

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اُمس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اُمس

گر اس میں ہوا کھل گئی اور پانی بھی لائی — تو جی میں جی اور جان میں کچھ جان سی آئی
اور اس میں جو پھر ہو گئی اوس کی چڑھائی — تو پھر وہی رونا وہی غل شور دہائی

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اوس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اوس

اس رت میں تو واللہ عجب عیش ہے دلخواہ — ٹھنڈی ہے ہوا سرد ہوا آتی ہے ہر گاہ
جنگل بھی ہرے گل بھی کھلے سبز چراگاہ — اوس ہی مگر دل کو ستاتی ہے نظیر آہ

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اوس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اوس

نظیر اکبرآبادی

۲۲- شہر کی برسات

کتنوں کو محلوں اندر ہے عیش کا نظارا — یا سائبان ستھرا یا بانس کا اسارا
کرتا ہے سیر کوئی کوٹھے کا لے سہارا — مفلس بھی کر رہا ہے پورے تلے گزارا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

مدت سے ہو رہا ہے جن کا مکاں پرانا — اٹھ کے ہر اُن کو مینہ میں ہر آن چھت پہ جانا
کوئی پکارتا ہے ٹک موری کھول آنا — کوئی کہے ہے چل بھی کیوں ہو گیا دِوانہ

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئی پکارتا ہے لو یہ مکان ٹپکا   گرتی ہے چھت کی مٹی اور سائبان ٹپکا
چھلنی ہوئی اٹاری کوٹھا ندان ٹپکا   باقی تھا اک اسارا سو وہ بھی آن ٹپکا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

چھت گرنے کا کسی جا غل شور ہو رہا ہے   دیوار کا بھی دھڑکا کچھ ہوش کھو رہا ہے
در در حویلی والا ہر آن رو رہا ہے   مفلس سو جھونپڑے میں دلشاد ہو رہا ہے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہے جن کنے مہیا پکا پکایا کھانا   ان کو پلنگ پہ بیٹھے جھڑیوں کا حظ اٹھانا
ہے جن کو اپنے گھر میں یاں نون تیل لانا   ہے سر پہ ان کے پنکھا یا چھاج ہے پرانا

کیا کیا مچی ہیں یاروں برسات کی بہاریں

جو اس ہوا میں یارو دولت میں کچھ بڑے ہیں   ہے ان کے سر پہ چھتری ہاتھی اوپر چڑھے ہیں
ہم سے غریب غربا کیچڑ میں گر پڑے ہیں   ہاتھوں میں جوتیاں ہیں اور پائچے چڑھے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کیچڑ سے ہو رہی ہے جس جا زمیں پھسلنی   مشکل ہوئی ہے واں سے ہر اک کو راہ چلنی
پھسلا جو پاؤں پگڑی مشکل ہے پھر سنبھلنی   جوتی گری تو واں سے کیا تاب پھر نکلنی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنے تو کیچڑوں کے دلدل میں پھنس رہے ہیں   کپڑے تمام گندی دلدل میں بس رہے ہیں
کتنے اٹھے ہیں مر مر کتنے اکس رہے ہیں   وہ دکھ میں پھنس رہے ہیں اور لوگ ہنس رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

(نظیر اکبر آبادی)

۲۳- خشک سالی

نہ آئی پر نہ آئی پر نہ آئی — گھٹا نے بول دی بالکل صفائی

اگر آئی تو کی دے دے ہوا نے — سواری اور جانب کو بڑھائی

گئے دریا اُتر تالاب سوکھے — کجائی ابر دریا دل کجائی

نہ صحرا میں دل آویزی کا انداز — نہ بستاں میں ادائے دل کشائی

نہ صحنِ باغ میں طوطی کا نغمہ — نہ شاخِ گل پہ بلبل چہچہائی

زمیں چٹیل ہے کورا آسماں ہے — ہوئی اب کی برس اچھی صفائی

نہ روٹھے مل کے ساون اور بھادوں — ہوئی ہے ترک باہم آشنائی

نہ تانا شامیانہ ابر تو نے — نہ اب کے رعد نے نوبت بجائی

نہ وہ جگنو نہ وہ راتیں اندھیری — نہ وہ کالی گھٹا گھنگھور چھائی

نہ پرنالے چلے اب کے دھڑا دھڑ — نہ گزری کی سڑک ترونے بہائی

نہ وہ سن سن نہ وہ جھونکے ہوا کے — نہ بجلی نے چمک اپنی دکھائی

نہ وہ برسات کے کیڑے پتنگے — نہ مینڈک نے زمیں سر پر اٹھائی

کہاں بادل کہاں بجلی کہاں مینہ — پریشانی سی دنیا پہ ہے چھائی

نہ اے بھادوں بھرن برسائی تو نے | نہ اے ساون جھڑی تو نے لگائی
نہ موروں نے کیا کچھ شور برپا | نہ کوئل ہی نے دھوم اب کے مچائی
نہ رنگا رنگ بادل آسماں پر | نہ چھت پر گھانس دیواروں پہ کائی
نہ کیچڑ ہے نہ پانی ہے نہ سبزہ | نہ مینھ برسا نہ کھیتی لہلہائی
ترستے ہیں برستا ہی نہیں مینھ | سسکتی ہے پڑی ساری خدائی
ہوئی برباد کھیتی تھک گئے بیل | گئی گزری کسانوں کی کمائی
نہیں بیچارے حیوانوں کو چارہ | ہے انسانوں کو فکر بے نوائی
بہت مزدور بیٹھے ہیں نکمے | نہیں اب کوئی حیلہ جز گدائی

خدایا رحم کر جاں لب پہ آئی
تری مخلوق دیتی ہے دہائی

اسمٰعیل

۲۴- جاڑا اور کُہر

دفعتاً پیرِ سحر سانس ہے ایسا بھرتا | ق | یا زمانہ پہ وہ کچھ سحر ہے ایسا کرتا
کہ جہاں آنکھوں میں ہو جاتا ہے یکبار سفید | دشت و کہسار سے تا در و دیوار سفید
ابر کی طرح بخارات کا گھِر کر آنا | برف کے پرت میں وہ روئی دھنکتے جانا

ہلکے ہلکے کبھی مکڑی کے جالے اُڑتے
اور ہوا میں کبھی روئی کے ہیں گالے تیتے

انیس

۲۵- آمدِ بہار

غنچے نے تاجِ گُل سے کیا پیرہن درست　　شادی بہار کی ہے ہوا ہے چمن درست

پیغام رست خیز ہے آمدِ بہار کی　　مرکر ہوئی ہے نرگسِ بیمار تندرست

گُل جلوہ گر ہیں آمدِ فصلِ بہار ہے

کر باغباں نشیب و فرازِ چمن درست

نسیمؔ

۲۶- موسمِ بہار

سجدۂ شکر میں ہے شاخِ ثمردار ہر ایک　　دیکھ کر باغِ جہاں میں کرمِ عزّ و جل

واسطے خلعتِ نوروز کے ہر باغ کے بیچ　　آبجو قطع لگی کرنے روِش پر مخمل

بخشتی ہے گلِ نورستہ کی رنگ آمیزی　　پوششِ چھینٹ قلمکار بہر دشت و جبل

عکسِ گلبن یہ زمیں پہ ہے کہ جس کے آگے　　کارِ نقاشیِ مانی ہے ددم دہ اوّل

سایۂ برگ ہر اِس لُطف سے ہر اک گل پر　　ساغرِ لعل میں جوں کیجئے زمرّد کو حل

بارے آبِ رواں عکسِ ہجومِ گُل سے　　لوٹے ہے سبزہ پہ از بس کہ ہوا ہے بیکل

آبِ جو گردِ چمن لمعۂ خورشید سے ہے　　خطِ گلزار کے صفحے پہ طلائی جدول

چشمِ نرگس کی بصارت پہ ز بس تھے در پے　　غنچۂ لالہ نے سرمے سے بھری ہے مکحل

لڑکھڑاتی ہوئی پھرتی ہے خیاباں میں نسیم
پاؤں رکھتی ہے صبا صحن میں گلشن کے سنبھل

سودا

۲۷- جلوسِ بہار

بگھیاں نور کی تیار کرائے بوٹے سمن
کہ ہوا کھانے کو نکلیں گے جوانانِ چمن

عالمِ اطفالِ نباتات پہ ہوگا کچھ اور
گورے کالے سبھی پہنیں گے نئے کپڑے پہن

کوئی شبنم سے چھڑک بالوں پہ اپنے پوڈر
کرسی ناز پہ جلوہ کی دکھا دیگا پھبن

اپنے گیلاس شگوفے بھی کریں گے حاضر
غنچہ وش بھی ڈال کے لیوینگے بوتل کی دہن

پتے ہل ہل کے بجا دیں گے فرنگی طنبور
لالہ لادیگا سلامی کو بنا کر پلٹن

اپنی سنگین چمکتی ہوئی دکھلا دیں گے
آپڑیگی جو کہیں نہر پہ سورج کی کرن

نے نوازی کے لئے کھول کر اپنی منقار
آکے دکھلا دیگی بلبل بھی جو ہے اس کا فن

آئیگا نذر کو شیشہ کی گھڑی لے کے حباب
یاسمن تیتوں کی پینس میں چلیگی بن ٹھن

نکہت آوے گی نکل کھول کلی کا کمرہ
ساتھ ہو لیگی نزاکت بھی جو ہے اس کی بہن

حوضِ صندوقِ فرنگی سے تماشا ہوگا
اس میں ہوئیں گے پریزاد بھی سب عکس فگن

انشا

۲۸- آفتِ خزاں

ہیں باغ جتنے یاں کے سو ایسے پڑے ہیں خوار
کانٹے کا اُن میں نام نہیں پھول در کنار
سوکھے ہوئے کھڑے ہیں درختانِ میوہ دار
کیاری میں خاک دھول روش پر اُڑے غبار
ایسی خزاں کے ہاتھوں ہوئی ہے بہار بند
دیکھے کوئی چمن تو پڑا ہے اُجاڑ سا
غنچہ نہ پھل نہ پھول نہ سبزہ ہرا بھرا
آواز قمریوں کی نہ بُلبل کی ہے صدا
نہ حوض میں ہے آب نہ پانی ہے نہر کا
چادر پڑی ہے خشک تو ہے آبشار بند

نظیرؔ اکبرآبادی

۲۹- گرمی کا موسم

آج کل کچھ گرم ایسا ہو گیا ہے آفتاب
آ رہا ہے یاد لوگوں کو قیامت کا عذاب
جس کو دیکھو اپنے بستر پہ پڑا ہے بیقرار
بے بسی میں لے رہا ہے کروٹیں سیمابِ وار

ہے کسی مضطر کے سر پر تولیہ بھیگا ہوا — دے رہا ہے کوئی منہ پر اپنے چھینٹا آب کا
ہے کسی تفتہ جگر کو ٹھنڈے پانی کی تلاش — برف کی رکھے ہوئے ہے کوئی منہ میں تر قاش
آگ کی مانند پنکھے سے نکلتی ہے ہوا — بادکش کو شعلہ کش گرمی نے بالکل کر دیا
راستے میں دھوپ کے جو پڑ گیا پامال ہے — تاب دوزخ سے مشابہ ہے یہ لو کا حال ہے
لو کے معمولی تھپیڑے میں نکل جاتا ہے دم — ایسی حالت میں کوئی باہر نکالے کیا قدم
ہو گئی ہے جان کو ہر وقت کی آندھی عذاب — گرد کے مارے نظر آتا ہے سارا گھر خراب
آسماں پہ یاالٰہی آگ کیسی لگ گئی — ہوتی رہتی ہے جو یوں بھوبل کی بارش گھڑی گھڑی
شدت گرمی سے سونا ہو گیا قطعاً حرام — دیکھئے ہوتا ہے کب تک اس بلا کا اختتام
کیا کہیں کس بیقراری سے بسر ہوتی ہے رات — لو کی آفت سے نہیں اس وقت بھی ملتی نجات
ہو نہیں سکتا ہے اس آفت میں دنیا کاروبار — موسم باراں کا بیحد ہو رہا ہے انتظار

دیکھیں ہادی کب بدلتا ہے فلک کا انتظام
دیکھیں کب لاتی ہے بارش زندگانی کا پیام

ہادی

۳۰ - گرمی کا موسم

کوسوں کسی شجر میں نہ گل تھے نہ برگ و بار — ایک ایک نخل جل رہا تھا صورت چنار
ہنستا تھا کوئی گل نہ لہکتا تھا سبزہ زار — کانٹا ہوئی تھی پھول کی ہر شاخ باردار

گرمی نہ تھی کہ زیست سے دل سب کے سرد تھے
پتے بھی مثل چہرۂ مدقوق زرد تھے

تیر اُٹھتے نہ تھے دھوپ کے مارے کچھار سے | آہو نہ منھ نکالتے تھے سبزہ زار سے
آئینہ مہر کا تھا مکدر غبار سے | گردوں کو تپ چڑھی تھی زمیں کے بخار سے

گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر
بھن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر

انیس

۳۱- سیرِ کشمیر

سبزۂ و نسرین و گل کی سرزمیں کہتا ہے
صفحۂ گیتی پہ یا خلدِ بریں کیے لیے

فی المثل تختہ زمرد کا ہے واں اک سبزہ زار | سایۂ فگن اس طرح ہیں جیسے ہوا اس پر غبار
جھیل کے چاروں طرف جس طرح آتے ہیں نظر | زیر و بالا اونچے نیچے گھر قطار اندر قطار
تھی بنانے سے غرض تیرے یہ ای باغِ نسیم | باغِ جنت کا نہ انساں کو رہے کچھ انتظار
چوٹیاں پربت کی ہیں یوں برف میں لپٹی ہوئی | جابجا گویا کھڑے ہیں دیو اور جن پہرہ دار
ان کی رفعت اور بلندی کی نہیں کچھ انتہا | سینۂ گردوں سے گویا اب نکل جائینگی پار

روزِ روشن میں جب ان کا جھیل پہ پڑتا ہے عکس
نقرئی پانی کی اس کے پھر کوئی دیکھے بہار

جنت اے کشمیر کوئی تجھ سی دنیا میں نہیں
تو نہیں دیتا بھٹکنے اپنے طالب کو کہیں

ہر چمن یاں پھول سے اور پھل سے مالا مال ہے
ہر چمن میں یاں مہیا ہیں مکاں بہرِ مکیں

ان مکانوں اور خیابانوں سے جب آگے بڑھے
پھر وہ عالم ہے جہاں غیر از خموشی کچھ نہیں

جیسے ہوتا ہے ابد پر وقت جا کر منتہی
ختم ہو جاتی ہے دنیا بھی یہاں آ کر وہیں

یعنی اقلیمِ ابد اور یہ جہانِ خامشی
خاتمت انساں کی حد ہیں پر دونوں کہیں

طرفہ سناٹا ہے ان سنسان کوہستان پر
جس کی دنیا میں نہیں تمثیل کوئی دلنشیں

ہیں سراسر ناپدید آثارِ انسانی یہاں
منہ لپیٹے ہیں پڑے اسرارِ یزدانی یہاں

حالی

۳۲ - ڈیرہ دون کی سیر

یہیں بہار کا پہلے پہل ہوا تھا شگون
عجیب خطۂ دلکش ہے شہر ڈیرہ دون

تمام شہر ہے گرد و غبار سے خالی
جدھر نگاہ اُٹھے اُس طرف ہے ہریالی

گھنے درخت ہری جھاڑیاں نمی شاداب
لطیف سرد ہوا پاک صاف چشمۂ آب

طلسم حسن کا ہے بیچ میں یہ گلدستہ
کھڑے ہیں کوہ شجر پہلوؤں میں صف بستہ

یہاں جو آ کے مسافر قیام کرتے ہیں
یہ سنتری انھیں پہلے سلام کرتے ہیں

جو دُور جا بیٹے بستی سے اور ہی ہے سماں
یہ سوچتا ہے پہاڑوں کو دیکھ کر انساں

بشر پہ رُعب یہ قدرت کا چھا گیا کیسا
یہ بل زمین کی تیوری پہ آ گیا کیسا

بس ایک عالمِ ہُو چار سمت طاری ہے
نہ شور و شر ہے نہ دنیا کی آہ و زاری ہے

فضائے کوہ میں ایسی ہوا سماتی ہے
بشر کی رُوح کو راحت کی نیند آتی ہے

اثر دکھاتا ہے قدرت کا نغمۂ دل گیر
شجر حجر سے ٹپکتی ہے راگ کی تاثیر

یہ راگ وہ ہے جو مضراب کا اسیر نہیں
یہ صرف کان کے پردوں میں گوشہ گیر نہیں

وہی سُنے گا اسے دل گداز ہے جس کا
ہو دل میں سوز تو رگ رگ میں ساز ہو جس کا

یہ راگ مجھ میں سمایا سرور سے ہو کر
ہوس تھی رُوح کو مل جائے ایسے ہو کر

چکبست

۴۳ - شیلانگ اور کلکتہ

رُخصت اے شیلانگ اے رشکِ گلستانِ ارم
کر چکے تیری فضائے جاں فزا کی سیر ہم
اب کہاں دیکھیں گے تیرے آبشاروں کی بہار
کر سکیں گے اب نظارے کب ترے چشموں کے ہم
ٹھنڈی ٹھنڈی یہ ہوائیں اب کہاں ہوں گی نصیب

اب کہاں ہو گی میسّر یہ نسیمِ صبح دم
اب کہاں گرمی کے موسم میں یہ سردی کی بہار
لوٹ کر آ جائے جس سے جسم میں مُردہ کے جاں
اب کہاں مُرغانِ خوش الحاں کے دلکش چہچہے
جن کو سن کر دل سے ہو جاتے تھے سب پرّاں الم
اب نظر ہر دم نہ آئے گی یہ رُت برسات کی
اب نہ دیکھیں گے برستا رات دن ابرِ کرم
گو جُدا شیلانگ سے ہم ہو رہے ہیں بے نشاط
چھوڑے جاتے ہیں مگر دل کو یہیں بے اختیار

مرتے دم تک دل لئے یہ باتیں نہ جائینگی کبھی
ہم کو بھولیں گی نہ یہ دن اور نہ یہ راتیں کبھی

تجھ سے رُخصت ہو کے اے شیلانگ جاتے ہیں جہاں
شہر ہے بے شک اس میں پر نہیں کچھ اپنی ذات
لیکن اُن کی نظروں میں جچتا ہے کوئی اور کب
کعب گیا ہو جن کی آنکھوں میں فقط تیرا سماں
گو فلک سے ٹکریں کھاتے ہیں اس کے قصر و بام
چوٹیوں کو تیری پا سکتے ہیں وہ لیکن کہاں

نعمتیں دُنیا کی گو اس میں مہیا ہیں تمام
لیکن آئیں گی کہاں یہ قدرتی دلچسپیاں
گو وہاں ہیں ڈھیر میووں کے کہاں لیکن یہ بات
لُطف دیتی ہیں جو پیڑوں پر تری نارنگیاں
گرد گرمی میں وہاں برسات میں کیچڑ کا زور
رستہ چلنا بھی تو ہو جاتا ہے راہِ ہفتخواں
دھوپ ایسی تیز پڑتی ہے کہ کالے ہوں ہرن
رہتی ہیں جاری پسینہ کی بدن سے ندّیاں
اِس غضب کی پیاس لگتی ہے کہ بجھتی ہی نہیں
چاہیے پانی کا بنائے پیٹ میں کوئی کنواں
ہیضے صاحب کا بھی ہوتا ہے وہاں اکثر نزول
نذرِ جن کی سیکڑوں ہو جاتے ہیں پیر و جواں
اتفاقاً آ نکلتے ہیں کبھی مسٹر پلیگ
جن کی صورت دیکھ کر اُٹھتا ہے شورِ الاماں
اُٹھتے رہتے ہیں ہمیشہ فتنہ و شر و فساد
آتی ہی رہتی ہے ہر دم ایک بلائے ناگہاں
اس قدر قانون کی پابندیوں کا ہے خیال

پانوں میں انسان کے پڑتی ہیں اکثر بیڑیاں
راحتیں تھوڑی اگر ہم کو میسر ہو بھی جائیں
پائیں گے شیلانگ تیری سی کہاں آزادیاں
گو یہ تکلیفیں ہیں کلکتہ کی سب پیشِ نظر
ہیں مگر مجبور کر سکتے نہیں کچھ این و آں
وقتِ رخصت گو نہیں اُٹھتے اُٹھائے سے قدم
ہو رہے ہیں پیٹ کی خاطر یہاں سے ہم رواں
گو جدا ہوتا ہے تجھ سے زندگی بھر کو نشاط
نام تیرا ہی رہے گا عمر بھر وردِ زباں
مرتے دم تک دل سے جائیں گی نہ یہ باتیں کبھی
ہم کو بھولیں گی نہ یہ دن اور نہ یہ راتیں کبھی

نشاط

۴۴ - دھان کے کھیت

اے تختۂ دلکش تری رنگت یہ ہری ہے
یا قاف کے پردہ میں کوئی سبز پری ہے
مخمل کا کوئی فرش مکلف یہ بچھا ہے
یا قدرتِ صانع کی انوکھی سبزی ہے
دیکھے ہیں چمن بیسیوں گلزار ہزاروں
پر تازگی ایسی نہ یہ خوبی نہ تری ہے

آجاتی ہے جس وقت نسیمِ صحت افزا — جنبش وہ تری وہ خورِ غائر نظری ہے

کیا شان ٹپکتی ہے ترے حسن سے اس دم — کیا لہرے پیدا تری آبِ خضری ہے

نزہت ہے تری تازگیِ چشمِ تمنا — گودی تری گلہائے مقاصد سے بھری ہے

پکنے کے لئے دھان کی کھیتی ہے تمام — خرمن میں نہاں تیرے صدا آسودہ گری ہے

خشکی ہے تری قہرِ الٰہی کی علامت

افلاس ہے ادبار ہے دریوزہ گری ہے

شہاب الدین خان صاحب

۳۵- پہاڑی ندی کا گیت

ندی ہوں یا نالا ہوں میں — آفت کا پرکالا ہوں میں

نکلی ہوں کہسار کے لب سے — مجھ میں ہیں انداز غضب کے

کچھ تو بلندی پست ہوئی ہے — آبادی کچھ دشت ہوئی ہے

زور پہ اپنے جو اتر آئے

ہاں وہ میری زد پہ آئے

مدت سے میں خشک پڑی تھی — ریت کے نیچے چھپی لیٹی

پھر موسم برسات کا آیا — دَل بادل کہسار پہ چھایا

ہاں وہ ٹپ ٹپ بوندیں آئیں — خوش خبری سیلاب کی لائیں

لے اپنی تقدیر کے صدقے
اب تو موسلا دھار ہی برسے

کوئی ہے جو سامنے آئے — مجھ سے آ کر ہاتھ ملائے
کشتی مجھ پہ چل کے دیکھے — سینہ میرا دَل کے دیکھے
گرچہ میں ایک قہرِ خدا ہوں — آفت ہوں سیلابِ فنا ہوں

مجھ سے ہے سیرابی ساری
ہر سو میرا فیض ہے جاری

محمد شہاب الدین

۳۶ - لبِ آبجو

یہ فروغِ مہرِ تاباں — کہ چمک رہی ہیں کرنیں
لبِ آب ہیں یہ ساماں — کہ تڑپ رہی ہیں موجیں

ہے نظر کو ایک حیرت

لبِ جُو یہ سبزہ و گل — کہ ہے دلفریب منظر
یہ مہک رہی ہے سنبل — کہ دماغ ہے معطر

چلی آ رہی ہے نکہت

کہیں پھول ہیں کنول کے — کہیں نیلگوں ہے پانی

یہ ہوا کے سرد جھونکے | یہ حباب کی روانی
کسی مستِ مے کی صورت

یہ ہوائے روح پرور | کہ درخت ہل رہے ہیں
یہ کنارِ آب منظر | کہ شگوفے کھل رہے ہیں
کہ ہے دل کو جس سے فرحت

کہیں شاخوں پر ہیں طائر | کہیں اُن کے آشیانے
یہ نسیم کیف آور | یہ طیور کے ترانے
ہیں پیامِ خوابِ راحت

سفیر

۳۷- کاش میں بُلبُلِ چمن ہوتا

کاش میں بُلبُلِ چمن ہوتا | غنچہ و گُل پہ نغمہ زن ہوتا
عارضِ گل کو چومتا پھرتا | صحنِ گلشن میں گھومتا پھرتا
دیکھتا میں ادائیں پھولوں کی | خوب لیتا بلائیں پھولوں کی
خندۂ گُل پہ لوٹ جاتا میں | آپ میں مشکلوں سے آتا میں
صحبتِ گل میں رات بھر رہتا | مست نکہت میں تا سحر رہتا
شام سے صبح صبح سے تا شام | دید گُل کے سوا نہ ہوتا کام

شاہد گل کی بزم آرائی ۔۔۔ اور وہ میری نغمہ پیرائی
لحن دلکش میں یہ غزل گاتا
گل کی نظروں میں بس سما جاتا

اے گل اے مایۂ وقارِ چمن ۔۔۔ طرۂ فرق افتخارِ چمن
ختم ہے تجھ پہ صنعتِ صانع ۔۔۔ بے بدل ہے تو اے نگارِ چمن
خوبرو کون سا ہے تیرے سوا ۔۔۔ نازپروردہ کنارِ چمن
شانِ شاہی خدا نے بخشی ہے ۔۔۔ بے گماں ہے تو تاجدارِ چمن
مخملی تیرا فرش پا انداز ۔۔۔ جس کو کہتے ہیں سبزہ زارِ چمن
پنکھا جھلتی ہے آ کے بادِ نسیم ۔۔۔ پاؤں دھوتی ہے جوئبارِ چمن
ہے ترا چاکرِ درِ دولت
سرو آزاد پاسدارِ چمن

محمود

۳۸ - بہارِ چمن

آسماں پر تھی شفق چھائی ہوئی ۔۔۔ ہو گیا تھا وقت بالکل شام کا
ہر طرف تھا قدرتِ حق کا ظہور ۔۔۔ ہر طرف تھا ڈھیر پھولوں کا لگا
تھا کسی گوشہ میں داؤدی کا زور ۔۔۔ تھا کہیں گملوں میں مربیا کھلا

اک طرف تھی اثرِ شبنم کی بہار — ایک جانب دیدۂ نرگس تھی وا

جس قدر دنیا میں ہو سکتے ہیں رنگ — فصلِ گل نے کر دیا تھا ایک جا

دیکھ کر قدرت کی یہ رنگینیاں — دل میں ہر چڑیا کے تھا اک ولولا

چہلیں کرتی پھر رہی تھیں ہر طرف — ایک جا چپ بیٹھنا دشوار تھا

کہہ رہی تھیں قمریاں حق سرہٗ — پی کہاں کی تھی پپیہوں میں صدا

نالۂ دل دوز کوئل کا کہیں — سن کے تھا بیتاب یہ قلبِ مبتلا

گل پہ صدقے ہو رہی تھیں بلبلیں — اٹھ رہا تھا کامرانی کا مزا

بے قرارِ آرزو ہو کر کہیں — گا رہی تھیں طوطے شیریں نوا

پھر رہے تھے مست بھونرے ہر طرف — آ رہی تھی بھنبھناہٹ کی صدا

پھولوں کو گھیرے ہوئے ہر سمت سے — تتلیوں کا خوبصورت جھنڈ تھا

دیکھ کر قدرت کی یہ صناعیاں
بحرِ حیرت میں تھا میں ڈوبا ہوا

ناگہاں دیکھا کہ تھوڑی دور پر — ایک ٹکڑا لان کا تھا خوشنما

اس کی سبزی کی میں حالت کیا کہوں — فرشِ مخمل کو بھی اس پر رشک تھا

ایک کرسی پر درختوں کے قریب — ق — ایک بت خورشید رو شیریں ادا

جلوہ آرا تھی عجب انداز سے — اللہ اللہ حسن کا کیا رعب تھا

جسم پر ساری تھی دھانی رنگ کی — ریشمی فیتہ تھا گرد اس کے ٹکا

سادگی میں اُس کے تھے لاکھوں بناؤ
کوئی زیور جسم پر بھاری نہ تھا

ناک میں تھی خوشنما ہلکی سی کیل
کان میں تھا صرف اک بندا پڑا

تھیں کلائی میں سُنہری چوڑیاں
موتیوں کا اِک گلے میں ہار تھا

رنگ رخسار کا اس کے کیا کہوں
تھا صباحت میں ملاحت کا مزا

بائیں رُخ پر اِس کے اک چھوٹا سا تل
کر رہا تھا کام بالکل سحر کا

سو تواں تھی ناک پتلے پتلے ہونٹ
تھی لڑی موتی کی دانتوں پر فدا

گا رہی تھی کچھ دبی آواز میں
جس کی لے میں تھا عجب جادو بھرا

دیکھ کر ہادی یہ حُسن و سادگی
شوق کا میرے عجب عالم ہوا

ہادی

۳۹- پھولوں کی بہار

دے رہی ہے لطف گُل مہندی کی ہر جانب قطار
اس کی ہر ہر شاخ پر ہیں پھول بیحد بے شمار

سُرخ ہے کوئی گلابی ہے کوئی، نیلا کوئی
چھوٹی چھوٹی چتیاں ہیں بعض پھولوں پر پڑی

ایک جانب پھول گیندے کے کھلے ہیں زرد زرد

جن کے آگے رنگ سونے کا بھی ہو جاتا ہے گرد

اِس کی خوشبو سے معطّر دامنِ گلزار ہے
پھول یہ چنپا کا ہے یا طبلۂ عطّار ہے

دیکھ کر بشاش ہو جاتا ہے قلبِ پُر محن
پھول گُڑھل کا ہے یا آویزۂ گوشِ چمن

محوِ حیرت ہے لطافت دیکھ کر رنگِ گلاب
یہ وہ گُل ہے جس کا مل سکتا نہیں ہرگز جواب

حسن میں ڈوبی ہوئی ہے اس کی ہر ہر پنکھڑی
اِس کی خوشبو ہے مشامِ آرزو کی زندگی

صبح کو اس کے لئے کیا کیا ترستی ہے نسیم
کیا قیامت ہے گُلِ شبّو کی جاں پرور شمیم

یا الٰہی ان میں یہ باتیں کہاں سے آگئیں
دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے چشمِ نکتہ بیں

ھادی

۴۰۔ گلاب کا پھول

ہر ایک پھول سے اعلیٰ ہے یہ گلاب کا پھول
کہاں چمن میں ہے اس کے کوئی جواب کا پھول

ریاضِ دہر میں نخلِ طربِ نایاب کا پھول
بجا ہے اس کو کہیں ہم اگر شباب کا پھول

کہ بادشاہ ہے پھولوں کا یہ گلاب کا پھول
نہ دیکھا ہم نے کوئی ایسی آب و تاب کا پھول

خدا نے دی ہے اسے کیا ہی خوشنما صورت — عیاں ہے جس سے ہر ایک اس کا جلوۂ قدرت
دلوں کو مست کئے دیتی ہے وہ ہے نکہت — کہاں گلوں کو میسر یہ روپ یہ رنگت

کہ بادشاہ ہے پھولوں کا یہ گلاب کا پھول
نہ دیکھا ہم نے کوئی ایسی آب و تاب کا پھول

ہزار پھول ہیں پر سب سے یہ نرالا ہے — اسی کا گلشنِ عالم میں بول بالا ہے
گلاب چین ہے سورج مکھی ہے لالہ ہے — مگر گلاب کہیں مرتبہ میں اعلیٰ ہے

کہ بادشاہ ہے پھولوں کا یہ گلاب کا پھول
نہ دیکھا ہم نے کوئی ایسی آب و تاب کا پھول

چمن میں صبح کو آتی ہے جب نسیم بہار — بلائیں لیتی ہے منھ چوم چوم کر ہر بار
نثار کرتی ہے شبنم بھی گوہرِ شہوار — دعائیں دیتی ہیں سب بلبلیں ہزار ہزار

کہ بادشاہ ہے پھولوں کا یہ گلاب کا پھول
نہ دیکھا ہم نے کوئی ایسی آب و تاب کا پھول

دل و دماغ کو بھینی بھینی بھاتی ہے — اسی شمیم سے بوئے بہشت آتی ہے
شگفتگی بھی دلکش فضا دکھاتی ہے — طراوت آنکھوں میں دل میں سرور لاتی ہے

کہ بادشاہ ہے پھولوں کا یہ گلاب کا پھول
نہ دیکھا ہم نے کوئی ایسی آب و تاب کا پھول

۴۱۔ گلاب کا پھول

ہے عجب دلربا گلاب کا پھول — ہے عجب خوشنما گلاب کا پھول

سارے پھولوں کا ہے یہی سرتاج — صحنِ گلشن میں ہے اسی کا راج

غور کرنے پہ ہم اگر آئیں — سینکڑوں قسمیں اس کی گنوائیں

مختصر ہے کوئی کوئی ہے بڑا — ایک کا رنگ دوسرے سے جدا

سرخ کوئی کوئی گلابی ہے — ہلکا ہلکا سا کوئی آبی ہے

ہے کسی گل کا زرد زرد لباس — شربتی جامہ ہے کسی کے پاس

اس کے رنگوں میں جو لطافت ہے — اس سے ظاہر خدا کی قدرت ہے

ہے عجب بات اس کی صورت میں — دیکھ کر جس کو دل ہے حیرت میں

بلبلیں اس کو پیار کرتی ہیں — اس کی ہر ہر ادا پہ مرتی ہیں

ناز کرتی ہے اس پہ فصلِ بہار — اس کی خوشبو سے مست ہے گلزار

اس کی ممنون ہے نسیمِ بہار — ہے چمن کا اسی کے دم سے وقار

اس کی پیاری ادا پہ مرتے ہیں — اس کا بھونرے طواف کرتے ہیں

اس کے جوہر میں کیا لطافت ہے — عطر اس کا غضب ہے آفت ہے

پر اثر اس کی ذات سے ہے دوا — اس میں پنہاں ہے ہر طرح کی شفا

الغرض کچھ عجیب چیز ہے یہ — سب کو واقعی بہت عزیز ہے یہ

سب اداؤں پہ اس کی مرتے ہیں | اس کی سب دل سے قدر کرتے ہیں
ہے دعا اس کی حق میں اے مولا | اس کو چھیڑے کبھی نہ بادِ فنا

اس کا کوئی نہ ہو جہاں میں رقیب
دستِ گلچیں نہ آئے اس کے قریب

ہادی

۴۲ - بیلا

کس قدر دلفریب ہے بیلا | خوشنما دل پذیر البیلا
ہے بھرا اس کی ذات سے گلزار | دیدنی شام کو ہے اس کی بہار
اس کا پودا فلک سے برتر ہے | اس کا ہر پھول رشکِ اختر ہے
شوق سے اس کو توڑ لاتے ہیں | لوگ ہمدم لیے تباتے ہیں
حسن افزائے مہ جبیناں ہے | رونقِ محفلِ حسیناں ہے
اس سے پاتے ہیں تقویت ارماں | بزمِ عشرت کی ہے یہ روحِ رواں
بوئے خوش اس کی دل کو بھاتی ہے | تازگی اس سے روح پاتی ہے

اس کا رنگِ صبیح آفت ہے
اس کی صورت خدا کی قدرت ہے

ہادی

۴۳ - جوہی

پیاری جوہی تجھے خدا کی قسم — تجھ میں ہے کس کے حسن کا عالم
تجھ میں کس شوخ کی صباحت ہے — کس کی زلفوں کی تجھ میں نکہت ہے
تازگی تو نے کس کی پائی ہے — تو یہ صورت کہاں سے لائی ہے
باغ آباد ہے ترے دم سے — تیری خوبی جدا ہے عالم سے
باغ سے تجھ کو توڑ لاتے ہیں — لوگ سر پہ تجھے بٹھاتے ہیں
ناز بردار ہیں حسیں تیرے — خود طلبگار ہیں حسیں تیرے
جب تجھے آنکھوں سے لگاتے ہیں — تمکنت ساری بھول جاتے ہیں

گو سمجھتے ہیں ہم رقیب ہے تو
پھر بھی دلکش ہے خوش نصیب ہے تو

ہادی

۴۴ - کنول کا پھول

تو وہ چراغ ہے جس کو فروغ آب میں ہے — غضب کا قہر تری چشم نیم خواب میں ہے
عجب بہار ترے حسنِ لاجواب میں ہے — نہ یاسمن میں نزاکت نہ یہ گلاب میں ہے

ہر ایک پھول سے انداز ہے جدا تیرا
کہ دل نشین ہے عجب کچھ پُر فضا تیرا

لبِ نسیمِ سحر پہ ہے گفتگو تیری
کشاں کشاں لئے پھرتی ہے جستجو تیری

ہزار دل سے ہے بھونرے کو آرزو تیری
کہ مست رکھتی ہے صہبائے خوش گلو تیری

فضائے آب میں سرمست جام ہے تیرا
شہیدِ لذتِ شربِ مدام ہے تیرا

ترے چراغ پہ پروانہ وار گرتا ہے
وفورِ شوق سے بے اختیار گرتا ہے

بلائیں لیتا ہے ہو کر نثار گرتا ہے
قریب آ کے ترے بار بار گرتا ہے

یہ بیخودی یہ پر و دل کی تپش یہ سرعتِ شوق
ذرا سے کیڑے میں یہ ہمت یہ بالیدگیٔ وسعتِ شوق

یہ دھیمی دھیمی فغاں اور یہ ناشکیبائی
یہ جوشِ دردِ محبت یہ نالہ فرسائی

یہ آستاں پہ ترے شوق ناصیہ سائی
یہ تیرے کنج میں دن بھر نسیم پیمائی

سوادِ شب میں بھی دھن ہے ترے شبستاں کی
مگر تلاش کسی کی ہے حسنِ پنہاں کی

شاکرؔ

۴۵ - اکبر

بارے آموں کا کچھ بیاں ہو جائے
خامہ نخلِ رطب فشاں ہو جائے

نظر آتا ہے یوں مجھے یہ ثمر
کہ دوا خانۂ ازل سے مگر

آتشِ گُل پہ قند کا ہے قوام — شیرے کے تار کا ہے ریشہ نام

یا یہ ہوگا کہ فرطِ راحت سے — ق — باغبانوں نے باغِ جنت سے

انگبیں کے بحکمِ ربُّ الناس — بھر کے بھیجے ہیں سر بمہر گلاس

یا لگا کر خضر نے شاخِ نبات — مدتوں تک دیا ہے آبِ حیات

تب ہوا ہے ثمر فشاں یہ نخل — ہم کہاں ورنہ اور کہاں یہ نخل

تھا ترنجِ زر ایک خسرو پاس — رنگ کا زرد پر کہاں بُو باس

آم کو دیکھتا اگر اک بار — پھینک دیتا طلائے دست افشار

رونقِ کارگاہِ برگ و نوا — نازشِ دودمانِ آب و ہوا

رہروِ راہِ خُلد کا توشہ — طوبیٰ و سدرہ کا جگر گوشہ

صاحبِ شاخ برگ و بار ہے آم

نازپروردۂ بہار ہے آم

غالب

۴۶ - انبہ

شاہ نے دیں آم بھری کشتیاں — بحرِ عطا کیا ہی ہوا موجزن

کشتیوں میں آم ہیں جو رنگ رنگ — داغ کا گھر آج ہے رشکِ چمن

سُرخ میں ہے لالہ رُخوں کی بہار — سبز میں ہے سبز خطوں کی پھبن

زرد ہیں ہے رنگِ گل زعفراں | کیری پوشوں کی ہے اک انجمن
ایسے کہاں پریوں کے پر سبز سبز | ایسے کہاں حور کے سیب ذقن
سونگھ کے ہو جائے معطر دماغ | غنچہ پہ اُن کے ہے گُمانِ ختن
گر کبھی ان آموں کا رس چوس لیں | چھوٹ ہی جاتا کریں شیریں دہن
انبہ شیریں جو اسے ہو نصیب | نام بھی شیریں کا نہ لے کوہکن
سینکڑوں قسمیں اسی میوے کی ہیں | پھر ہے یہ افراط کہ لاکھوں ہی من
واقعی ان آموں کی تعریف میں | کم ہیں جہاں تک کہیں اہلِ سخن

مجھ کو یہ مصرع بہت آیا پسند
انبتہ اللہ نباتاً حسن

داغ

۴۷ - انبہ

کیوں نہ درختوں پہ ہو وہ سربلند | اس کا ہے پھل شاہ و گدا کو پسند
ہند کے سب میووں کا سردار ہے | رونقِ ہر کوچہ و بازار ہے
جو صفاہانی اسے اِک بار کھائے | میوے صفاہان کے سبھی بھول جائے
اور مٹھائی جو کبھو اک ذرہ سی | کھائیے اک بار تو بھر جائیے جی
آم میں ہے ایک حلاوت عجب | رہتی ہے اس کی تو ہمیشہ طلب

پیٹ بھرے جی نہ پر اس سے بھرے　　آدمی پھر کھائے نہ تو کیا کرے
ہوتا ہے شیریں تو بہت پال کا　　لیکے ہے ٹپکے کا بھی طرفہ مزا
میووں میں ہے فوقیت اس کے تئیں　　باغ میں پھر کیوں نہ ہو بالا نشیں
شوخ یہ سندوریئے کا رنگ ہے　　سیب سمرقند بھی یاں دنگ ہے

میووں میں ہے بس وہی ہر دلعزیز
سیب غلام اُس کا، بہی ہے کنیز

۴۸۔ جونپوری خربزہ

سردے کابل کے کھا کے دیکھے　　چیلے بھی لکھنؤ کے چکھے
پر دونوں پہ جونپور کے پھل　　ہر طرح ہیں ذائقے میں افضل
کھائے ایک قاش تو ہوں لب بند　　پہنچے گا نہ اس مٹھاس کو قند
بھینی بھینی وہ میٹھی خوشبو　　ہو تازہ دماغ ایسی خوشبو
مرکز ہے بشیر پور مشہور　　ہے شہر سے یہ مقام کچھ دور
اس کاشت کو ہے زمیں یہ اکسیر　　یا آب و ہوا کی کہئے تاثیر
اک کھیت کا ہے عجیب پانی　　جذب اس میں آبِ زندگانی
کھیرا اور ککڑی پہ چھا گیا ہے　　شکل ایک، مگر مزے جدا ہیں

صورت کو نہ دیکھئے پھلوں کی ۔۔۔ سیرت کی ملاحظہ ہو خو بی
صورت تو نہیں ہے خوبصورت ۔۔۔ سیرت کی فقط ہی قدر و قیمت

جو لطف مزے ہیں کہئے کس سے
چکھے جو کوئی تو یاد رکھے

حفیظ جونپوری

۴۹- ہاتھی

اس کی گجگاہ کی اللہ رے چہرے پہ لٹک ۔۔۔ کہکشاں جوں شب یلدا میں نمایاں بہ فلک
بیٹھنے میں ہے وہ کوہ اُٹھنے میں ہے ابر سیاہ ۔۔۔ عرش رفعت میں ہی چلنے میں ہی جوں چرخ اتھک
شجرِ طور کا چہرے پہ ہو اِس کے جلوہ ۔۔۔ رنگیں تر ہیں کیلئے جس گھڑی اس کا مستک
جھول پر اس کی ستاروں کا کہوں میں کیا حسن ۔۔۔ تارے جس طرح رہیں رات اندھیری میں چمک
لے کے خرطوم میں زنجیر پھرا دے وہ اگر ۔۔۔ اس کے دانتوں کو یہ سمجھے جو کوئی ہو زیرک
لیلیٰ نے ہاتھ نکالے ہیں سیہ خیمے سے ۔۔۔ ملنے کو مجنوں سے سُن سلسلۂ پا کی جھنک
روز میداں اسے دیکھو تو دلاور اتنا ۔۔۔ سر کے واں نہ ہے نہ جہاں سے کہ زمیں جائے سرک
چرخی کیا چیز ہے لاوے وہ جسے خاطر میں ۔۔۔ بان بجلی کی کڑک کا کبھی پہنچے اس تک
چلبلے وہ تو ڑ کے جوں نیشکر اس کی جڑ کو ۔۔۔ پاؤں کھجلانے لگے سونڈ ہی پے کر یوں لک
بے تکان ایک قدم اس کا ہی چلا دا جیسے ۔۔۔ جھرمیں ابر کے سایہ سے ہو سایہ کی ڈھلک

اِس قدر ہے وہ سُبک رو کہ کبھی چلتے وقت
پاؤں کی اس کی دِل مور کو پہنچے نہ دھمک

سوداؔ

۵۰- اونٹ

اونٹ تو ہے بس حلیم و خوش خصال
تربیت میں چھوٹے بچّوں کی مثال

تیری پیدائش رفاہِ عام ہے
آدمی کے حق میں اک انعام ہے

لق و دق صحرا میں یا میدان میں
یا عرب کے گرم ریگستان میں

سایہ افگن ہے نہ واں کوئی چٹان
سرد پانی کا نہ دریا کا نشان

چلچلاتی دھوپ ہے اور چپ ہُوا
واں پرندہ بھی نہیں پر مارتا

تو وہاں کے مرحلے کرتا ہے طے
دن بدن اور ہفتہ ہفتہ پے بہ پے

قیمتی اشیاء ہیں تیری پشت پر
تاجروں کا ریشم اور شاہوں کا زر

تو وہ تودہ تیرے اوپر لد رہا
ہے بھرا گویا جہازِ پُر بہا

چند ہفتے جب کہ جاتے ہیں گزر
اور تھکا دیتا ہے راکب کو سفر

اونٹ گھبراتا نہیں تو بار سے
دیکھتا ہے اس کی جانب پیار سے

گویا کہتا ہے کہ اے میرے سوار
ایک دن تو اور بھی ہمت نہ ہار

ہاں نہ ہو بے دل نہ دے ہمت بھٹک
صاف سرچشمہ ہے آگے دھر لپک

مجھ کو آتی ہے ہولئے بوئے آب | نا اُمیدی سے نہ کر تو اضطراب
اونٹ تو کرتا ہے اس کی رہبری | یوں بنا دیتا ہے راکب کو جری
آخرش منزل پہ پہنچاتا ہے تو | اور سوکھے خار و خس کھاتا ہے تو
صبر سے کرتا ہے طے راہِ دراز | سچ کہا ہے تو ہے خشکی کا جہاز

الغرض تو ہے حلیم و خوش خصال
تربیت میں چھوٹے بچوں کی مثال

اسمٰعیل

۵۱- گھوڑا

نازک مزاج نسترن اندام تیز رو | گردوں مسیر بادیہ پیما و برق دو
اس کا نہ اک قدم نہ زغندِ ہرن کی سو | دو روز سے نہ کاہ ملی تھی اسے نہ جو

رفتار میں ہوا تھا اشارے میں برق تھا
سُرعت میں کچھ کمی نہ تھی چھل بل میں فرق تھا

سمٹا، جما، اُڑا، اِدھر آیا، اُدھر گیا | چمکا، پھرا، جمال دکھایا ٹھہر گیا
تیروں سے اُڑ کے برچھیوں میں بکھر گیا | برہم کیا صفوں کو پرے سے گزر گیا

گھوڑوں کا تن بھی ٹاپ سے اُس کے فگار تھا
ضربت تھی نعل کی کہ نمرد ہی کا وار تھا

وہ جست و خیز و سرعت و چالاکیِ سمند — سانچے میں تھے ڈھلے ہوئے سب اس کے جوڑ بند
سم قرصِ ماہتاب سے روشن ہزار چند — نازک مزاج و شوخ و سیہ چشم و سربلند
گر پل گئی ہوا سے ذرا باگ اُڑ گیا
پتلی سوار کی نہ پھری تھی کہ مڑ گیا

آہو کی جست شیر کی آمد پری کی چال — کبکِ دری خجل دلِ طاؤس پائمال
سبزہ سُبک روی میں قدم کے تلے نہال — اِک دو قدم میں بھول گئے چوکڑی غزال
جو آ گیا قدم کے تلے گرد برد تھا
چھل بل غضب کے تھے کہ چھلاوہ بھی گرد تھا

بجلی کبھی بنا کبھی رہوار بن گیا — آیا عرق تو ابرِ گہربار بن گیا
گہ قطب گاہ گنبدِ دوّار بن گیا — نقطہ کبھی بنا کبھی پرکار بن گیا
حیراں تھے اس کے گشت پہ لوگ اس ہجوم کے
تھوڑی سی جا میں پھرتا تھا کیا جھوم جھوم کے

انیس

۵۲- گھوڑا

آہو کی آنکھ شیر کی چتون غضب کی چال — وہ بال تھے کہ حور نے بکھرا دیئے تھے بال
گردن کے خم کو دیکھ کے ہو سرنگوں ہلال — پوچھے کوئی سوار سے شائستگی کا حال

اُڑ کر زمیں تلک کبھی گردِ قدم گئی
جب بس کہا چمکتی ہوئی برق تھم گئی

جرأت میں رشکِ شیر تو ہیکل میں پیل تن — پوئی کے وقت کبک دری جست میں ہرن
بجلی کسی جگہ تو کہیں ابرِ قطرہ زن — بن بن کے آنے جانے میں طاؤس کا چلن
سیماب تھا زمیں پہ فلک پر سحاب تھا
دریا پہ موج تھا تو ہوا پر عقاب تھا

پیکاں ہیں یا کنوتیاں ہنگامِ دار و گیر — حلقے سے یوں نکلتا ہے جیسے کماں سے تیر
رو میں وہ نرم جلد وہ باریک بے نظیر — چینی پرند جس سے مقابل نہ ہے حریر
ایسی سبک روی نہیں دیکھی شتاب میں
دوڑے تو فرق آئے نہ مخمل کے خواب میں

خوش خو خوش خرام خوش اندام خوش لگام — خوش رو خوش جمال ادا فہم تیز گام
عیاں دار شوخ چشم و سعیدِ خجستہ کام — گل پوش تیز ہوش سمن گوش لالہ فام
غازی تھا سرفراز تھا عالی دماغ تھا
گویا ہوا کے دوش پہ ایک زندہ باغ تھا

چالاکیاں بھی غیظ بھی غیرت بھی جنگ بھی — بالا روی براق کے دلدل کا ڈھنگ بھی
بر میں اسد بھی بحرِ وغا میں نہنگ بھی — گھوڑا بھی شیرِ نر بھی ہرن بھی پلنگ بھی
ہے آگ کا مزاج تو سرعت ہوا کی ہے
اضداد اتنے جمع ہیں قدرت خدا کی ہے

۱.ج

۵۳ - گھوڑا

رہوارِ سبک سیر نسیمِ سحری تھا — ہم پیکرِ طاؤس دمِ جلوہ گری تھا
تن تن کے اٹھانے میں قدم کبکِ دری تھا — کاوے میں جو پرکار تو اڑنے میں پری تھا
رفتار تو کب اپنی دکھاتا تھا کسی کو
سایہ بھی نہ اس کا نظر آتا کسی کو

غصے میں وہ تن تن کے دہانے کو چباتا — اور جوشِ شجاعت میں کف منھ سے گراتا
ہر صف میں کبھی جھوم کے آتا کبھی جاتا — تلوار کی زد سے کبھی آقا کو بچاتا
ٹاپوں سے ہلتی تھی زمیں حشر بپا تھا
اس صف میں جو بجلی تھی تو اس صف میں ہوا تھا

انیس

۵۴ - مریل گھوڑا

ہے چرخ جب سے ابلقِ ایام پر سوار — رکھتا نہیں ہے دستِ عناں کا یک قرار
جن کے طویلے بیچ کئی دن کی بات ہے — ہرگز عراقی و عربی کا نہ تھا شمار
اب دیکھتا ہوں میں کہ زمانے کے ہاتھ سے — موچی سے کفش پا کو گٹھاتے ہیں وہ ادھار
تنہا دہی نہ دہر سے عالم خراب ہے
خست سے اشرفوں نے اٹھایا ہے ننگ و عار

ہینگے چنانچہ ایک ہمارے بھی مہرباں
پاوے سزا جو اُن کا کوئی نام لے نہار

نوکر ہیں سو روپے کے دیانت کی راہ سے
گھوڑا رکھیں ہیں ایک سو اتنا خراب و خوار

نہ دانہ و نہ کاہ نہ تیمار نہ سئیس
رکھتا ہو جیسا اسپ گلی طفلِ شیر خوار

ناطاقتی کا اس کے کہاں تک کروں بیاں
فاقوں کا اب میں اس کے کہاں تک کروں شمار

اس مرتبہ کو بھوک سے پہنچا ہے اس کا حال
کرتا ہے راکب اس کا جو بازار میں گزار

قصاب پوچھتا ہے مجھے کب کروگے یاد
اُمیدوار ہم بھی ہیں کہتے ہیں یوں چمار

جس دن سے اس قصائی کی کھونٹی بندھا ہے وہ
گزرے ہے اس نمط اسے ہر لیل و ہر نہار

ہر رات اختروں کے تئیں دانہ بوجھ کر
دیکھے ہے آسماں کی طرف ہو کے بیقرار

تنکا اگر پڑا کہیں دیکھے ہے تُو اس کا
چوہے کو آنکھ موند کے دیتا ہے وہ پسار

خطِ شعاع کو وہ سمجھ دستۂ گیاہ
ہر دم زمیں پہ آپ کو ٹپکے ہے بار بار

پیدا ہوئی ہے تس پہ اگن بائی اس قدر
ہرگز دروغ اس کو تو مت جان زینہار

گزرے وہ جس طرف سے کبھی اُس طرف نسیم
بادِ سموم ہوئے وہیں گر کرے گزار

دیکھے ہے جب وہ تودۂ دہقاں کی طرف
کھودے ہے اپنے سم سے کنوئیں ٹاپیں مار مار

نہ استخواں نہ گوشت نہ کچھ اس کے پیٹ میں
دھونکے ہے دم کو اپنے کہ جوں کھال کو کہار

سمجھا نہ جائے یہ کہ وہ ابلق ہے یا سُرنگ
خارشت سے زبس کہ ہے مجروح بے شمار

یہ حال اس کے دیکھ غرض یوں کہے ہے خلق
چنگل سے موذی کے تو چھڑا اسکو کردگار

ہر زخم پر زبس کہ بھنکتی ہیں مکھیاں
کہتے ہیں اس کے رنگ کو مگسی اس اعتبار

لیجاویں چور یا مرے یا ہو کہیں یہ گم
اِن تین بات سے کوئی جلدی ہو آشکار

القصہ ایک دن مجھے کچھ کام تھا ضرور — آیا یہ دل میں جائیے گھوڑے پہ ہو سوار
رہتے تھے گھر کے پاس قضارا وہ آشنا — مشہور تھا جنھوں کے وہ اسپ نابکار
خدمت میں اُن کی میں نے کیا جا یہ التماس — گھوڑا مجھے سواری کو دو اپنا مستعار
فرمایا تب انھوں نے کہ اے مہربانِ من — ایسے ہزار گھوڑے کروں تم پہ میں نثار
لیکن کسی کے چڑھنے کے لائق نہیں یہ اسپ — یہ واقعی ہے اس کو نہ جانو گے انکسار
بد رنگ جیسے لید ہو بد بو ہے جوں پشاب — بدمیں یہ کہ اصطبل ادھڑ کرے ہزار
مانند میخ چوکی لکد زن ہے تھان پر — لاجنب وہ زمیں سے ہے جوں میخ استوار
اتنا وہ سرنگوں ہے کہ سب اُڑ گئے ہیں دانت — جبڑے پہ بس کہ ٹھوکروں کی نت پڑے ہے مار

مانندِ اسپ خانۂ شطرنج اپنے پاؤں
جز دست غیر کے نہیں چلتا ہے زینہار

اِک دن گیا تھا مانگے یہ گھوڑا برات میں — دولھا جو بیاہنے کو چلا اس پہ ہو سوار
سبزے سے خط سیاہ وہیں سے ہوا سفید — تھا سرو سا جو قد سو ہوا شاخِ باردار
پہنچا غرض عروس کے گھر تک وہ نوجواں — شیخ خبیث کے درجہ سے کر اس طرف گزار

میٹھا تو اس قدر ہے وہ جو کچھ کہ تم سنا
لیکن اب ایک دن کی حقیقت کہوں میں یار

دلّی تلک آن پہنچا تھا جس دن مرہٹہ
مجھ سے کہا نقیب نے آکر ہے وقتِ کار

منّت سے کوڑیوں کو اڑایا ہر گھر میں بیٹھ
ہو کر سوار اب کرو میداں میں کارزار

ناچار ہو کے تب تو بندھایا میں اُس پہ زین
ہتھیار باندھ کر میں ہوا جا کے پھر سوار

جس شکل سے سوار تھا اُس دن میں کیا کہوں
دشمن کو بھی خدا نہ کرے یوں ذلیل و خوار

چابک تھے دونوں ہاتھ میں پکڑے تھا منہ میں باگ
ٹک ٹک سے پاشنے کے مرے پاؤں تھے فگار

آگے سے تو بڑھا اسے دکھلاتا تھا سئیس
پیچھے نقیب ہانکے تھا لاٹھی سے مار مار

ہرگز وہ اس طرح بھی نہ لاتا تھا وہ براہ
ہلتا نہ تھا زمیں سے مانند کوہسار

اس مضحکہ کو دیکھو ہوئے جمع خاص و عام
اکثر مدبروں میں سے کہتے تھے یوں پکار

پہیئے اسے لگاؤ کہ تا ہووے یہ رواں
یا بادبان باندھو پون کے دو اختیار

کہتا تھا مجھ سے کوئی ہوا تجھ سے کیا گناہ
کتوال نے گدھے پہ تجھے کیوں کیا سوار

اس مخمصہ میں تھا ہی کہ ناگاہ ایک روز
فتنہ کو آسماں نے کیا مجھ سے پھر دوچار

دھوبی کمہار کے گدھے اس دن ہوئے تھے گم
اس ماجرے کو سن کیا دونوں نے واں گزار

ہر اک نے اُس کو اپنے گدھے کا خیال کر
پکڑے تھا دھوبی کان تو کھینچے تھا دم کمہار

دریائے کشمکش ہوا اِس آن موجزن
تھا عنقریب ڈوبیے خفت سے ایک بار

بدبختی اس کی دیکھ کے کر خرس کا خیال
لڑکے بھی واں جمع تھے تماشہ کو بے شمار

رکھتا تھا کوئی لا کے سپاری کو منہ کے پاس
مو اس کے تن سے کوئی اکھاڑے تھا بار بار

کہتا تھا کوئی مجھ سے کہ تو مجھ کو بھی چڑھا   دونگا ٹکا تجھے میں نوچند اتوار

کتے بھی بھونکتے تھے کھڑے اس کے گرد و پیش   ساتھ اس سمندِ خرس نما کے ہو چشم چار

اُس وقت میں نے اپنی مصیبت پہ کر نظر   کہنے لگا خدا سے یہ رو رو کے زار زار

جھگڑوں میں جوروؤں سے کروں کس کو دوں جواب   کتوں سے یا لڑوں کہ مروں اپنا پیٹ مار

بارے دعا مری ہوئی اُس وقت مستجاب

واں سے بہر نمط کیا جنگ گاہ تک گزار

دستِ دعا اُٹھا کے میں پھر وقتِ جنگ کے   کہنے لگا جنابِ الٰہی میں یوں پکار

پہلے ہی گولا چھوٹتے اس گھوڑی کو لگے   ایسا لگے یہ تیر کہ ہووے جگر کے پار

یہ کہہ کے میں خدا سے ہوا مستعد بہ جنگ   اتنے میں مرہٹہ بھی ہوا مجھ آ دوچار

گھوڑا تھا بس کہ لاغر و پست و ضعیف و خشک   کرتا تھا یوں خفیف مجھے وقتِ کارزار

جاتا تھا جب ڈپٹ کے میں اُس کو حریف پر   دوڑوں تھا اپنے پاؤں سے جوں طفلِ نی سوار

جب دیکھا میں کہ جنگ کی یاں اب بندھی ہے شکل   لے جوتیوں کو ہاتھ میں گھوڑا بغل میں مار

دھر دھمکا واں سے لڑتا ہوا شہر کی طرف   القصہ گھر میں آن کے میں نے کیا قرار

گھوڑے مرے کی شکل یہ ہے تم نے جو سنی

اس پر بھی دل میں آئے تو اب ہو جیے سوار

سن کر یہ اُن سے میں نے یہ قصہ دیا جواب   اتنا بھی جھوٹ بولنا کیا ہے ضرور یار

گفتن ہمی بس ست کہ اسپِ من ابلق ست

سمجھوں گا دل میں اپنے اگر ہوں گا ہوشیار

۵۵- شیر

اے شیر تیرے تن پہ ہے طاقت کا پوستیں
شاہی کے حق میں کوئی بھی ساجھی ترا نہیں

پیدا ہے تیرے رُخ سے تری شوکت اور جلال
ظاہر ہے تیری شکل سے باطن کا تیرے حال

دل تیرا بزدلی و غلامی سے ہے بری
پھٹکے نہ تیرے پاس کبھی خوف اے جری

تیرا حریف کون ہے جو تو ہٹے پیچھے
جھپکے نہ تیری آنکھ نہ گردن تری بچے

حق نے عطا کیا ہے تجھے زور بے خلل
فولاد کی رگیں ہیں تو دل ہے ترا اٹل

گر سو رہا ہے کوئی میدان کا دھنی
جوشن کہ چار آئینہ یا خود آہنی

حملے سے تیرے بچنے کو کافی نہیں مگر
اللہ رے تیرا حوصلہ پہ ہے ترا جگر

غرّا کے شیر کرتا ہے جب جوش اور خروش
جنگل تمام ہوتا ہے سنسان اور خموش

پہچانتے ہیں جانور آواز شیر کی
وہ ہولناک ہے کہ دہلتا ہے سب کا جی

جاتی ہے اُن کے پاؤں تلے کی زمیں نکل
ہیں بھاگتے کہ گویا تعاقب میں ہے اجل

اے شیر گرم خطّہ ہے تیرے لئے وطن
بہتر ہو نیستاں ہو جھاڑی ہو یا ہو بن

اے شیر تو ہے شاہ ترا تخت ہے کچھار
ہے کس کو تیرے ملک میں دعوائے گیر و دار

اسمٰعیل

۵۶ - ہماری گائے

رب کا شکر ادا کر بھائی ‏— جس نے ہماری گائے بنائی
اُس مالک کو کیوں نہ پکاریں ‏— جس نے پلائیں دودھ کی دھاریں
خاک کو اس نے سبزہ بنایا ‏— سبزہ کو پھر گائے نے کھایا
کل جو گھاس چری تھی بن میں ‏— دُودھ بنی وہ گائے کے تھن میں
سُبحان اللہ دُودھ ہے کیسا ‏— تازہ گرم سفید اور میٹھا
دودھ میں بھیگی روٹی میری ‏— اُس کے کرم نے بخشی سیری
دُودھ دہی اور میٹھا مسکا ‏— دے نہ خدا تو کس کے بس کا
گائے کو دی کیا اچھی صورت ‏— خوبی کی ہے گویا مورت
دانہ دُنکا بھوسی چوکر ‏— کھا لیتی ہے سب خوش ہو کر
کھا کر تنکے اور ٹھیڑے ‏— دُودھ ہے دیتی شام سویرے
کیا ہی غریب اور کیسی پیاری ‏— صبح ہوئی جنگل کو سدھاری
سبزہ سے میدان ہرا ہے ‏— جھیل میں پانی صاف بھرا ہے
پانی موجیں مار رہا ہے ‏— چرواہا چمکار رہا ہے
پانی پی کر چارہ چر کر ‏— شام کو آئی اپنے گھر پر
دوری میں جو دن ہے کاٹا ‏— بچے کو کس پیار سے چاٹا

گائے ہمارے حق میں ہے نعمت — دودھ ہے دیتی کھا کے بنسپت
بچھڑے اس کے بیل بنائے — جو کھیتی کے کام میں آئے
رب کی حمد و ثنا کر بھائی
جس نے ایسی گائے بنائی

اسمٰعیل

۵۷- ہمارا کتّا ٹیپو

ٹیپو ہمارے گھر کا پرانا رفیق ہے — بڈھا ہے باوفا ہے نہایت شفیق ہے
ہم دونوں بھائی بہنوں سے الفت ہے اس قدر — جب دیکھتا ہے دور سے آتا ہے دوڑ کر
جنگل کو جائیں ڈھور تو جاتا ہے ساتھ ساتھ — جب گھر کو واپس آئیں تو آتا ہے ساتھ ساتھ
بے چارہ گھر کی چوکسی کرتا ہے رات بھر
اور دن میں کھیلتا ہے مرے ساتھ ادھر اُدھر

اسمٰعیل

۵۸- کتّا اور اُس کا سایہ

منھ میں ٹکڑا لیے ہوئے کتّا — ایک دریا کو تیر کر اترا
پانی آئینہ سا رہا تھا چمک — نظر آتی تھی تہ کی مٹی تک

اپنی پرچھائیں پر کیا جو غور | اُس کو سمجھا کہ ہے یہ کتّا اور
مُنھ میں ٹکڑا دبا رہا ہے یہ | گہرے پانی میں جا رہا ہے یہ
حرص نے ایسا بے قرار کیا | جھٹ سے غرّا کے اُس پہ وار کیا
جونہی ٹکڑے پہ اُس کے مُنہ مارا | اپنا ٹکڑا ابھی کھو دیا سارا
واں نہ ٹکڑا نہ اور کتّا تھا | وہم تھا وہم کے سوا کیا تھا
یونہی جتنے ہیں لالچی ناداں | کر کے لالچ اُٹھاتے ہیں نقصاں

باندھتے ہیں کہاں کہاں کے خیال
اور کھو بیٹھتے ہیں اپنا مال

اسمٰعیل

۵۹- اسلم کی بلّی

چھوٹی سی بلی کو میں کرتا ہوں پیار | صاف ہے ستھری ہے بڑی ہے کھلاڑ
گود میں لیتا ہوں تو کیا گرم ہے | گالے کے مانند رواں نرم ہے
میں جو نہ چھیڑوں تو نہ جھلّائے وہ | میں نہ ستاؤں تو نہ غرّائے وہ
کھینچ کے دم اب نہ ستاؤنگا میں | گھر میں سے باہر نہ بھگاؤنگا میں
اب نہ ڈرے گی وہ مری مار سے | کھیلینگے ہم دونوں بہت پیار سے
صحن میں گھر میں کبھی میدان میں | کھیلینگے در میں کبھی دالان میں

دُم کو ہلا میرے پڑ یگی وہ پاؤں
بولیگی پھر پیار یوں "میاؤں میاؤں"

دو نگا اُسے گیند میں جب آن کر
جھپٹے گی وہ اس پہ چوہا جان کر

تاک لگائے گی دبوچے گی خوب
مار نہٹے اسے نوچے گی خوب

ہم نے بڑے پیار سے پالا اسے
کہتے ہیں سب چوہوں کی خالا اسے

اسمٰعیل

۶۰ - مُرغابی

ڈھل گیا دن اور شبنم ہو زمیں پر قطرہ ریز
گوشۂ مغرب میں گلگوں ہو شفق سو آسماں

پڑ رہی ہیں دُور تک سورج کی کرنیں زرد زرد
جا رہی ہو تو اکیلی شام کو اُڑتی کہاں

دیکھتا کیوں ہو عبث صیّاد سوئے آسماں
یا اس کی نظروں سے تیری شوکتِ پرواز کو

ارغواں زارِ فلک کے منظرِ خوش رنگ نے
کر دیا ہے اور دلکش تیرے نقشِ ناز کو

ڈھونڈھتی پھرتی ہو کیا کوئی سہانا آبشار
یا کہ سرگرمِ تلاشِ دامنِ دریا ہے تو

کیا کسی بحرِ تموج خیز کی ہے جستجو
یوں سکوتِ شام میں کیوں آسماں پیما ہو تو

تو جب بے سنگِ نشانِ جادہ و بے مرحلہ — کر رہی ہے آسماں پر قطع طبقات ہُوا
اُڑ سکے بے بدرقہ تو یہ کہاں تیری مجال — کوئی طاقت ہے مگر تیری مقرر رہنما

اے سُبک پرواز تیری سُرعتِ پرواز نے — طے کئے کتنے ہی دن بھر سرد طبقاتِ نسیم
ہو کے داماندہ زمیں پر گر نہ شہپر جوڑ کر — شب کی ظلمت کا ہے گرچہ سر پہ طوفانِ عظیم

ہو چکی تیری مشقت ختم تجھ کو عنقریب — گرمیوں کا اک سہانا گھر ملے گا خوشگوار
گاتی ہوگی چھوٹی چڑیوں میں ہم آہنگی سے تو — اور نشیمن پر ترے ہوگی نیستاں کی بہار

ہو گئی غائب فضائے آسماں میں گرچہ تو — اور اب آنکھوں میں ہے تیرا تصور یادگار
میں نے سیکھا ہے سبق لیکن تری پرواز سے — ہر طریقِ زندگی میں تو مری آموزگار

منطقہ سے منطقہ تک اے سُبک پروازِ شوق — وسعتِ اوجِ فلک پر ہے جو تیرا راہبر
مجھ کو بھی لے جائیگا وہ منزلِ مقصود تک — جب کرونگا جادۂ ہستی سے میں تنہا سفر

(ترجمہ انگریزی) ——— سرورؔ جہاں آبادی

۶۱ - سارس کا جوڑا

کنارِ آب ویراں سفر میں شام پڑ جانا
مصیبت خیز تھا سارس کے جوڑی کا بچھڑ جانا

شبِ تاریک فرقت میں بھٹکنا ان غریبوں کا
صدا دینا مگر قسمت کا ایسا پیچ پڑ جانا

کہ یہ اس پار لپکا اور اُڑا وہ دوسری جانب
یونہی تدبیر کا ہر بار بن بن کر بگڑ جانا

غرض شب بھر یونہی اک دوسرے کی جستجو کرنا
مقابل کے کناروں سے وہ اُن کا ہاؤ ہو کرنا

وہ آغوشِ تمنا کھول کر مجبور رہ جانا
وہ بیتابی سے اظہارِ دفورِ آرزو کرنا

سنانا دُور سے وہ داستانِ شوق دونوں کا
وہ اپنی بے بسی بے چارگی پر گفتگو کرنا

مگر آخر نشاں مشرق میں اُڑنا مہرِ تاباں کا
اِدھر رو پوش ہو جانا شبِ تاریک ہجراں کا

وہ صبحِ وصل کا آنا وہ اُن کا شوق سے ملنا
غمِ دُوری کا مٹ جانا نکلنا دل کے ارماں کا

ستائش بخت کی کرتے ہوئے اُڑنا نشیمن سے
محبت سے نئے سرے وہ ہونا عہد و پیماں کا

محمد دمر

۶۲ - بَیَا

ایک چھوٹا سا پرندہ دیکھئے ہیں ہے بیا
پر زمانے بھر کی ہیں موجود اس میں خوبیاں

رہتا ہے بچپن میں بھورا رنگ کچھ سیاہی لئے
اِک برس کے بعد پھر ہوتی ہیں رنگ آمیزیاں

موسمِ باراں میں ڈھل جاتا ہے جب اسکا بدن
ہوتے ہیں اس وقت پیارے رنگ پھر اسکے عیاں

سر کے اوپر کنپٹی اور نیچے پیارا زعفرانی رنگ
کلکِ قدرت کی عیاں ہوجاتی ہیں گلکاریاں

بعد بارش پھر دہی ہے رنگ کی اصلی نمود
انقلابِ دہر سے کچھ کم نہیں تبدیلیاں

ہے جفاکش وہ بلا کا ہے غضب کا وہ عقیل
کیسی خوبی سے بناتا ہے وہ اپنا آشیاں

بین کے مانند ہوتا ہے بلاشک گھونسلا
اُس شجر پر جو بلندی میں ہو چھوتا آسماں

نر اُسے تیار کرتا ہے خود اپنی چونچ سے
مادہ لا لا کر دیا کرتی ہے اُس کو تیلیاں

کام میں مشغول گاہے ہے کبھی نغمہ سرا
راگ سے آباد رکھتا ہے وہ اپنا آشیاں

آشیانے میں فقط برسات میں رہتا ہے وہ
موسمِ گُل میں ہے وہ سیاحِ گلزارِ جہاں

بچوں کے رہنے کا گھر بھی وہ بناتا ہے جدا
اِس کی عقل و فہم و دانائی کا ہو کیونکر بیاں

ایک جھولا متصل ہوتا ہے بے حد خوشنما
واسطے بچوں کے ہیں موجود سب دلچسپیاں

گیلی مٹی گھونسلے میں وہ لگا کر اک طرف
اس پہ اک جگنو بٹھاتا ہے بجائے شمعداں

شمع بزم افروز کہئے کرمک شب تاب کو
جس سے ہے پر نور رہتا رات کو اس کا مکاں

ساتھ پتوں کے رہا کرتی ہے مادہ رات کو
نر کی جا ہے یا ہنڈولہ یا کہ کنج آشیاں

اپنے ہمجنسوں کا ہو جاتا ہے وہ دشمن ضرور
آ گئی گر بات کوئی ناخوشی کی درمیاں

کیا بیاں تم سے کروں جنگ و جدل کا حال میں
کیسی کیسی کرتا ہے وہ معرکہ آرائیاں

گھونسلے کو کاٹ دیتا ہے وہ اپنی چونچ سے
توڑتا ہے انڈوں کو لے لیتا ہے بچوں کی جاں

اپنے آقا سے بھی وہ مانوس ہوتا ہے بہت
سنتے ہی آواز اُس کی سمت ہوتا ہے رواں

جس کی قدرت کا ہے اک ادنیٰ کرشمہ یہ بیا
وہ ہے صناع حقیقی خالق کون و مکاں

باسط بسوانی

۶۴ - تتلیاں

یہ آہ کیسی تتلیاں
ہیں اُڑ رہیں یہاں وہاں

انوکھے جن کے ڈھنگ ہیں
طرح طرح کے رنگ ہیں

یہ کیسے بیل بوٹے ہیں
فلک سے پھول ٹوٹے ہیں

سحر

٦٤ - دو مکھیاں

ایک مکھی کہ ہو نری احمق — فکرِ انجام اسے نہیں مطلق
کوتہ اندیش لالچی ناداں — دیتی پھرتی ہے مُفت اپنی جاں
گری شیرہ پہ حرص کے مارے — پاؤں اور پر لتھڑ گئے سارے
آنکھ اس کی ہیے کی پھوٹ گئی — اکھڑے بازو تو ٹانگ ٹوٹ گئی

آخرش پھنس کے رہ گئی مکھی
کیا حماقت کی چاشنی چکھی

ایک مکھی ہے سخت دور اندیش — سوچ لیتی ہے کام کا پس و پیش
اس پہ غالب نہیں ہوسناکی — اُڑتی پھرتی ہے وہ بہ چالاکی
کہیں مصری کی جب ڈلی پائی — تو بآہستگی اُتر آئی
گرچہ اس کام میں لگی کچھ دیر — چاٹ کر ہو گئی مگر وہ سیر

کس مزے سے گزارتی ہے دن
شکر کا گیت گاتی ہے بھن بھن

اسمٰعیل

۶۵- جھینگر اور شہد کی مکھیاں

شہد کی مکھیوں کے در پہ جا — کسی جھینگر نے یوں سوال کیا
مانگو ہوں میں اک غریب فقیر — درد افلاس سے بہت دلگیر
آج کل کس غضب کا پالا ہے — مجھے سردی نے مار ڈالا ہے
تمہیں اللہ نے دیا سب کچھ — بھیک دو مجھ غریب کو اب کچھ

راہِ مولا ذرا سا شہد پلاؤ
دین و دنیا کا تم ثواب کماؤ

مکھیوں نے کہا میاں جھینگر — جسم میں تم ہو ہم سے بڑھ چڑھ کر
دست و پا گر ہلاتے گرمی میں — مرتے ہرگز نہ بھوکے سردی میں
یا کہ برسات کے تھے جب ایام — ان میں محنت سے تم جو کرتے کام

جمع اچھا ذخیرہ ہو جاتا
آج کل وہ تمہارے کام آتا

بولا جھینگر بہت ہوں میں کمبخت — مجھ کو قسمت کی ہے شکایت سخت
جب کہ گرمی تھی یا کہ تھی برسات — میں نے گانے میں کھوئے دن اور رات
نہیں جاڑے کا کچھ خیال آیا — جمع کرتا کہاں سے سرمایہ

اب مجھے کچھ خدا کی راہ پہ دو
بھاگو او بھلا تمہارا ہو

مکھیاں بولیں اس سے ای جھینگر
چین سے جا تو بھائی اپنے گھر
جب جو گاتا رہا تو اب بھی گا
اور کھانے کی جا ہُوا تو کھا

کل کی جو فکر آج کرتے ہیں
کبھی بھوکے نہیں وہ مرتے ہیں

مھیؔ

۶۶ - جگنو اور بچہ

سناؤں تمھیں بات اک رات کی
کہ وہ رات اندھیری تھی برسات کی
چمکنے سے جگنو کے تھا اک سماں
ہوا پر اُڑیں جیسے چنگاریاں
پڑی ایک بچے کی اُن پر نظر
پکڑ ہی لیا ایک کو دوڑ کر
چمکدار کیڑا جو بھایا اُسے
تو ٹوپی میں جھٹ پٹ چھپایا اُسے
وہ جھم جھم چمکتا اِدھر سے اُدھر
پھرا کوئی رستہ نہ پایا مگر
تو غمگین قیدی نے کی التجا
کہ چھوٹے شکاری مجھے کر رہا

خدا کے لئے چھوڑ دے چھوڑ دے
مرے قید کے جال کو توڑ دے

کروں گا نہ آزاد اُس وقت تک
کہ میں دیکھ لوں دن میں تیری چمک

چمک میری دن میں نہ دیکھو گے تم
اُجالے میں ہو جاتی ہے وہ تو گم

ارے چھوٹے کیڑے نہ دے دم مجھے | کہ ہے واقفیت ابھی کم مجھے
اجالے میں دن کے کھلے گا یہ حال | کہ اتنے سے کیڑے میں ہے کیا کمال

دھواں ہے نہ گرمی نہ شعلہ نہ آنچ
چمکنے کی تیرے کروں گا میں جانچ

یہ قدرت کی کاریگری ہے جناب | کہ ذرّہ کو چمکائے جوں آفتاب
مجھے دی ہے اسواسطے یہ چمک | کہ تم دیکھ کر مجکو جاؤ ٹھٹک

نہ اُلٹے پنے سے کرو پائمال
سنبھل کر چلو آدمی کی سی چال

اسمٰعیل

۶۷۔ برساتی پتنگے

لیمپ کو کر سامنے کچھ دیر شب کو دیکھئے | سیکڑوں قسم کی طرح آجاتے ہیں ہر ہر رنگ کے
جمع ہو جاتا ہے پروانوں کا اک جمّ غفیر | گو بظاہر دیکھنے میں ہیں یہ بالکل ہی حقیر
قدرتِ باری کی ہیں لیکن یہی بہتر مثال | ان کی شکلوں سے ہے ظاہر انکے صانع کا کمال
مونچھیں ہیں مُنھ پر کسی کی سونڈ رکھتا ہے کوئی | گول صورت ہے کسی کی اور لانبا ہے کوئی
سبز ہے رنگت کسی کی ہے کوئی بالکل سیاہ | وہ چمک ہے دیکھ کر جس کو پھسلتی ہے نگاہ
ہیں کسی پر پتلی پتلی خوبصورت دھاریاں | اور کسی کی پشت پر ہیں چھوٹی چھوٹی چتیاں

کوئی ہے معصوم سیرت اور ستاتا ہے کوئی
کوئی چپ رہتا ہے بالکل بھنبھناتا ہے کوئی

الغرض ظاہر ہے ان سے قدرت پروردگار
اور ان کا موسم باراں پہ ہے دارومدار

ہادی

٦٨- کیڑا

تم اس کیڑے کو دیکھو تو لگاتار
تمہاری راہ میں ہے گرم رفتار

چلا کترا کے کیا کیا پیچ و خم سے
جھجکتا ہے یہ آواز قدم سے

کسی سوراخ میں دن کاٹتا ہے
سویرے اٹھ کے شبنم چاٹتا ہے

کرو چشم حقیقت بیں سے تمیز
کہ سمجھے ہو جسے تم سخت ناچیز

اسے قدرت نے زریں پر دیئے ہیں
کچھ اک سبزی و سرخی بھی لئے ہیں

نہیں لگتی ہے اچھی مور کی دم
کہ خوش ہوتے ہو اس کو دیکھ کر تم

جو دیکھو ناچ اس کا دور ہی سے
تو اس پر لوٹ ہو جاتے ہو جی کر

مگر کیڑے کو بھی سمجھو نہ ہیٹا
یہ مانا خاک مٹی میں ہے لیٹا

نہ بے پروائی سے چلیے جھٹک کر
قدم رکھیے ذرا کیڑے سے ہٹ کر

کہ ہیں دونوں ہی دانا دیکھ سکتا
نمونے دو ہیں کاریگر ہے یکتا

ہے دونوں ہی میں یکساں دستکاری
کسے ہلکا کہیں اور کس کو بھاری

اگر ہے خوبصورت مور پیارا   تو کیڑا بے گنہ کیوں جائے مارا
بظاہر کچھ نہیں اس کی حقیقت   مگر جب بے کسی کرتے ہو بُری گت
تو ہے ننھی سی جاں اس کی تڑپتی
ہے تم جیسا ہی اک جاندار وہ بھی

اسمٰعیل

۶۹ - چھوٹی چیونٹی

بڑی عاقلہ ہے بہت دُور بیں ہے   کہ فکر اپنی روزی کا تیرے تئیں ہے
اسی دُھن میں پہونچی کہیں سے کہیں   کبھی اپنے دھندے سے غافل نہیں ہے
اری چھوٹی چیونٹی تجھے آفریں ہے
نہیں کام سے شام تک تجھ کو فرصت   ذرا سی تو جان اور اُس پر یہ محنت
بہت جھیلتی ہے مشقت مصیبت   نہیں ہارتی پر کبھی اپنی ہمّت
اری چھوٹی چیونٹی تجھے آفریں ہے
کبھی کام تو نے ادھورا نہ چھوڑا   کبھی تو نے تکلیف سے مُنھ نہ موڑا
بہت کام تو نے کیا تھوڑا تھوڑا   ذخیرہ یہ جاڑے کی خاطر ہے جوڑا
اری چھوٹی چیونٹی تجھے آفریں ہے
جو گرمی کی رُت میں نہ کرتی کمائی   تو جاڑے کے موسم میں مرتی بن آئی

تجھے ہوشیاری یہ کس نے سکھائی — سمجھتی ہے اپنی بھلائی برائی

اری چھوٹی چیونٹی تجھے آفریں ہے

نہ کھو وقت سستی میں مہلت ہے تھوڑی — وہی کام کر جس سے مالک ہو راضی

کہ جس نے تجھے زندگانی عطا کی — یہ عمدہ سبق ہم کو دیتی ہے چیونٹی

اری چھوٹی چیونٹی تجھے آفریں ہے

اسمٰعیل

۷۰۔ انسان

خدا نے دی ہے اسے ایسی موہنی صورت — کہ جس نے اس کی طرف دیکھا پھر نہ منہ پھیرا

خدائے پاک نے اس کو دیا ہے خلقِ عظیم — یہی تو ہے جو ہوا انسانیت کا اک تحفہ

ہے اُنس مادہ اُس کا محبت اُس کا خمیر — یہی سبب ہے جو انسان نام اُس کا ہوا

کہاں ہے سرو میں ایسی لطیف رعنائی — اس آدمی کا ہے جیسا حسین قدِ بالا

شباب کی وہ خوش آیند دھوپ ہے منہ پر — کہ جس کی گرمی سے روشن ہے چاند سا چہرا

جوانی ہے کہ وہ آبِ حیات کا چشمہ — اسی سے معتدل اس جسم کی ہے آب و ہوا

اسی سے عقل میں جودت ہے فکر میں تیزی — اسی سے نور ہے آنکھوں میں گوش ہیں شنوا

جو تجھ کو کرنا ہے لے دل شباب میں کر لے — کہ جسم پر ابھی قابو ہے چشمِ عقل ہے وا

شباب میں تھے بڑے زور دار ہاتھ مگر — اب ان میں ہیبتِ پیری سے پڑ گیا رعشا

کبھی یہ زور تھا گینڈے کی ڈھال چیرے تو — یہ حال ہو گیا اب ڈھلتا نہیں دھاگا

وہ کان سنتے تھے جو پائے مور کی آواز — اب اُن کے سر پہ چلے توپ تو نہ آئے صدا

کشیدہ تھا کبھی مثل الف جو قدِ سہی — وہ منحنی ہوا ایسا کہ بن گیا ہمزہ

سمجھ میں کچھ نہیں آتی حقیقت انساں کی — یہ کیا ہے آب ہے آتش ہے خاک ہے کہ ہوا

ابھی ابھی تو یہ سب کچھ ہے پھر یہ کچھ بھی نہیں
عجب طلسم کا سا حال ہے کہے کوئی کیا

سید شاہ محمد اکبر

اے ۔ ایک حسین لڑکی

چہرہ یہ پیارا پیارا آنکھیں یہ کالی کالی — لب گُل کی پتیاں ہیں صورت ہے بھولی بھالی

نازک بدن ہے اس کا یا نخل گُل کی ڈالی — چہرہ کا رنگ دیکھو کہہ دو کہ پھول والی

رُخ پر جو آ رہی ہیں اُڑ کر لٹیں ہوا سے
سرکا رہی ہے اُن کو کس ناز سے ادا سے

ناز اُس کے قدرتی ہیں یہ اُن سے بے خبر خود — دلکش نظر ہے لیکن واقف نہیں نظر خود

بالوں میں بن رہے ہیں گھونگر اِدھر اُدھر خود — وارفتہ ہو رہا ہے حُسن اُس کی شکل پر خود

کیسا دہن ہے زیبا کتنا ہے تنگ دیکھو
آنکھوں میں لال ڈورے لائے ہیں رنگ دیکھو

کس لطف سے لڑکپن اس کو کھلا رہا ہے　　چھوٹے سے قد کو کیا کیا چالوں پہ لا رہا ہے
مگر کبھی تبسم ہونٹوں پہ آ رہا ہے　　مگر کبھی نظر سے شوخی دکھا رہا ہے

وارستگی تو دیکھو بے خود ہے کس قدر یہ
آنچل زمیں پہ لوٹا لیکن ہے بے خبر یہ

چوٹی نہیں بندھی ہے بال اڑتے ہیں ہوا سے　　بندے الجھ گئے ہیں بالوں میں تو بلا سے
بالوں پہ جمتی ہے گرد اڑ اڑ کے جا بجا سے　　سر پر چمک رہے ہیں ذرہ ذرا ذرا سے

کرتا بریب کا ہے کانٹوں پہ ہے وہ اٹکا
دامن پھٹا وہ دیکھو کھینچا جو دے کے جھٹکا

کرتے کو دیکھ کر یہ پہلے تو مسکرائی　　پھر کچھ جو دھیان آیا حیرت سی رخ پہ چھائی
پوچھے گی ماں کہاں سے کرتے کو پھاڑ لائی　　یہ ڈر نہیں تو چھوٹی چہرہ پہ کیوں ہوائی

کرتے کو دیکھتی ہے کانٹوں کو دیکھتی ہے
ماں سے یہ کیا کہے گی بس سوچ اسے یہی ہے

ٹہلی پھر اٹھ کے اب کچھ تسکین پا رہی ہے　　رنگت اڑی ہوئی پھر چہرے پہ آ رہی ہے
چھوٹی سی آرسی کو نظروں میں لا رہی ہے　　خود منھ چڑا رہی ہے خود مسکرا رہی ہے

لالی ہوا جو اپنے دامن میں گرد بھر کے
آنچل میں منھ چھپایا آنکھوں کو بند کر کے

چل نکلی اور ٹھٹک کر مجھ پر نگاہ ڈالی　　میں اس کو دیکھتا ہوں یہ بات اس نے پا لی

آنکھیں اُٹھا کے دیکھا اور پھر نظر بچالی یہ قدرتی حیا ہے دل کو لبھانے والی

دیکھے جو پھر تو شاید ترچھی نظر سے دیکھے

پھیرا ہے رُخ تو شاید مُڑ کر اِدھر سے دیکھے

دیکھا تو اُس نے لیکن گردن جھکا کے دیکھا آنچل کو سر پہ ڈالا اور مُسکرا کے دیکھا

کیا ترچھی چتونوں سے آنکھیں چُرا کے دیکھا دیکھا پھر اُس نے دیکھو آنچل ہٹا کے دیکھا

پایا بیا جو مجھ کو کچھ شرم آئی اس کو

فطرت کی یہ ادا ہے بننے کا فہم کس کو

چشمے کی راہ لی ہے شاید پیے گی پانی پہونچی تو دیکھتی ہی چپ سن کھڑی دوانی

عکس فلک کی رنگت سورج کی ضوفشانی پانی تو ہے سنہرا اور تہ ہے آسمانی

لہروں پہ چلتی پھرتی سورج کی جو چمک ہے

اِس سے چمک رہی ہے کیا بجلیوں کا تک ہے

وہ پائنچے سنبھالے پانی تو خیر کم ہے ٹخنوں ہی تک ہی گہرا اور چند ہی قدم ہے

لیکن لچک بدن میں چلنے سے دم بدم ہے نازک ہی پاؤں پھسلے پانی میں تو ستم ہے

وہ اوڑھنی نہ سنبھلی پانی سے تر ہوئی ہے

وہ لڑکھڑائی دیکھو دُہری کمر ہوئی ہے

نالہ اُتر کے پہونچی زیر شجر کھڑی ہے نچے سے دل پہ اُس کے بہت بہت بڑی ہے

کچھ اوڑھنی بدن پر کچھ خاک پر پڑی ہے خوشے پکے ہوئے ہیں اِن سے نظر لڑی ہے

میں جامنیں گرا دوں پیسے ہیں تو اچھا
کھیلے ہیں تو اچھا ٹہلے ہیں تو اچھا

شوق قدوائی

ایک صبح کی عبادت گزار

(ایک تصویر کا سراپا)

واہ کیا صبح کا عالم ہے خدا کی قدرت
مہر خاموشی بس اب ٹوٹنے کو ہے خلقت

جھلملا کر وہ چھپے جاتے ہیں تارے دیکھو
پڑ گئی پھیکی وہ مہتاب کی گہری رنگت

آشیانوں میں چہکنے لگے خوش لہجہ طیور
بے زبانوں کی زباں پر بھی ہے تسبیح وحدت

سنکھ پھنکنے لگے بجنے لگے گھنٹے گھڑیال
اٹھی ہر قوم عبادت کو بہ حسب عادت

بندھ گئیں لاکھوں صفیں اس کی حضوری کے لئے
وہ سنی جانے لگی بعد اذاں قد قامت

ایسے عالم میں ہے اک معبد عالی کی نمود
سامنے منبر کے استادہ ہے اک خوش قامت

منبر کیا ہے کہ یہ اک رحل ہے قد آدم
ہے کھلی جس پہ کتاب ایک برائے قرأت

پڑھنے والے کا جمانا ہے وہ کیونکر دکھائیں
مو قلم کی نہیں ہے اپنے قلم میں قدرت

بھولی بھالی سی ہے اک منی کی صورت گویا
ہے فرشتہ کہ پری کہئے کہ حور جنت

کس قدر کھلتا ہے اس جسم پہ یہ گون سیاہ
سینے پر جھلک سی جھالر وہ کنوؤں کی حالت

گورا بھرا سادہ چہرا تو بھبوکا سے وہ گال ‏ ‏ جس پہ اک اور بھی معصوم پنے کی رنگت
کونوں تک آئے ہوئے اُس کے سنہری وہ بال ‏ ‏ مانگ ہے یا کہ نشانے پہ بیاضِ قدرت
پُتلیاں اُٹھی ہوئیں دھیان میں اوپر کی طرف ‏ ‏ چلیں نیلم کی یہ دو تیزیاں توڑ کے چھت
لعل رنگیں کا دو پلکا کہے ان ہونٹوں کو ‏ ‏ اب کھلی بات کسی طرح ذرا ہو حرکت
جیسے بلّور چمکتا ہوا ایسی تھوڑی ‏ ‏ لمبی گردن سے صراحی کے گلے کو خجلت
چاند سا سینہ بھرا جسم جوانی کا یہ جوش ‏ ‏ لطف آجائے اگر جھومے یہ سروِ قامت
دہاں اس وقت ہے معبود کی طاعت کا دھیان ‏ ‏ بات کرنے کے اشارے نہ زباں میں قدرت
کہنیاں ہاتھوں کی بس رحل کی اوپر ہیں ٹکی ‏ ‏ اُنگلیاں جن کی کہ پیوستہ ہوئی ہیں آیات

ایسی صورت پہ بھی خالق کو نہ رحم آئے گا
ایسے بندے پہ بھی کیونکر نہ کریگا رحمت

شاعر

۷۳- پاربتی

اس راجہ ہماچل کے گھر اک بالی سندر بیٹی تھی
مکھ اس کا چندر للسن کا تھا نام اس کا گورا پاربتی
لب لعلِ یمن اور غنچہ دہن تن برگِ سمن قد سروِ سہی
پوشاک جھلکتی تاش زری ان گنتی پہنے من موتی

وہ کٹھلے کنگن کندن کے وہ بازو چھلے اور مندری
وہ جھانجن بجتی سونے کی اور چوڑی گھنگرو چوراسی
ماں باپ کی پیاری ناز بھری آنکھوں میں نسدن پھرتی تھی
نت بستی ہاتھوں چاؤں میں اور مانی آس مرادوں کی
سکھ بھوجن نورس اور میوے پکوان مٹھائی دودھ دہی
سو ساٹھ سہیلی ساتھ پھریں ہم عمریں بھی بالی بھولی
سب پیار کریں تن من واریں سنگ کھیلیں جسمیں بہلے جی
سب گہنے میں سر پاؤں لدیں تن سوہا سالو اور چتری
کوئی اچھلے کودے سوانگ کرے کوئی ہنس ہنس کرتی اٹکھیلی
دن رات ہنسیں اور چین کریں ہر آن خوبی خوش وقتی
تھی رہتی گورا پاربتی اِن روپ سروپوں ابرن میں
سب طور خوشی سے پھرتی تھی نت اپنے گھر اور آنگن میں

نظیر اکبرآبادی

۴۷ - دوشیزہ

ایک دن جو برائے سیر اٹھا ۔۔۔ دیکھی کوٹھے پہ ایک ماہ لقا
بام روشن تھا طور کی صورت ۔۔۔ سر سے پا تک تھی نور کی مورت

حسنِ یوسف بھی اس کے آگے ماند — چہرہ زلفوں میں جیسے ابر میں چاند
گل سے رخسار گول گول بدن — گال جس طرح قمقمے روشن
جلوۂ حسن رشکِ شعلۂ طور — چشم بد دور آنکھیں موتی چور
رخ پہ وہ بکھری بکھری زلف کے بال — رنگِ گل سے وہ ہونٹ گال ہیں لال
ناک میں نیم کا نقطہ تنکا — شوخی چالاکی مقتضا سن کا
آستینوں کی وہ کھینسی کرتی — جسم میں وہ شباب کی پھرتی
قد میں آثار سب قیامت کے — گوری گردن پہ طوق منت کے
رخ پہ گرمی سے وہ عرق کم کم — جس طرح گل پہ قطرۂ شبنم
عکسِ رخ موتیوں کے دانوں میں — بجلیاں چھوٹی چھوٹی کانوں میں
آڑی ہیکل گلے میں ڈالے ہوئے — پیاری پیاری کچیں نکالے ہوئے
سرو سا قد تو گل سے رخسارے — شانے بازو بھرے بھرے سارے

کیا خدا داد حسن پایا تھا
آپ اللہ نے بنایا تھا

مرزا شوق

۷۵۔ عروس

پرستاروں نے یہ اس کو نہایا — جہاں میں حور جنت کر دکھایا
عجب صورت سے کی بالوں میں کنگھی — کہ بکھرا دیکھ کر ہر ایک کا جی

لپٹ آئی جو بوئیں تسمقوں کی یکبار — ہوئی کافور بوئے مشکِ تاتار
کھجوری گوندھی وہ پاکیزہ چوٹی — کہ سب اہلِ نظر کی جان لوٹی
جب اس کی موتیوں سے مانگ بھر دی — فلک نے کہکشاں قربان کر دی
جو ٹیکا اس کے ماتھے پر لگایا — قمر نے اپنے دل پر داغ کھایا
بہ رنگِ مہرِ تاباں تھا جو چہرہ — ہوا تارِ شعاعی منہ پہ سہرہ
وہ آنکھیں بند کرنا بھی ادا تھی — چقِ مژگاں میں پوشیدہ حیا تھی
جب اُس کے کان میں پہنایا جھمکا — پریشاں ہو گیا عقدِ ثریا
پہن کر نتھ خوشی سے رنگ دمکا — وہ مکھڑا چاند سا گھونگھٹ میں چمکا
مسی آلودہ دنداں پیارے پیارے — چمکتے تھے شبِ یلدا میں تارے
مسی مل کر جب اُس نے پان کھایا — یہ مطلع پڑھ کے ناسخ کا سنایا
مسی مالیدہ لب پر رنگِ پاں ہے — تماشا ہے تہِ آتش دھواں ہے
بنایا خال کاجل سے ذقن پر — عجب جوبن تھا اُس رشکِ قمر پر
چڑھی مُنھ پر دلہن کے ایسی شیریں — کہ پھیکی پڑ گئی نظروں میں شیریں
گلے میں پہنا جب موتی کا مالا — بنات النعش کو حیرت میں ڈالا
اگر ہاتھوں میں ہیرے کے کڑے تھے — زرِ خالص کے زیبا پا چھڑے تھے

بہت اس کے سوا بھی اور گہنا
مناسب جس جگہ تھا اُس نے پہنا

۷۶۔ خادمہ

اتنے میں گھر سے نکلی اک عورت　　سانولا رنگ چلبلی صورت
لال نیفہ ازاربند بڑا　　لچھا ایک کنجیوں کا اس میں پڑا
کھیلتی ہنستی کھلکھلاتی ہوئی　　آنکھ ایک ایک سے ملاتی ہوئی
چاق چوبند سینہ زوری میں　　پھول رکھے ہوئے کٹوری میں
آنکھ ایک ایک پر لگاوٹ کی　　بات ایک ایک سے لگاوٹ کی
حسن کے دن جوانی زوروں پر　　رات کی باسی مہندی پوروں پہ

یہاں ٹھہری کبھی وہاں ٹھہری
دو دو منہ ہنس کے جہاں ٹھہری

میرزا شوق

۷۷۔ ماما

اتنے میں آدمی نے دی یہ خبر　　اک سواری کھڑی ہے ڈیوڑھی پر
آئی ماما بھی ایک ہے ہمراہ　　کتنی چالاک ہے خدا کی پناہ
پوچھتی آئی ہے یہاں تک گھر　　ہاتھ رکھے کھڑی ہے کوٹھے پر
اپنے سایہ سے بھی بھڑکتی ہے　　بوٹی بوٹی پڑی پھڑکتی ہے

شرم ہے آنکھ میں نہ دل میں خطر | پھبتیاں کہہ رہی ہیں اک اک پر
ہنسی ٹھٹھا جگت ضلع میں طاق | چل رہی ہے زبان تڑاق تڑاق
کھڑی اک اک کا منھ چڑاتی ہے | ہنسے دیتی ہے لوٹی جاتی ہے
چوٹی لپٹی ہے باسی ہاروں سے | لڑ رہی ہے جگت کہاروں سے

راستے والے جو گزرتے ہیں
سن کے کانوں پہ ہاتھ دھرتے ہیں

مرزا شوق

۷۸ - نوشہ کا حمام

ہوا جب کہ داخل وہ حمام میں | عرق آگیا اُس کے اندام میں
تن نازنیں نم ہوا اُس کا کل | کہ جس طرح ڈوبے ہے شبنم میں گل
پرستار باندھے ہوئے لنگیاں | مہ دوہرے طاش لیکر وہاں
لگے ملنے اُس گلبدن کا بدن | ہوا ڈہڈہا آپ سے وہ چمن
نہانے میں یوں تھی بدن کی دمک | برسنے میں بجلی کی جیسے چمک
لبوں پر جو پانی پڑا سربسر | نظر آئے جیسے دو گلبرگ تر
ہوا قطرہ آب یوں چشم بوس | کہے تو پڑے جیسے نرگس پہ اوس
نگاہوں نے ظاہر یہ اعجاز حسن | ٹپکنے لگا اس سے انداز حسن

گیا حوض میں جب شہِ بے نظیر
پڑا آب میں عکس ماہِ منیر

وہ گورا بدن اور بال اُس کے تر
کہے تو کہ ساون کی شام و سحر

زمیں پر تھا اِک موجۂ نور خیز
ہوا جب وہ فوارہ سال آب ریز

زمرد کے بے ہاتھ میں سنگ پا
کیا خادموں نے وہ آہنگِ پا

ہنسا کھلکھلا کر گلِ نو بہار
لیا کھینچ پاؤں کو بے اختیار

عجب عالم اُس نازنیں کا ہوا
اثر گدگدی کا جبیں پر ہوا

ہنسا اِس ادا سے کہ سب ہنس پڑے
ہوئے جی سے قربان چھوٹے بڑے

دُعائیں لگے دینے بے اختیار
کہا خوش رکھے تجھ کو پروردگار

کہ تیری خوشی سے ہے سب کی خوشی
مبارک تجھے روز و شب کی خوشی

نہ آوے کبھی تیری خاطر پہ میل
چمکتا رہے یوں فلک کا سُہیل

کیا جب غسل اس لطافت کے ساتھ
اڑھا کھیس لائے لیے ہاتھوں ہاتھ

نہا دھو کے نکلا وہ گل اس طرح
کہ بدلی سے نکلے ہے مہ جس طرح

میر حسن

۷۹۔ شادی کی دھوم

بڑی خواہشوں سے جب آیا وہ روز
چڑھا بیاہنے وہ مہ شب فروز

محل سے نکل جب ہوا وہ سوار
بجے شادیانے بہم ایک بار

کوئی دوڑ گھوڑے کو لانے لگا — کوئی ہاتھیوں کو بٹھانے لگا

سپر اور قبضے کھڑکنے لگے — سواروں کے گھوڑے بھڑکنے لگے

ٹکورے وہ نوبت کے اور اُس کے بعد — گرجنا وہ دھوسوں کا مانند رعد

دو رستہ جو روشن چراغاں ہوئے — تلنگے خوشی سے غزلخواں ہوئے

براتی اِدھر اور اُدھر جوق جوق — وہ آوازِ سرنا وہ آوازِ بوق

وہ ابرک کی ٹٹی وہ بینے کی جھاڑ — کہے تو کہ تختے کے اوجھل پہاڑ

دو رستہ برابر برابر وہ تخت — کسی پر کنول اور کسی پر درخت

اناروں کا دغنا بھچپنے کا زور — ستاروں کا چھٹنا پٹاخوں کا شور

وہ مہتاب کا چھوٹنا بار بار — ہر اک رنگ کی جس سے دونی بہار

جب آئی وہ دولہن کے گھر پر برات — کہوں واں کے عالم کی کیا تجھ سے بات

بلوریں دھرے شمعداں بے شمار — چڑھیں بتیاں موم کی چار چار

نئے رنگ کے اور نئے طور کے — دھرے ہر طرف جھاڑ بلور کے

تماشائیوں کی یہ کثرت کہ بس — ملے ایک سے ایک سب پیش و پس

وہ دولہا کا مسند پہ جا بیٹھنا — برابر رفیقوں کا آ بیٹھنا

ہوا جب نکاح اور بٹے ہار پان — ملا سب کو شربت دیئے ہار پان

وہ سب ہو چکے جب کہ رسم و رسوم — سواری کی ہونے لگی پھر تو دھوم

سحر کا وہ ہونا وہ ٹونے کا وقت — وہ دولہن کی رخصت وہ رونے کا وقت

وہ دلہن کا رو رو کے ہونا جدا | وہ ماں باپ کا اور رونا جدا
نکلتے وہ جانا محل سے جہیز | کہ جوں چشم سے اشک ہو موج خیز
یہاں موت ہو اہل عرفان کو | کہ جانا ہے اک دن یونہی جان کو

وہ جو دردمندی سے ہیں آشنا
وہ شادی کا لیتے ہیں غم سے مزا

میر حسن

۸۰ - جلوس

زبس تھا سواری کا باہر ہجوم | ہوا جبکہ ڈنکا پڑی سب میں دھوم
برابر برابر کھڑے تھے سوار | ہزاروں ہی تھیں ہاتھیوں کی قطار
سنہری روپہلی وہ عماریاں | شب و روز کی سی طرحداریاں
چمکتے ہوئے بادلے کے نشاں | سواروں کے غٹ اور بانوں کی شاں
ہزاروں ہی اطراف میں پالکی | جھلا بور کی جگمگی تالکی
کہاروں کی زربفت کی کرتیاں | اور اُن کے دبے پاؤں کی پھرتیاں
بندھی پگڑیاں طاش کی سر اوپر | چکا چوندیں جس سے آوے نظر
وہ ہاتھوں میں سونے کے موٹے کڑے | جھلک جنکی ہر ہر قدم پر پڑے
وہ ماہی مراتب وہ تخت رواں | وہ نوبت کہ دولہ کا جیسے سماں

وہ شہنائیوں کی صدا خوشنما — سہانی وہ نوبت کی دھیمی صدا

وہ آہستہ گھوڑوں پہ نقارچی — قدم با قدم با لباسِ زری

بجاتے ہوئے شادیانے تمام — چلے آگے آگے ملے شادکام

سوار اور پیادے صغیر اور کبیر — جلو میں تمامی امیر اور وزیر

وہ نذریں کہ جس جس نے نقش بٹھانیاں — شہ و شاہزادے کو گزرانیاں

ہوئے حکم سے شاہ کے پھر سوار — چلے سب قرینے سے باندھے قطار

سجے اور سجائے سبھی خاص و عام — لباسِ زری ہیں ملبس تمام

طرح کے طرق اور پرے کے پرے — کچھ ادھر اُدھر کچھ ورے کچھ پرے

وہ فیلونکی اور میگڈمبر کی شان — جھلکتے وہ منقش کے سائبان

چلے پایۂ تخت ہو کے قریب — بدستور شاہانہ پنتی جریب

سواری کے آگے پئے اہتمام — لئے سونے روپے کے عملے تمام

نقیب اور جلودار اور چوبدار — یہ آپس میں کہتے تھے ہر دم پکار

اِسی اپنے معمول دستور سے — ادب سے تفاوت سے اور دور سے

بیا نوجوانوں بڑھے جائیو — دو جانب سے باگیں لئے آئیو

بڑھے جانے آگے سے چلنے قدم — بڑھے عمر و دولت قدم با قدم

غرض اس طرح سے سواری چلی — کہے تو کہ بادِ بہاری چلی

تماشائیوں کا جُدا تھا ہجوم — کہ ہر طرف تھی لاکھو عالم کی دھوم

لگا قلعے سے شہر کی حد تلک ‏ ‏ دکانوں پہ تھی بادلے کی جھلک

کیا تھا زبس شہر آئینہ بند ‏ ‏ ہوا چوک کا لطف اس جا چند

رعیت کی کثرت ہجوم سپاہ ‏ ‏ گزرتی تھی رُک رُک کے ہر جا نگاہ

ہوئے جمع کوٹھوں پہ جوں مرد و زن ‏ ‏ ہر اک سطح تھی جوں زمین چمن

لگا پنج سے تا نحیف و ضعیف ‏ ‏ تماشے کو نکلے وضیع و شریف

نظر جس کی آیا وہ ماہِ تمام ‏ ‏ کیا اُس نے جھک جھک کے اُسکو سلام

دُعا شاہ کو دی کہ بارِ الٰہ

سدا یہ سلامت رہے مہر و ماہ

میر حسن

۸۱۔ شیو شنکر جی کی برات

جب رات ہوئی تب شیو شنکر خوش وقتی سے اسوار ہوئے

سب آگے پیچھے دولہا کے دل شاد براتی ساتھ چلے

فانوسیں رنگیں جھلملیاں اور جھاڑ بڑی گلکاری کے

ہر آن جڑاؤ چنور ڈھلیں اور سیس کے اوپر چتر پھرے

وہ پہیاں ناچیں تختوں پر پوشاکیں گہنے جھمک رہے

نقارے نوبت طبل نشان الغوزے بجتے اور ڈھلے

ہر سرنا میں دُھن میں میں کی اور کرناتر ئی جھانجھ بجے
کردھونسے دھوں دھوں باج بجے اور تاسے بجتے کڑاکڑ سے
مردنگ منڈے تال بجیں اور سارے گھنگرو بھی جھنکے
وہ ڈھول دھمادھم شور کریں اور جھنپے بجی چھم چھم کرتے
وہ ہاتھی گہنے اور مکنے انباری ہو وے اور بنگلے
وہ جھومتے چلتے قدم قدم اور بجتے جاتے گھنٹالے
وہ جھاڑ اور مشعلیں ہتاخے سب روشن اور بجے شعلوں کے
وہ صحرا جھمکا کوسوں تک ہر ٹھور راجا جے جا پہونچے
وہ گھوڑے میانے گھوڑ بہلیں رتھ اور بجے پیے ڈھلتے تھے
سب باجے بجتے جاتے تھے اور ہوئے ہوئے چلتے تھے
جس آن برات آئی در پر یہ خوبی ٹھہری زیب بھری
وہ پریاں ناچیں تختے پر جھنکاریں مار مجیروں کی
وہ ڈنکے لگتے دھونسے پر دُھن کرنا سرنا کی اونچی
دروازے کوٹھے گونج بجے آواز سہانی اُن کی تھی
کل زیب براتی چار طرف اور بیچ سواری دولھا کی
سب چھجے چھجے کوٹھوں پر داں دیکھی زینت اور خوبی
سب واہ کریں اور چاہ کریں، اور ٹھاٹھ کو دیکھیں کھڑی کھڑی

ہوں دیکھ کے صورت دولھا کی واں سو سو دل سے بلہاری
وہ آئی تھی جو سانچہ لدی اور آتشبازی چھٹتی تھی
مہتاب انار اور پھلجڑیاں بہت پھول ہوائی خوب کڑی
اک پہر تلک دروازے پر واں پھول رہی پھلواری سی
سب ہاتھی گھوڑے بیل اُچھلیں غل شور ہوا اور دھوم مچی
وہ طبل بجیں اور ڈفلے بھی نقارے تاشے اور ترئی
وہ ڈھول اور جھانجھ باج رہے اور گھر گھر میں آواز گئی
سب شاد ہوئے خوش وقت ہوئے یہ دیکھ تماشے خوبی کی
کر وصف بہت بلہار ہوئے اس دولھا کی محبوبی کے

نظیر اکبرآبادی

۸۲ - شادی کی محفل

جو بانے جھاڑے خار و خسک اور بادل پانی چھڑکاتے
بانات قناتیں شمیانے دل بادل تنبو تنوائے
نمگیرے جھالر موتی کے کمخواب مشجر جھلکائے
کل فرش حریر اور دیبا کے خوش رنگ چمکتے بچھوائے
مقیش زری کے لچھے بھی پھر جا گہ جا گہ لٹکائے

گل عطر و گلاب اور پان دھرے کستوری عنبر رکھوائے
پھر تھال الائچی لونگوں کے پھر خوب طرح سے چنوائے
چنگیر دھرے سو زیب بھرے اور طرّہ ہار بھی گندھوائے
ہر چار طرف تیاری کی اسباب طرب کے ٹھہرائے
جو ٹھاٹھ بڑے ہیں شادی کے اک پل بھر میں سب جمکائے

نظیر اکبرآبادی

۸۳۔ دُلہن کا جہیز

جس آن ہوئے شیو چلنے کو تب لا کر یہ اسباب دھرے
پوشاکیں رنگیں زیب بھریں ہر تار پڑا جن کا جمکے
زر زیور کے واں ڈھیر لگے جو باہر ہووے گنتی سے
وہ موتی ہیرے انمولے وہ لعل زمرّد کے ڈبّے
وہ گلے بیٹے چاندی کے وہ تھال کٹورے سونے کے
وہ فرش سنہرے نقش بھرے جو بچھتے محلوں بیچ پڑے
وہ چیرے خوب لباسوں کے اور گنتی میں بھی بہتیرے
وہ چیریاں اچھی صورت کی سر پاؤں تلک نیو ریہرے
وہ کنچل جھول جھلکتی کے انباری جن پر اور ہودے

وہ گھوڑے گلگوں مثل ہُوا زردوزی جن پر زین بندھے
چنڈول جھلکتے وہ جن پر بانات زری کے تھے پردے
رتھ بہلیں اور گڑ بہلیں وہ ٹھاٹھ چمکتے جن کے تھے
وہ رنگیں جھالر دار رتھیں وہ بیل بہت جن کے اونچے
یہ ٹھاٹھ رکھا دروازے پر اور بغدے بوجھ اُٹھا کے
تھے جتنے شادی بیاہ ثمن سامان جو واں تیار ہوئے
ہر ٹھاٹھ کے واں دروازے پر ہر جانب سوانبار ہوئے
نظیر اکبر آبادی

۸۴ - دُلہن کی رُخصت

جب ڈیوڑھی سے چنڈول بڑھا دروازے پر سو خوبی سے
نوچھاور اتنی کی اُس پر کل موتی پھول زری بکھری
اُس وقت بہت خوش وقتی سے شیو شنکر بھی اسوار ہوئے
وہ خوبی قسمت چار طرف سب ساتھ براتی زیب بھرے
اسواری دولہا کی آگے چنڈول دُلہن کا تھے پیچھے
وہ باجے لائے ساتھ جو تھے سب ہر دم بجتے ساتھ چلے
اسباب دیئے جو راجہ نے تھے اس کے جاتے اونٹ لدے

وہ جتنے چیرا چیری تھے سب رتھ اور میانوں میں بیٹھے
وہ ہاتھی گھوڑے ہر جانب ابناری زین جھلکتے تھے
اِس دیس کے رہنے والے بھی سب دیکھنے نکلے گھر گھر سے
ہر کوٹھے کوٹھے بھیڑ لگی اور رستے رستے لوگ بھرے
غل شور خوشی کے چار طرف سب دیکھیں ان وہ ٹھاٹھ بڑے
جس طور خوشی سے بیاہنے کو شیو آئے گھر میں راجہ کے
پھر ویسی ہی خوش وقتی سے کیلاس کے اوپر جا پہنچے

نظیر اکبر آبادی

۸۵ - مجمع احباب

خوش گزرتے تھے اس طرح ایام	عیش رہتا تھا صبح سے تا شام
جمع رہتے تھے بزم میں وہ حسیں	نہ ہوئے ہیں نہ ہونگے جو کہیں
خوبرو کوئی نازنیں کوئی	مہروش کوئی مہ جبیں کوئی
شوخ چالاک خوش مزاج ذہین	سن جوانی کا سب کے سب شوقین
خوشنما خوش مزاج خوش اسلوب	ایک ایک اپنے طرز پر محبوب
آشنا دوست سب کے سب ہمراز	خوش بیاں کوئی کوئی خوش آواز
شہرہ پایا تھا خوش جمالی سے	سب کے سب خاندان عالی سے

شوخ ہر ایک کی طبیعت تھی — ظرفہ یادش بخیر صحبت تھی
شوق ہر ایک فن کا رہتا تھا — چرچا شعر و سخن کا رہتا تھا
کھانا بے دل لگی نہ پچتا تھا — میلا ٹھیلا کوئی نہ بچتا تھا
روز رہتا تھا لطفِ سیرِ شکار — شب کو بجتی تھی بین دن کو ستار
وضع کی سب کو گو تھی پابندی — پر نہ بچتی تھی کوئی نوچندی
دوست جتنے تھے رہتے تھے ہمراہ — کربلا میں کبھی کبھی درگاہ
رہتا تھا بارہویں کا جلسہ یاد — شام سے جاتے تھے حسین آباد
لوگ پہلے سے واں پہ جاتے تھے — فرش تالاب پر بچھاتے تھے
صحبتِ عیش گرم رہتی تھی — کچھ نہ آپس میں شرم رہتی تھی
رات ہنس بول کے گزارتے تھے — صبح سب اپنے گھر سدھارتے تھے
ہوش باقی نہ رہتا تھا تن کا — آتا تھا جب مہینہ ساون کا
دل کے ارمان سب نکالتے تھے — جھولے باغوں میں جا کے ڈالتے تھے
جمع ہوتے تھے سینکڑوں محبوب — خوش گلو خوش مزاج خوش اسلوب
لذتِ زندگی اُٹھاتے تھے — ہنستے تھے گاتے تھے بجاتے تھے
خوش گلو جب کہ تان لیتے تھے — دل تو کیا چیز جان لیتے تھے
پرزے پرزے اُڑاتے تھے دل کے — کوکتے تھے مثال کوئل کے
لطف صحبت کا جو اُٹھاتے تھے — بن بلائے سب آپ آتے تھے

جمع ہونے لگے جو غیرت حور — صحبت اپنی بھی ہو گئی مشہور
دیکھ بے طرح ہم فقیروں کو — رشک آنے لگا امیروں کو

حق تو یہ ہے کہ جائے حیرت تھی
کچھ عجب نکھری نکھری صحبت تھی

مرزا شوق

۸۶ - میلے کی سیر

آج جیسے بنا بنا سامان ہے — آئے ہیں دور دور سے انساں
کوئی درشن کوئی دعائیں مانگ — سب کی ہوتی ہیں مشکلیں آسان
ہر طرف کھلے ہیں گل ریحان — ہار بدھی مٹھائی اور پکوان
جیسے انبوہ غل دکان دکان — اور یہی شور ہر گھڑی ہر آن

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلہ ہے

لوگ چاروں طرف کے آتے ہیں — آکے عیش و طرب مناتے ہیں
دل سے سب درشنوں کو جاتے ہیں — اپنے دل کی مرادیں پاتے ہیں
جانجھ مرتنگ دف بجاتے ہیں — راس منڈل بھجن سناتے ہیں
دل میں پھولے نہیں سماتے ہیں — سب یہ ہنس ہنس کے کہتے جاتے ہیں

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

صحن مندر کا سب سے ہے اعلیٰ — اس کا گنبد ہی عالم بالا ہے
ہو رہا جھنکیوں کا اُجیالا — پڑے جیسے ہیں چاند پر ہالا
ہے کوئی درشنوں کا متوالا — کوئی جپتا ہے دھیان میں مالا
کوئی ڈنڈوتیں کر رہا لالا — کوئی ٹیہے جے کہے ہر دھن والا

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

ناچ اور راگ کے کھڑاکے ہیں — گھنگرو اور تال کے جھناکے ہیں
نقلیں قصے کہانی ساکے ہیں — کھنڈ دوہرے کبت کتھا کے ہیں
آرتی کی کہیں مچی ٹھن ٹھن — کہیں گھنٹوں کی ہو رہی ٹن ٹن
تال مردنگ جھانجھ کی جھن جھن — خاص پرشاد مصری اور ماکھن

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

اتنے لوگوں کے ٹھٹھ لگے ہیں آ — جو کہ تل دھرنے کی نہیں ہے جا
نے کے مندر کے دو دو کوس لگا — باغ و بن بھر رہے ہیں سب ہر جا
ہیں ہزاروں بساطی اور سودا — لاکھوں بکتے ہیں گہنے اور مالا

بھیڑ انبوہ اور دہرم دھکا　　جس طرف دیکھئے اہا ہا ہا

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

ہیں ہزاروں ہی جنس کے ہٹے　　موتی مونگا اور آرسی بٹے
پیڑے لڈو جلیبی اور گٹے　　کوے نارنگی سنگترے کھٹے
کوئی تو کر رہا ہے چھل بٹے　　کوئی چڑھتا ہے کھیر کے چٹے
پڑ رہیں منڈ کے کوٹھے اور اٹے　　بوڑھے لڑکے جوان اور کٹے

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

لاکھوں بیٹھے بساطی اور منہار　　اپنا سب گرم کر رہے بازار
چوڑی بنگڑی کی اک طرف جھنکار　　نوگری پونچھا انگوٹھی چھلے ہار
ٹوٹے پڑتے گنواری اور گنوار　　جس گنواری کو چاہئے دھکا مار
گر کے دے گالی یوں کہی پکار　　"کیسو اٹھلا چلے ہے داری جار"

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

مٹی اور کاٹھ کے کھلونے ڈھیر　　کوئی لیوے ہے کوئی دیوے پھیر
کوئی کمہاری کے کر رہا ہے پھیر　　کوئی کا چھن کے چن رہا ہے بیر

کوئی کنجڑن سے لڑ رہا منھ پھیر   کوئی بنئے کو مارتا ہے سیر
گالی ڈک، مارکوٹ سانجھ سویر   لاٹھی پاٹھی ہڑ شور غل اندھیر

رنگ ہے روپ ہے جھمیلا ہے
زور بلدیو جی کا میلا ہے

نظیر اکبرآبادی

۸۷۔ محرّم کا اکھاڑہ

میں شاعرانہ روش پر نہیں قصیدہ نگار   یہ ایک سادہ گزارش ہے یا اُلوالابصار
کہ اب کے ماہِ محرّم کی ساتویں تاریخ   گیا جو گھر سے قضارا بجانبِ بازار
تو دیکھتا ہوں کہ گزری میں اک اکھاڑہ ہے   اور اتنی بھیڑ کہ جس کا نہیں حساب و شمار
ہیں دو حریف مقابل لئے پھری گتکا   ہر ایک فنِ پھکیتی میں طاق اور طرّار
جو اس نے پاؤں بچایا تو اُس سرتا کا   دکھایا چہرہ تو پہلو پہ جا کیا ہے وار
عجیب ٹھاٹھ نئے پینترے غضب پھرتی   نرالے ڈھنگ سے کرتب کا کرتے ہیں اظہار

چلا ہے ایک بنیٹی کا باندھ کر چکر
کھڑا ہے ایک لئے سیف لڑ رہا ہے گنوار

میں اپنے دل میں لگا کہنے کیا حماقت ہے   مٹے ہوئے ہیں جو اس فن پہ یہ خدائی خوار
یہ کھیل محض نکما ہے بلکہ بیہودہ   جو دیکھتا ہے سو ہنستا ہے زیرِ لب ناچار

سپہ گری کا یہ فن تھا کسی زمانے میں — نہ وہ زمانہ رہا اب نہ صورتِ پیکار
کہاں ہیں اب وہ دلیرانِ صف شکن باقی — کہ ان فنوں پہ جو مٹتے ہیں جان و دل نثار
ہزار سے نہ دبے لاکھ سے نہ منھ موڑا — جو ڈٹ گئے کسی میداں میں کھینچ کر تلوار
نہ اب بکیت کو پوچھے کوئی نہ راوت کو — نہ تیر ہے نہ کماں ہے نہ بانک ہے نہ کٹار
نہ اس کمان کی پرسش نہ اس ہنر کی قدر — نہ جنگ کا یہ طریقہ رہا نہ یہ ہتھیار

نہ جس میں دین کا ہو فائدہ نہ دنیا کا
تو پاس پھٹکے نہ اس کام کے کوئی ہشیار

اسمٰعیل

۸۸- دلّی دربار

سنہ ۱۹۰۲ء

سر میں شوق کا سودا دیکھا — دہلی کو ہم نے بھی جا دیکھا
جو کچھ دیکھا اچھا دیکھا — کیا بتلائیے کیا کیا دیکھا

نظم ہے مجھ کو بادۂ صافی — شغل یہی ہے دل کو کافی
مانگتا ہوں یار دے معافی — خراب دیکھیے لطف قوافی

جمنا جی کے پاٹ کو دیکھا   اچھے ستھرے گھاٹ کو دیکھا
سب سے اونچے لاٹ کو دیکھا   حضرت ڈیوک کناٹ کو دیکھا

پلٹن اور رسالے دیکھے   گورے دیکھے کالے دیکھے
سنگینیں اور بھالے دیکھیں   بینڈ بجانے والے دیکھے

خیموں کا ایک جنگل دیکھا   اس جنگل میں منگل دیکھا
برہما اور ورنگل دیکھا   عزت خواہوں کا دنگل دیکھا

سڑکیں تھیں ہر کمپ سے جاری   پانی تھا ہر پمپ سے جاری
نور کی موجیں لمپ سے جاری   تیزی تھی ہر جمپ سے جاری

کچھ چہروں پہ مردی دیکھی   کچھ چہروں پہ زردی دیکھی
اچھی خاصی سردی دیکھی   دل نے جو حالت کر دی دیکھی

ڈالی میں نارنگی دیکھی   محفل میں سارنگی دیکھی
بے رنگی بارنگی دیکھی   دہر کی رنگا رنگی دیکھی

اچھے اچھوں کو بھٹکا دیکھا — بھیڑ میں کھاتے جھٹکا دیکھا
مُنھ کو اگرچہ لٹکا دیکھا — دل دریارے اٹکا دیکھا

ہاتھی دیکھے بھاری بھر کم — اِن کا چلنا کم کم تھم تھم
زرّیں جھولیں نور کا عالم — میلوں تک وہ چھم چھم چھم چھم

پرچھا پہلوئے مسجد جامع — روشنیاں تھیں ہر سو لامع
کوئی نہیں تھا کسی کا سامع — سب کے سب تھے دید کے طامع

سُرخی سڑک پہ کُٹتی دیکھی — سانس بھی بھیڑ میں گھٹتی دیکھی
آتشبازی چھُٹتی دیکھی — لُطف کی دولت لُٹتی دیکھی

چوکی ایک چولکھی دیکھی — خوب ہی چکھی پکھی دیکھی
ہر سو نعمت رکھی دیکھی — شہد اور دودھ کی مکھی دیکھی

ایک کا حصّہ من و سلوے — ایک حصّہ تھوڑا حلوے
ایک کا حصّہ بھیڑ اور ملوے — میرا حصّہ دور کا جلوے

اوج بھی برٹش راج کا دیکھا ۔ پر تو تخت و تاج کا دیکھا
رنگ زمانہ آج کا دیکھا ۔ رُخ کرزن مہاراج کا دیکھا

پہنچے پہاند کے سات سمندر ۔ تحت میں اُن کے بیسیوں بندر
حکمت و دانش اُن کے اندر ۔ اپنی جگہ ہر ایک سکندر

اوجِ بخت ملاقی اُن کا ۔ چرخ ہفت طباقی اُن کا
محفل اُن کی ساقی اُن کا ۔ آنکھیں میری باقی اُن کا

ہم تو اُن کے خیر طلب ہیں ۔ ہم کیا ایسے ہی سب کے سب ہیں
اُن کے راج کے عمدہ ڈھب ہیں ۔ سب سامانِ عیش و طرب ہیں

اگزبشن کی شان انوکھی ۔ ہر شے عمدہ ہر شے چوکھی
اُقلیدس کی ناپی جوکھی ۔ من بھر سونے کی لاگت سوکھی

جشنِ عظیم اس سال ہوا ہے ۔ شاہی فورٹ میں بال ہوا ہے
روشن ہر اک ہال ہوا ہے ۔ قصّۂ ماضی حال ہوا ہے

ہے مشہورِ کوچہ و برزن — بال میں ناچیں لیڈی کرزن
طائرِ ہوش تھے سب کے پرزن — رشک سے دیکھ رہی تھی ہر زن

ہال میں چمکیں آ کے یکایک — زرّیں تھی پوشاک جھکا جھک
محو تھا ان کا اوجِ سما تک — چرخ پہ زہرہ ان کی تھی گاہک

گو رقاصۂ اوجِ فلک تھی — اس میں کہاں یہ نوک پلک تھی
اندر کی محفل کی جھلک تھی — بزمِ عشرت صبح تلک تھی

کی ہے یہ بندش ذہنِ رسا نے — کوئی مانے خواہ نہ مانے
سنتے ہیں ہم تو یہ افسانے — جس نے دیکھا ہو وہ جانے

اکبر

۸۹ - دہلی دربار

سنہ ۱۹۱۲ء

دیکھ آئے ہم بھی دو دن رہ کے دہلی کی بہار — حکمِ حاکم سے ہوا تھا اجتماعِ انتشار
آدمی اور جانور اور گھر مزیّن اور مشین — پھول اور سبزہ چمک اور روشنی اور ریل تار

کیروسین اور برق اور پٹرولیم اور تارپین — موٹر اور ایروپلین اور جھگّے اور اقتدار
مشرقی پتلوں میں تھی خدمتگذاری کی اُمنگ — مغربی شکلوں سے شانِ خودپسندی آشکار
شوکت و اقبال کے مرکز حضورِ امپرر — زینت و دولت کی دیبا پرنسِ عالی تبار
بحرِ ہستی لے رہا تھا بے دریغ انگڑائیاں — ٹمز کی امواج جمنا سے ہوئی تھیں ہمکنار
انقلابِ دہر کے رنگین نقشے پیش تھے — تھی یہ اہلِ بصیرت باغِ عبرت میں بہار
ذرّے ویرانوں سے اُٹھتے تھے تماشہ دیکھنے — چشمِ حیرت بن گئی تھی گردشِ لیل و نہار
مصلحت آمیز ہر طرز و طریق و انتظام — حکمت آگیں ہر ادائے حاکمانِ نامدار
جامے سے باہر نگاہِ نازِ فتّاحانِ ہند — حدِّ قانونی کے اندر آرزوؤں کی قطار
خرچ کا ٹوٹل دلوں میں چٹکیاں لیتا ہوا — فکرِ ذاتی میں خیالِ قومِ غائب فی المزار
دعوتیں انعام اسپیچیں قواعد فوج کیمپ — عزتیں خوشیاں اُمیدیں احتیاطیں اعتبار

پیشِ رو شاہی تھی پھر ہز ہائینس پھر اہلِ جاہ
بعد اس کے شیخ صاحب پیچھے اُن کے خاکسار

اکبر

۹۰ - مراجعتِ وطن

بارے آئی نجات کی باری — کھل گیا عقدۂ گرفتاری
کوچ ٹھہرا مقامِ غربت سے — اب وطن چلنے کی ہے تیاری

کالے پانی سے ہوتے ہیں رخصت — اشک شادی ہیں آنکھوں سے جاری
بیٹھتے ہیں جہازِ دودی پر — اُٹھتے ہیں لنگرِ گرانباری
السّلام اے خروشِ بحرِ محیط — السّفر اے سفینۂ جاری
سامنے ہر طرف سمندر ہے — سایۂ آسمانِ زنگاری
ہمسفر قافلے ہیں موجوں کے — خضر اور نوح کی ہے سالاری
دن کو خورشید کی زرافشانی — رات کو اوس کی گہر باری
پانی کے اُٹھتے ہیں بلند پہاڑ — اس پہ آتی ہے موج کی باری
پانی پہ چڑھ کے پانی بہتا ہے — قدرتِ حق کی ہے نمو داری
نکلے دریائے شور سے صد شکر — بحرِ شیریں کی آگئی باری

نظر آیا سوادِ کلکتہ
شکر ہے شکر حضرتِ باری

منیر

۹۱ - سفرنامہ

بادِ توفیق تک تو سر کو دھنو — یہ بھی ایک سانحہ ہے میر سنو
ہم کو در پیش تب سفر آیا — جب کہ برسات سر ہی پر آیا
ابر ہونے لگے سفید و سیاہ — پانی رستوں میں تھا کہ ساری راہ

سب کی دریا پہ ہو کے راہ پڑی　　پانی کی سطح پر نگاہ پڑی

ہوش جاتا تھا دیکھ جوشِ آب　　گوش کرتا تھا گر خروشِ آب

آب تہ دار اور تیرہ بہت　　لہر اُٹھتی جو تھی سو خیرہ بہت

پانی پانی تھا شور سے طوفان　　دیکھ دریا کو سوکھتی تھی جان

ناؤ میں ہم نے پاؤں یارے رکھا　　خوف کو جان کے کنارے رکھا

جب کہ کشتی رواں ہوئی واں سے　　جسم گویا کہ تھا تہی جاں سے

کیا کہیں ڈوب ہی چلے تھے ہم　　ناخدائی خدا نے کی اُس دم

ریلا پانی کا جب کہ آتا تھا　　خوف سے جی ہی ڈوبا جاتا تھا

خطرِ غرق سے تھی طاقت طاق　　بیخودی سے ہوا تھا استغراق

بد بلا سے تھے ہمکنار ہوئے　　تھا خدا ہی جو بچکے پار ہوئے

کسو درویش کا تھا یمنِ قدم　　جا کے پہنچے جو اُس کنارے ہم

ورنہ اعمال نے ڈبویا تھا

گوہرِ جاں سے ہاتھ دھویا تھا

پار کا گنج تھا جو شاہ درا　　سب نے رہنا وہیں کا جی میں دھرا

فاصلہ ایک کوس کا تھا بیچ　　راہ یاں سے وہاں تلک سب کیچ

تھے بہت بیچ میں نشیب و فراز　　پہونچے واں شام کھینچ رنج دراز

جا کے حیران ہوئے کدھر جائیں　　سرگشتہ ہیں جو ٹک جگہ پائیں

تنگ دو دو ہر طرف لگے کرنے — تپہ پڑتے تھے مینھ کے بھرنے
کوئی میداں میں کوئی چھپر میں — کوئی در میں کوئی کسو گھر میں
گھر ملا صاحبو کو ایسا تنگ — جس سے بیت الخلا کو آوے ننگ

بیٹھنے دیں نہ جب کہ صاحب کو
کون پوچھے نفرِ مصاحب کو

ڈھونڈتے ڈھونڈتے سرا پائی — ویسے گھر چھوٹے ویسی جا پائی
رہنا بھٹیاری کا غنیمت جان — جو کہا اُس نے ہم گئے سب مان
کچھ پکانے کا جب سوال کیا — میں نے اظہار اپنا حال کیا
یاں جو لائے ہیں مجھ کو اپنے ساتھ — زندگانی مری ہے اُن کے ہاتھ
پہونچے ہے اُن کے روبرو جی طعام — صبح کا صبح مجھ کو شام کا شام
جو کچھ آیا سو کھا لیا میں نے — کچھ رہا سو اُٹھا دیا میں نے
سُن کے اک دل ہی کھینچی اُس نے آہ — اور بولی کہ واہ صاحب واہ
ہم تو جانا تھا آدمی ہو بڑے — چار پانچ آدمی ہیں پاس کھڑے
کچھ یہ کھا دینگے کچھ کھلا دینگے — ہم کچھ اِن کے سبب پا دینگے
سو تو نکلے ہو کورے یا لم تم — ہو گدا جیسے شاہِ عالم تم
کھانے پینے کی کچھ نہیں ہے بات — دیکھیئے کس طرح سے گزرے رات
صدقے میں لیسے گیا اُتارے کے — سو گئے بخت گھر ہارے کے

میں کہا جہترانی جی کچھ تو — مجھ سے آزردہ دل نہ آپنی ہو
بعضے کھلتے ہیں کچھ کھلاتے ہیں — بعضے مجھ کو بھی آنے جاتے ہیں

بارے جوں توں ہوئی وہ رات تمام
صبح کو صاحبوں کو ٹھیرا مقام

یہ بھی دن شب ہوا سحر تھا کوزح — غازی آباد کو گئے سب پوزح
صاحب اُترے حویلی میں آکر — باغ میں اُس کے سب نفر جاکر
واں سے میرٹھ سبھوں کی تھی منزل — کیچ پانی اگرچہ تھا حائل
گرتے پڑتے پہنچ گئے سارے — ہم جفائے سپہر کے مارے
واں دلا ور تنگ بھر واں سے — جا کے واں تنگ آ گئے جاں سے
اک گھڑی بود و باش کو پائی — کچھ نہ کھانے کو جس بین کھائی
چھوٹی سی چار دیواری — اور میدان تھی گدھی ساری
پھر نہ میدان بھی برابر تھا — ہر قدم ایک غار و چقر تھا
کھنڈرے اُس میں تین چار مکان — جن کا گرنے پہ سخت ہی میلان
وہ گڑھی ساری کھیتی ناج کی تھی — برسوں سے تھی پڑی نہ آج کی تھی
وہ رہے جو رکھے بہت سے لوگ — یا کوئی جوگی جو کرے واں جوگ
ورنہ مشکل بہت ثبات قدم — دل میں اک ہول ہی رہی ہر دم

بارے دن جو سائیں سائیں کرے
رات ہووے تو بھائیں بھائیں کرے

کتوں کے چار اور رستے تھے — کتے ہی واں کہے تو بستے تھے
سانجھ ہوتے قیامت آئی ایک — شور عف عف سے آفت آئی ایک
گلی گلی گھوروں میں پھرنے لگے — روٹی ٹکڑے کی بو پہ گرنے لگے
جب کہ ہڈی پہ چار چار لڑیں — گوشت پر بھیڑیئے سے دوڑ پڑیں
ایک نے ایک دیگچا چاٹا — ایک آیا سو کھا گیا آٹا
ایک طرف ہے چپڑ چپڑ کی صدا — یعنی کتا ہے چکی چاٹ رہا
ایک کے منھ میں ہانڈی پر کالی — ایک نے چھلنی چاٹ ہی ڈالی
تیل کی کپی ایک لے بھاگا — ایک چکنے گھڑے سے جا لاگا
ایک نے دوڑ کر دیا پھوڑا — پھر پیا آکے تیل اگر چھوڑا
گھور میں اک لگا اندھیرا کر — ایک نے اور ایک پھیرا کر
گھر میں چھینکے اگر تھے توڑ دیئے — ہانڈی باسن گرا کے پھوڑ دیئے
جھڑ جھڑا دے ہے کان کو کوئی — رو دے ہے اپنی جان کو کوئی
لوگ سوتے ہیں کتے پھرتے ہیں — لڑتے ہیں دوڑتے ہیں گرتے ہیں
سر پہ دربان کے بلا ہی ہے — کتا اک آدھ گھر میں جا ہی رہے
منھ میں کف دور دور کرنے سے — حال بے حال شور کرنے سے
تو بھی سن کے وہ گلا بھاٹا — باؤلے کتے نے اسے کاٹا
جاگتے ہو تو دو بدو کتے — سو کر اٹھو تو روبرو کتے

باہر اندر کہاں نہ تھے کتے بام و در چھت جہاں تہاں کتے

یار و کتے کی جان کا تھا روگ

جاں بلب ہوں نہ کس طرح ہو لوگ

بستی دیکھی تو ایسی تھی آباد کہ بیابان سخت سے دی یاد

چار چھپر کہیں چمار وں کے سو بھی ٹوٹے گرے بچاروں کے

پھر چلو آگے تو نہیں ہے کچھ ڈھیر سا اور جو کہیں ہے کچھ

پھوٹی ٹوٹی کوئی حویلی ہے سو بھی میدان میں اکیلی ہے

ایک دو مردے سے پڑے ہیں واں زرد زرد ہو گئے ہیں کھیتیاں

اور جو چار گھر نظر آئے ان کی خوبی کھلے وہیں جل ئے

وہ بھی کوئی چمار تھے کوئی فاقوں کے زیر بار تھے کوئی

اس سے آگے بڑھے تو دھینور تھے اجڑے بچھڑے انھوں کے کچھ گھر تھے

پھر تیس کالی کالی سوکھے سے سارے کنگال اور بھوکے سے

اور آگے گئے تو تھا بازار اس میں بنیوں کی بیتیں دکانیں چار

ایک کے پاس دال کچھ آٹا تس کو بھی مکھیوں نے تھا چاٹا

ایک کے پاس جو کچھ اور چنے چھیڑوں میں خاک دھول ایک گنے

جو تھا باقی رہا سو تھا کنگال نام کو کہتے ہیں اسے بقال

ایک کنجڑے پہ چار گٹھے پیاز تس پہ اس کو ہزار فخر و ناز

کیا کہوں مرچ تھی نہ ادرک تھی / اس مچھندر میں کچھ تو بھدرک تھی

ایک دکان تھی پساری کی / اس نے ہم لوگوں سے بھی یاری کی

اس سے جا کر جو مانگئے ہلدی / زرد مٹی کو باندھ دے جلدی

دیکھ کر کچھ کہو تو وہ یہ کہے / بس تم اس بستی میں میاں جی رہے

یاں جو کچھ ہے چلن دیتا ہوں / میں بھی پیسے لگا کے لیتا ہوں

مانگو اس سے جو مرچ یا دھنیا / دیوے تو کیا وہ بچا دھنیا

اس میں دو دانے اور سب کنکر / دیوے کاغذ میں ہاتھ لمبا کر

ہینگ چوب نفرے منگوایا / لال مرچیں کٹی ہوئی لایا

اور اشیا یہیں سے کریئے قیاس

آگے جاتا نہیں کہا مجھ پاس

آس پاس اس گڑھی کے آئی جھیل / کم برسات میں طریق سبیل

اس سے واں کی ہوا بہت مرطوب / ہووے نزلہ زکام بے اسلوب

کتنے زوروں میں ہوتی ہے کھانسی / ایسی جیسے گلے میں دی پھانسی

کیا کہ جب چرخ نے پھینکا تھا / پر خدا کچھ ہمارا سیدھا تھا

جس نے قدرت نمائی کی اپنی / اس بلا سے رہائی کی اپنی

بد ہوائی کا مجھ کو کب ہے دماغ / ایسی باتوں سے میں کیا ہے فراغ

ہو چکی صاحبوں کی فرمائش / چپ رہ اب بھی زبان آسائش

میر

۹۲- چور گردی

شہر کے بیچ کیا کہوں میں اب
روز محشر کی دھوم ہے ہر شب

آنکھ تو کس بشر کی لاگے ہے
چوروں کے ڈر سے فتنہ جاگے ہے

کتے آہٹ سے اُن کی بھونکتے ہیں
مُردے خواب عدم سے چونکتے ہیں

آسماں پر بھی منعدم ہے خواب
کھلا رہتا ہے دیدۂ مہتاب

بزم میں سب ہے ایک پیر و جواں
بیٹھے ہیں کرکے رزم کا ساماں

شام سے صبح تک یہی ہے شور
دوڑیو گھڑی سے چلا ہے چور

سودا

۹۳- شہزادے کے گم ہونے پر ماتم

ندامت سے ذلت سے اکراہ سے
جو گزرا تھا آکر کہا شاہ سے

کہا بدھڑک یہ جو کمبخت سے
تو غش کھا کے وہ گر پڑا تخت سے

دیا پھینک سر سے اُٹھا اپنے تاج
کہا مٹ گئی سلطنت میری آج

کہا رو کے اُٹھے میرے آج بخت
نہ باقی رہا وارثِ تاج و تخت

گھڑی بھر نہیں دل کو آرام ہے
مجھے بادشاہت سے کیا کام ہے

یہی دل میں آتی ہے سن اے وزیر
کہ ہو جاؤں کفنی پہن کر فقیر

وزیروں نے پھر عرض کی اے جناب
ہمارا بھی اس غم سے ہے دل کباب

اک اتنا تو ہے بس کہ رو دیا کریں
یہ مرضی ہے اللہ کی کیا کریں

سنا شاہزادے کو جو گُم ہوا
عجب اک محل میں تلاطم ہوا

کیا ماں نے اِس غم میں اپنا یہ حال
دیئے کھول گھبرا کے سب سر کے بال

گرا غم کا سُن کر کسی پر پہاڑ
کسی گُل نے گلشن میں کھائی پچھاڑ

کوئی بولی ہے ہے یہ کیا ہو گیا
کہ شادی میں ماتم بپا ہو گیا

کوئی خاک پر کوئی بیہوش ہو
کوئی بیٹھی از خود فراموش ہو

کوئی چپکے آنسو بہانے لگی
کوئی خاک سر پہ اُڑانے لگی

کسی کا ہوا چہرہ اس غم سے زرد
کسی کے جگر میں ہوا اُٹھ کے درد

کھڑی کوئی یوں مانگتی تھی دُعا
بحقِ محمد سن اے کبریا

فزوں شاہزادے کا اقبال ہو
کہ بیکا نہ اِس کا کوئی بال ہو

کوئی بولی آئے جو وہ مہ لقا
تو کونڈا کروں پیر دیدار کا

تھا جاری کسی کے یہ منہ پر سخن
کہ حامی ترے تن کے ہوں پنجتن

خبر آئے گریاں ترے پاس کی — کروں حاضری حضرت عباس کی

کوئی بولی اس کی خبر میں جو پاؤں — اسی وقت بی بی کی پڑیا منگاؤں

کہا اک نے آئے جو وہ مہ لقا — کروں اپنے اللہ کا رت جگا

دکھائے جو شکل اپنی آکر ابھی

بھروں طاق مسجد کا جا کر ابھی

میر حسن

۹۴- میدانِ جنگ

مہاراجہ پرتھی راج اور سلطان شہاب الدین غوری کی پہلی معرکہ آرائی نہر سرستی پر

لگی چلنے باہم چھری اور کٹار — ہوئے سر تنوں پر ہزاروں نثار

پڑا زن سے خنجر تڑپی سن سے تیغ — ہزاروں ہی کشتہ ہوئے بیدریغ

جواں زخم پر زخم کھانے لگے — شجاعت کے جوہر دکھانے لگے

کسی نے رنگے خون میں اپنے ہاتھ — عدم کو گیا کوئی آقا کے ساتھ

زمیں پر تھا کشتوں کا پشتہ بندھا — ہر اک سمت تھا خوں کا دریا بہا

بدلنے لگا جب لڑائی کا طور — کیا اپنے لشکر پہ راجہ نے غور

یکایک بڑھی ہاتھیوں کی وہ صف — جواں نکلے پیچھے سے نیزہ بکف

وہ تھے قوم کے سب کے سب راجپوت | وہ بانکے دلاور بہادر سپوت
گئے فوجِ شہ پر وہ سب ایکبار | ہوئے قلب تیروں سے اُن کے فگار
کمانوں نے گوشے لئے اپنے موڑ | دیا تیروں نے اپنے ترکش کو چھوڑ
جو افغاں تھے فوراً وہ پیچھے ہٹے | اِدھر خلجیوں نے بھی گھونگھٹ لٹے
لڑائی کا جب یہ ہوا بند و بست | ہوئی فتح سے شاہ کی پھر شکست
شکستہ ہوا میمنہ میسرہ | ہوا قلب کی فوج کا فیصلہ
لڑائی سے تیروں کی عاری ہوئے | نمکخوار سارے فراری ہوئے
نہ مطلق ہوا شاہ غازی ملول | کھڑا ایسا تھا جیسے کانٹوں میں پھول
نظر کھانڈے راؤ کی اس پر پڑی | سپہدار کی آنکھ اُس سے لڑی
سپہدار نے بھی بجرأت تمام | کیا رستمی کا وہاں پر یہ کام
دیا ہاتھی کے منہ میں نیزہ لگا | حریفوں کو دی اپنی جرأت دکھا
کیا کھانڈے راؤ نے پھر اُس پہ وار | تو شانہ نشانہ بنا ایک بار
نہایت ہی سخت اُس کو پہنچا گزند | جھکا اپنے گھوڑے پہ وہ ارجمند
مدد غیب سے اُس کی فوراً ہوئی | یکایک غلام آن پہنچا کوئی
لیا اپنے مالک کو فوراً سنبھال | کسی پر نہ ہرگز کھلا اس کا حال

سپہدار کا پھر نہ پایا نشاں
نہ آیا نظر کوئی غزنیں جواں

۹۵- معرکۂ جنگ

(شجاع الدولہ اور رحمت خاں کی لڑائی)

لیکن جو کچھ کہ واقعی دیکھا سو ہم کہیں — آوے تجھے سخن کا ہمارے گر اعتبار

تھی سامنے ہمارے جو فوج ہر اول — ہونگے وہ دس ہزار تلک پیادہ سوار

سنتے ہیں اب ہر ایک ہی اس فوج کے یہی — سرکردہ تھے سمیت فرنگی کے پانچ ہزار

محبوب اور بسنت و لطافت تھے ایک طرف — یکسو تھا میر سیّد علی مستعدِ کار

لیکن انھوں کو آدمی [illegible] یہ دو — اُن کا قدم دغا میں یہ پایا ہم استوار

ایدھر سے بانِ و رہکلہ و توپ متصل — پڑتی تھی پردہ پڑھتے ہی آتے تھے سرگذار

بڑھ بڑھ کے آخرش وہ لگے توپ داغنے — اِس پلے پر جہاں سے جزائر کی ہوئی مار

لیکن میں تجھ سے کیا کہوں اے یار اس گھڑی — دکھلائی تھی اجل نے عجب طرح کی بہار

تھی کرتیاں تلنگوں مانند لالہ زار — تھا دود توپ ابر سیاہ تگرگ بار

توپیں جو داغتے تھے فتیلوں سے آن آن — رنجک مثالِ برق چمکتی تھی بار بار

کجنال مثل رعد کے کڑکے تھی دمبدم — آواز شتر نال تھی طاؤس کی جھنکار

فرصت کسو نے اتنی نہ پائی کہ وہ کرے — بندوق و تیر و تیغ سے جا اُن میں کارزار

ہر ایک جا یہی نظر آیا ہر ایک کو — گھوڑا ادھر جو تڑپے ہے اور ادھر پڑا سوار

نے لڑنے کے حواس تھے نے بھاگنے کا ہوش — نے سوچ مرنے کا تھا نہ جینے کا کچھ بچار

آیا جو کچھ عمل میں نہ تھا اس میں اقتدار ... بادِ ہند کیجو اس کو تو اے یار اس گھڑی

جیدھر کو جس کا منھ اُٹھا اودھر کو وہ چلا

سوجھے بغیر یہ کہ فلاں جا کروں قرار

سوداؔ

۹۶- آگرہ اور تاج محل

اے آگرہ کی سر زمیں ... ہے تو جیسے فردوس بریں

نازاں ہیں تیرے دور میں ... ہندوستان کی سرزمیں

ہر صفحہ تیرا دل رُبا ... ہر نقش تیرا دل نشیں

تیرے عمارات کہن ... دیرینہ شوکت آفریں

تیرے خرابے میں نہاں ... ہیں کیسے کیسے مہ جبیں

اللہ اکبر وہ لحد ... اکبر ہیں جس میں جاگزیں

اب تو ہی اُن کو ڈھونڈ لا ... ہم کو تو وہ ملتے نہیں

وہ روضۂ کیواں نشاں ... نقش بہشتِ عنبریں

وہ نقشِ دورِ ماضیہ ... سنگیں ترا حصِ حصیں

قبرِ اعتماد الدولہ کی ... اک طبقۂ خلدِ بریں

وہ سنگ مرمر کی چمک ... جیسے عذارِ حورِ عیں

دنیا میں ہے تو اس طرح　　خاتم پہ ہو جیسے نگیں
اور وہ نگیں بھی ضو فگن
جس میں تجلی موجزن

اے یادگارِ رفتگاں　　اے روضۂ جنت نشاں
اے روضۂ گردوں حشم　　اے جنتِ ہندوستاں
ہر گوشہ گوشہ تیرا ہے　　آرام گاہِ قدسیاں
ڈھالا ہے سانچے میں تجھے　　اے مرقدِ شاہِ جہاں
اے قبر تیری گود میں　　سوتا ہے اک خلد آشیاں
تیرے مجسمے کے بناؤ　　جیسے فروغِ کہکشاں
جیسے ستاروں کی جڑت　　یوں تیری پرچیں سازیاں
ہر کتبہ سے ہے جلوہ گر　　طغرا نویسِ کن فکاں
افشاں رُخِ قدرت پہ ہے　　یا ہیں مُنبت کاریاں
وہ جالیاں ہیں دل رُبا　　یا چشمک حورِ جناں
آنکھوں نے دیکھا ہی نہیں　　ایسی تجلی کا مکاں
بس بس عزیزِ نکتہ رس　　کب تک رہو گے دُر فشاں
ہے منحصر نظارہ پر　　اس کی حقیقت کا بیاں
سرمایۂ صد ناز ہے　　روضہ ہے یا اعجاز ہے

۷۹- تاج محل آگرہ

روضہ جو اِس مکاں میں دریا کنار ہے — خوبی میں سب طرح کا اسے اعتبار ہے

نقشے ہیں اپنے یہ بھی عجب خوش نگار ہے

سنگِ سفید سے جو بنا ہے قمر نشاں — ایسا چمک رہا ہے تجلی سے یہ مکاں

جس سے بلور کی بھی چمک شرمسار ہے

دروازے پر لکھا خطِ طغرا ہے طرفہ کار — ہر گوشہ پر کھڑے ہیں جو مینار اسکے چار ہیں

چاروں طرف سے اوج کی خوبی دوچار ہے

برسوں تک اس میں رہیے تو ہووے نہ جی اداس — آتی ہے ہر طرف سے گل و یاسمن کی باس

ہوتا ہے شاد اس میں جو کرتا گزار ہے

ہر سو نسیم چلتی ہے اور ہر طرف صبا — ہلتی ہیں ڈالیاں سبھی ہر گل ہے جھومتا

کیا کیا روش پہ ہجومِ بہار ہے

رابیل و سیوتی سے بھرے ہیں چمن چمن — گلنار لالہ و گلِ نسرین و نسترن

فوارے چھوٹ رہے ہیں رواں جوئبار ہے

ہے چھاؤں مولسریوں کی سبزہ ہرا بھرا — گل کھل رہے ہیں حوض میں پانی چھلک رہا

ہر جا صدائے بلبل و صوتِ ہزار ہے

جو دیکھتا ہے اُس کو یہ ہوتا ہے دلپذیر — تعریف اس مکاں کی میں کیا کروں نظیر

اِس کی صفت تو شہرِ روزگار ہے

نظیرؔ اکبرآبادی

۹۸ - ریل گاڑی

حیواں ہے وہ نہ انساں جن ہے نہ وہ پری ہے
سینے میں اُس کے ہر دم آگ سی بھری ہے

کھا پی کے آگ پانی چنگھاڑ مارتی ہے
سر سے دھواں اُڑا کر غصہ اُتارتی ہے

وہ گھورتی گرجتی پھرتی ہے اِک سناٹا
ہفتوں کی منزلوں کو گھنٹوں میں اُس نے کاٹا

آتی ہے شور کرتی جاتی ہے غل مچاتی
وہ اپنے خادموں کو ہے دُور سے جگاتی

بے خوف بے محابا ہر دم رواں دواں ہے
ہاتھی بھی اُس کے آگے اک مورِ ناتواں ہے

آندھی ہو یا اندھیرا ہے اُس کو سب برابر
یکساں ہے نور و ظلمت اور روز و شب برابر

اُتر سے لے دکن تک پورب سے پچھاں تک
سب ایک کر دیا ہے پہنچی ہے یہ جہاں تک

ہر آن ہے سفر میں کم ہے قیام کرتی
رہتی نہیں معطل پھرتی ہے کام کرتی

پردیسیوں کو جھٹ پٹ پہنچا گئی وطن میں
ڈالی ہے جان اس نے سوداگری کے تن میں

ہر چیز سے نرالی ہے چال ڈھال اس کی
پاؤ گے صنعتوں میں کمتر مثال اُس کی

برکت سے اس کی پے پر پیدا بن گئی ہیں
ملک اس کے دم قدم سے گلزار بن گئے ہیں

ہم کہہ چکے مفصل جو کچھ ہے کام اس کا
جب جانیں تم بتا دو بن سوچے نام اس کا

لو ہاں سمجھ گیا میں پہلے ہی میں نے تاڑی
وہ دیکھو آگرہ سے آتی ہے ریل گاڑی

اسمٰعیل

۹۹ - پن چکی

نہر پر چل رہی ہے پن چکی — دُھن کی پوری ہے کام کی پکی

بیٹھتی تو نہیں کبھی تھک کر — تیرے پہیے کو ہے سدا چکر

پانی ہر دم بہتا ہے ڈھل ڈھل — جو گھماتا ہے آ کے تیری کل

کیا تجھے چین ہی نہیں آتا — کام جب تک نمٹ نہیں جاتا

مینھ برستا ہو یا چلے آندھی — تو نے چلنے کی شرط ہے باندھی

پیسنے میں نہیں لگی کچھ دیر — تو نے جھٹ پٹ لگا دیا اک ڈھیر

لوگ لے جائیں گے سمیٹ سمیٹ — تیرا آٹا بھرے گا کتنے پیٹ

بھر کے لاتے ہیں گاڑیوں میں اناج — شہر کے شہر ہیں ترے محتاج

تو بڑے کام کی ہے اے چکی
مجھ کو بھاتی ہے تیری لَے چکی

اسمٰعیل

۱۰۰ - تلوار

[illegible] شعلہ فشاں برق — وہ برق کہ خود مانگتی تھی اس سے اماں برق

[illegible] برق — منھ زہر برش تیر بلا آگ زباں برق

سرکش تھا جو ناری پہ جلاتی تھی اُسی کو
لوہے پہ بھی گرتی تھی تو کھاتی تھی اُسی کو

اُٹھ کر کبھی ٹھیری کبھی لپکی کبھی چمکی
سر گر گئے گردن جدھر اس تیغ نے خم کی
سیدھی صفِ دشمن کو ملی راہ عدم کی
سیفی تھی کہ گویا دمِ شمشیر پہ دم کی
دم بھر میں صفیں صاف تھیں بیداد گردنکی
تھی مینھ کی طرح خاک پہ بوچھاڑ سرونکی

تھا صورتِ آئینہ تمام اُس کا بدن صاف
خوں پیتی تھی پر دیکھو تو منھ صاف دہن صاف
چلتی تھی جو سن سن تو نکلتا تھا سخن صاف
ہوں میں تو وہ جاروب کہ کر دیتی ہوں رن صاف
نا اہل ہیں نامرد ہیں ناپاک ہیں اعدا
میں برقِ غضب ہوں خس و خاشاک ہیں اعدا

خم خم سے ہلالِ فلکِ نیلوفری تھی
مارا تھا ہزاروں کو مگر خوں سے بری تھی
شوخی تھی نئی اور نئی جلوہ گری تھی
تھی تیغ کے قبضے میں سلیماں کے پری تھی
اِک آگ لگی وار جدھر چل گیا اس کا
جو آگیا سایہ میں بدن جل گیا اُس کا

انیس

۱۰۱۔ تلوار

یاں شور وہاں غل اِدھر آئی اُدھر آئی
وہ چمکی وہ تڑپی وہ چھپی وہ نظر آئی

وہ تیر گئی خود میں وہ سر میں در آئی　　گردن سے بڑھی سینہ لیا تا کمر آئی

رن اس کا گھٹا تھا جو دلیرانہ بڑھا تھا
مُنھ کی وہی کھاتا تھا جو مُنھ اسکے چڑھا تھا

چمکی جو خود سر پہ تو سر سے نکل گئی　　شانہ پہ جو پڑی تو جگر سے نکل گئی
سینے میں دم لیا تو کمر سے نکل گئی　　حیراں تھا خود بدن کہ کدھر سے نکل گئی

اونچی ہوئی تو فرقِ عدد کو فرد کیا
گر کر اُٹھی تو راکب و مرکب کو دو کیا

دبیر

۱۰۲- عجیب چڑیا

چڑیا ہم نے عجیب پالی ہے　　زنجیر اُس کے گلے میں ڈالی ہے
دن رات ہو شام یا سویرا　　لیتی ہے وہ جیب میں بسیرا
چڑیا سے بھی قد ہے اس کا چھوٹا　　ہے اس کا بدن تمام پوٹا
پوٹے پہ جو غور سے نظر کی　　پوٹا نہیں پوٹ ہے ہنر کی
گویا ہے اگرچہ بے زباں ہے　　ناداں ہے مگر حساب داں ہے
دانہ پانی نہیں وہ کھاتی　　ہر دم ہے خوشی سے چہچہاتی
دن رات میں چھیڑ دو کبھی آن　　یہ چھیڑ ہے اس کے جسم کی جان

جب تک جیتی ہے جاگتی ہے ــــ لو کام تو چیز کام کی ہے

کہتی ہے کہ وقت کی خبر لو ــــ جو کچھ کرنا ہے جلد کر لو

غفلت کیجئے تو ٹوکتی ہے ــــ عجلت کیجئے تو روکتی ہے

اس طور سے کرتی ہے گزارا ــــ انڈے دیتی ہے دن میں بارہ

پھر اتنے ہی رات کو ہے دیتی ــــ دیتے ہی ہر ایک کو ہے سیتی

انڈے ہیں تمام اُس کے بچے ــــ اِک ایک سے نکلے ساٹھ بچے

ہر بچے نے اُگلے ساٹھ دانے ــــ ہر دانے میں بھرے خزانے

جو دانہ گرا سو ہو گیا گُم ــــ ڈھونڈا کرو پھر نہ پاؤ گے تم

دانہ کی بتاؤں کیا ہے قیمت ــــ دانا سمجھیں اسے غنیمت

جس نے اسے پا لیا کہا واہ ــــ کیا بات ہے تیری بارک اللہ

سچ سچ تو لعلِ بے بہا ہے ــــ گویا ہر درد کی دوا ہے

القصہ عجب ہے وہ پرندہ
مُردہ اسے ہم کہیں نہ زندہ

اسمٰعیل

(احقر العباد شگفتہ رقم رامپوری)

ضمیمہ

شعرا اور اُن کا کلام

استدعا. ذیل میں شعرا کے متعلق جو جو حالات دریافت طلب ہیں اگر کوئی صاحب اُن سے مطلع فرمائینگے تو باعث مشکوری ہوگا۔ اُمید کہ طبع ثانی میں کل حالات مکمل ہو جائینگے

۱۔ آزاد ۔ سید محمد حسین صاحب مرحوم

ولادت ۱۸۳۱ء وطن دلی وفات ۱۹۱۰ء مدفن لاہور

(۴۲) جاڑا اور کہر

۲۔ اسمٰعیل ۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم

ولادت ۱۸۴۴ء وطن میرٹھ وفات ۱۹۱۷ء مدفن میرٹھ

(۵۳) خشک سالی

(۵۴) اونٹ

(۵۵) شیر

(۵۶) ہماری گائے

(۵۷) ہمارا کتا ٹیپو

(۵۸) کتا اور اُس کا سایہ

(۵۹) اسلم کی بلی

(۹۴) دو مکھیاں

(۳۶) جگنو اور بچہ

(۹۸) کیڑا

(۲۹) چھوٹی چیونٹی

(۵۸) محرم کا اکھاڑہ

(۶۰) ریل گاڑی

(۹۹) پن چکی

(۱۰۲) عجیب چڑیا

۳- اکبر- سید اکبر حسین صاحب

ولادت سنہ ۱۸۴۶ء وطن الہ آباد

(۵۵) دلی دربار

(۵۸) دلی دربار

۴- انشا- انشاء اللہ خاں مرحوم

ولادت وطن دلی وفات سنہ ۱۲۳۳ھ مدفن لکھنؤ

(۵۴) جلوس بہار

۵- انیس- میر ببر علی مرحوم

ولادت سنہ ۱۲۱۶ھ وطن دلی وفات سنہ ۱۲۹۱ھ مدفن لکھنؤ

(۱) ظہورِ صبح

(۳۹) گرمی کا موسم

(۵۱) گھوڑا

(۵۲) گھوڑا

(۵۳) گھوڑا

(۱۰۰) تلوار

۶۔ اوج۔ محمد یعقوب صاحب گیاوی

ولادت ۱۸۶۳ء وطن گیا

(۴) نسیم سحر

(۱۹) برسات

۷۔ باسط۔ ماسٹر باسط علی صاحب بسوانی

ولادت وطن

(۶۲) بیٹا

۸۔ بسمل۔ محمد عبدالرحمٰن صاحب

ولادت وطن وفات مدفن

(۴۰) گلاب کا پھول

۹۔ چکبست۔ منشی برج نرائن صاحب

ولادت وطن لکھنؤ

(۳۲) دہرہ دون کی سیر

۱۰۔ حالی۔ خواجہ الطاف حسین مرحوم

ولادت سنہ ۱۸۳۷ء وطن پانی پت وفات سنہ ۱۹۱۴ء مدفن پانی پت

(۳۱) سیر کشمیر

۱۱۔ حامد۔ حامد حسین صاحب قادری

ولادت وطن بچھراؤں

(۱۵) برسات

۱۲۔ حسرت۔ مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی

ولادت وطن علی گڑھ

(۳) پل پر شام تنہائی

(۱۷) برسات

۱۳۔ حفیظ

ولادت وطن جونپور

(۴۸) جونپوری خربزہ

۱۴۔ دبیر۔ مرزا سلامت علی مرحوم

ولادت سنہ ۱۲۲۰ھ وطن لکھنؤ وفات سنہ ۱۲۹۲ھ مدفن لکھنؤ

(۱۰) تلوار

۱۵۔ سحر منشی اقبال بہادر ورما

ولادت وطن

(۱۲) برسات

(۱۳) تتلیاں

۱۶۔ سرور ۔ منشی دُرگا سہائے آنجہانی

ولادت وطن وفات مدفن

(۶۰) مُرغابی

۱۷۔ سفیر

ولادت وطن

(۳۶) لب آب جو

۱۸۔ سودا۔ مرزا محمد رفیع مرحوم

ولادت ۱۱۲۵ھ وطن دلی وفات ۱۱۹۵ھ مدفن لکھنؤ

(۳۶) موسم بہار

(۴۹) ہاتھی

(۵۴) مریل گھوڑا

(۹۵) چور گردی

(۹۸) معرکۂ جنگ

۱۹۔ سیّد شاہ محمد اکبر صاحب

ولادت وطن

(۱۷) اشک

۲۰۔ شاعر   ملا شاعر قزلباش صاحب

ولادت   وطن دہلی

(۲) ایک صبح کی عبادت گزار

۲۱۔ شاکر   منشی پیارے لال صاحب

ولادت   وطن

(۹) جنگل کی برسات

(۴۴) کنول کا پھول

۲۲۔ شرر   منشی کندن لال صاحب

ولادت   وطن سہارن پور

(۹) لطفِ برشکال

۲۳۔ شوق   محمد عبدالعزیز صاحب

ولادت   وطن

(۸) سمندر کی رات

۲۴۔ شوق قدوائی   مولوی احسن علی صاحب

ولادت   وطن

(۱) ایک حسین لڑکی

۲۵۔   شہاب الدین خاں

ولادت   وطن

(۳۴) دہقان کے گیت

(۳۵) پہاڑی ندی کا گیت

۲۶- طور غلام محمدؐ مرحوم

ولادت وطن

(۱۴) برسات

۲۷- عزیز عزیز الرحمٰن صاحب

ولادت وطن بلگرام

(۴) لطفِ شب

(۸) شب تاریک

۲۸- عزیز لکھنوی مرزا محمد ہادی صاحب

(۹۶) آگرہ اور تاج محل

۲۹- غالب مرزا اسد اللہ خاں مرحوم

ولادت ۱۷۹۶ء وطن دلی وفات ۱۸۶۹ء مدفن دلی

(۴۵) انبہ

۳۰- فقیر

ولادت وطن

(۱۸) برسات

۳۱۔ محزوں منشی تلوک چند صاحب

ولادت　　　وطن

(۳۰) کاش میں بلبلِ چمن ہوتا

(۶۱) سارس کا جوڑا

۳۲۔ محوی محمد حسین صاحب

ولادت　　　وطن لکھنؤ

(۲۰) جھولا

۳۳۔ مرزا شوق۔ نواب مرزا مرحوم

ولادت　　　وطن لکھنؤ　وفات　　　مدفن

(۴۸) دوشیزہ

(۶۹) خادمہ

(۸۸) ماما

(۸۵) مجمع احباب

۳۴۔ سیل محمد اسمٰعیل صاحب

ولادت　　　وطن شکوہ آباد

(۱۳) برسات

(۹۰) مراجعت وطن

۳۵- مہر منشی سورج نرائن

ولادت وطن

(۶۵) جھینگر اور شہد کی مکھی

۳۶- میر میر تقی صاحب مرحوم

ولادت ۱۱۲۵ھ وطن: دلّی وفات ۱۲۲۵ھ مدفن لکھنؤ

(۹۱) سفرنامہ

۳۷- میر حسن میر غلام حسین صاحب مرحوم

ولادت وطن دلّی وفات مدفن لکھنؤ

(۵) چاندنی اور خانہ باغ

(۶) چاندنی اور تالاب

(۷۵) عروس

(۷۸) نوشہ کا حمام

(۷۹) شادی کی دھوم

(۸۰) جلوس

(۹۳) شہزادے کے گم ہوجانے پر ماتم

۳۸- نسیم پنڈت دیا شنکر انجہانی

ولادت وطن وفات مدفن

(۲۵) آمد بہار

۳۹۔ نشاط ۔ میر حیدر حسین صاحب

ولادت وطن امروہہ

(۳۴) شیلانگ اور کلکتہ

۴۰۔ نظیر شیخ ولی محمد مرحوم

ولادت وطن وفات مدفن

(۲۱) اوس

(۲۲) شہر کی برسات

(۲۸) آفتِ خزاں

(۷۳) پاربتی

(۸۱) شیو شنکر جی کی برات

(۸۲) شادی کی محفل

(۸۳) دُلہن کا جہیز

(۸۴) دُلہن کی رُخصت

(۸۹) میلے کی سیر

(۹۰) تاج محل آگرہ

۴۱۔ نہال

ولادت وطن

(۱۱) برسات

۴۲۔ ھادی   سید محمد ھادی صاحب بی۔ اے

ولادت ۱۸۸۵ء   وطن مچھلی شہر

(۱۰) برق و باراں

(۲۹) گرمی کا موسم

(۳۸) بہارِ چمن

(۳۹) پھولوں کی بہار

(۴۱) گلاب کا پھول

(۴۲) بیلا

(۴۳) جوہی

(۶۷) برساتی پتنگے

۴۳۔ ؟

(۴۶) انبہ

(۹۴) میدانِ جنگ

مناظرِ قدرت

حصہ سوم

مرتبہ

(محمد الیاس برنی)

زیرِ نگرانی

مسلم احمد نظامی ایم۔ اے

قیمت دو روپے ۲۵ نئے پیسے

مالک

کتب خانہ نذیریہ مسلم منزل۔ کھاری باؤلی۔
دہلی

فہرست مضامین

ہر جلی عنوان سے ایک نیا مضمون شروع ہوتا ہے اور اس کے تحت میں مضامین متجانسہ درج ہیں ۔

صفحہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مناظر قدرت

جلد سوم

۱۔ ماہتاب

افق پر سرِ شام ہی ماہتاب ۔۔۔ وہ چمکا اُٹھا کر بسنتی نقاب
درختوں پہ چاندی سی چڑھنے لگی ۔۔۔ تجلی بھی اٹھلا کے بڑھنے لگی
روپہلی کرن آسماں پر تمام ۔۔۔ اُڑانے لگی ریزۂ سیمِ خام
پڑی پانی پر چاندنی کی جھلک ۔۔۔ دکھانے لگی موجِ دریا چمک
وہ مل مل کے ابرک شعاعِ قمر ۔۔۔ چھڑکنے لگی سطحِ آب پر

برسنے لگا نور افلاک سے | تجلی اُبلنے لگی خاک سے
ہوا اس قدر روشنی کا وفور | بنی ہر کرن تارِ بارانِ نور
تجلی کثافت کو دھونے لگی | مکانوں پہ قلعی سی ہونے لگی

بنے آئینہ سارے دیوار و در
سفیدی پھری ہر در و بام پر

بے نظیر

۲۔ چاندنی رات

وہ مہتاب کی آسماں پر نمود | مزین کواکب سے چرخ کبود
وہ کرنوں کی شبنم کے اندر بہار | اُڑایا ہے چاندی کا گویا غبار
لرزتی ہے پانی پہ یہ چاندنی | کہ دریا میں تجلی کی ہے روشنی
وہ لہریں کہیں تلملاتی ہوئیں | چمک آئینے کی دکھاتی ہوئیں
نہیں نام کو بھی کہیں تیرگی | کہ عکس تجلی ہے سائے میں بھی
رواں ہیں یہ چاروں طرف موج نور | کہ اُڑتے ہیں دن کی طرح کچھ طیور
شعاعوں کی اللہ رے تیزیاں | قمر کے وہ جوبن کی نوخیزیاں
مگر چھوٹے چھوٹے ستارے ہیں ماند | کہ آج اپنے جلوہ میں پورا ہے چاند
شعاعوں کا وہ جگمگانا کہیں | ستاروں کا آنکھیں چرانا کہیں

گرا چمن کے پتوں سے نورِ قمر — کہ ہیرے کے ٹکڑے پڑے ہیں ادھر
ہوا پچے کاری کا یہ اہتمام — کہ مرمر پہ ہے جگ مگی کا کام
یہ سائے ہیں اوراق سے نور کے — کہ گل سنگِ موسیٰ پہ بلور کے
کہیں چہچہاتے ہیں کچھ طیور — کہیں شور کوؤں کا ہے دور دور
ستارے جو رہ رہ کے ٹوٹے ادھر — وہ مہتاب کے پھول تھے سر بسر
ہوئی چاندنی یہ تجلی فشاں — کہ ہے عالمِ وجد میں آسماں
صفا بام و در میں سمائی ہوئی — درختوں پہ حیرت سی چھائی ہوئی

ٹپکتا ہے ہر ایک شجر کا سکوت
فسبحانہ الذی لا یموت

بے نظیر

۳۔ چاندنی کی بہار

ہے اس ناز سے چاندنی جلوہ گر — کہ سکتے کے عالم میں ہے ہر شجر
تجلی سے وادی یہ معمور ہے — کہ موجِ ہوا موجۂ نور ہے
وہ پھول اجلے اجلے ہیں جو سامنے — کٹوری سی چاندی کی سر پر لیے
دکھاتے ہیں اس وقت کیسی بہار — کہ ہوں ٹوٹ کر جن پہ تارے نثار
چمک ریگ پر صحنِ بلور کی — بچھائے ہوئے چاندنی نور کی

یہ عالم جو دیکھا تو شکلِ کتاں — ہوا پارہ پارہ دلِ عاشقاں
جو بھیگی ہوئی آب رحمت سے رات — کہ تر دامنوں کی ہو جس سے نجات
وہ شبنم کی خنکی وہ ٹھنڈی ہوا — وہ اشجار آب رواں کی صفا
وہ شاخوں کا جھکنا لچک کر کہیں — وہ لہروں کا اٹھنا چمک کر کہیں
وہ میدان میں چاندنی کا سماں — وہ شبنم کا گرداس کے کچھ کچھ دھواں
نجوم و قمر کا وہ عکس آب میں — وہ پانی میں جلتی ہوئی مشعلیں

وہ ہر سمت چھایا ہوا نور بدر
وہ شب لیلۃ القدر کو جس کی قدر

بے نظیر

۴۔ تارے

کہاں ہے تو اے ساقیِ بزم زیب — کہ تاروں بھری رات ہے دلفریب
کواکب پر افلاک بھولے ہوئے — کنول حوضِ گردوں میں پھولے ہوئے
سمندر میں بہتے ہوئے یہ چراغ — نے صحنِ گردوں میں تاروں کا باغ
نہیں چاند کا گو فلک پر نزول — کھلے ہیں مگر چاندنی کے یہ پھول
سنہری بنی قدرتِ پاک کی — نبی یہ جھولوں میں افلاک کی
قنادیل روشن عجائب نگار — مصابیح آیاتِ پروردگار

تاروں کا یہ عکس تالاب میں — کہ لرزاں ہیں بجلیاں آب میں
تناسب سے قدرت نے چھوٹے بڑے — زبرجد کے گنبد میں ہیرے جڑے
یہ خورشید تاباں کے ٹانکے ہوئے — گہر چتر گردوں میں ٹانکے ہوئے
غضب جگمگاتی ہوئیں زرفشاں — بنا کامدانی کا تھان آسماں
بھری بوٹیوں سی ردائے فلک — بنی بیل خود کہکشاں کی سڑک
شب تار کی شان تانے ہوئے — جہاں نیند کی دل میں ٹھانے ہوئے
مگر چشم انجم جھپکتی نہیں — ستاروں کی بوندیں ٹپکتی نہیں
کچھ ایسا ہی خوفِ شب تار ہے — کہ ہر نجم اک چشم بیدار ہے
کھلے کوڑیالے سر کوہسار — کہ شبنم سے بھیگا ہوا سبزہ زار
جو سیارے رہتے ہیں ان میں رواں — وہ ہیں ان کی ترتیب کے پاسباں
جو ثابت ہیں محور بدلتے نہیں — کہ گرد اپنے پھرتے ہی چلتے نہیں
مرتب جو یہ شکل تنجیم ہے — مہ و سال کی ان سے تقسیم ہے
ہیں بوجھ سب کا سنبھالے ہوئے — فضا میں کروں کو اچھالے ہوئے
باہم ان میں جو ربط جذبات ہے — علی قدر جسم و مسافات ہے
کشش ان میں ہے اور تاثیر بھی — جداگانہ تکثیف و تنویر بھی
کچھ آباد کچھ ان میں خالی بھی ہیں — جلالی بھی ہیں کچھ جمالی بھی ہیں
وسیع اس قدر ہے فضائے جہاں — ہیں ذروں سے کم یہ کرے بیکراں

تپش دن کو خورشید تاباں کی تھی　　خبر کس کو اس بزم شاہاں کی تھی

فضا آب انجم سے دھوئی ہوئی
شب ماہ حیرت میں کھوئی ہوئی

بے نظیر

۵۔ دُمدار ستارہ

نہیں تارہ یہ دنبالہ دار نورانی　　حقیقت اس کی ہمیں نے ہی خوب پہچانی

جھکا ہے پیر فلک ہاتھ میں چنور لے کر
کرے گا آصفِ ذی جاہ کی مگس رانی

عالی

۶۔ پچھلی رات

وہ بھیگی ہوئی رات پچھلا پہر　　سیاہی کے پردے میں نور سحر

شفق کا ابھی گو نہیں کچھ نشاں　　سہانا مگر ہو چلا آسماں

پس پردہ جو کچھ ہے بازی گری　　ہے اب تک نظر بندیوں سے بھری

کوئی دم میں بازی گر آسماں　　چھپا دے گا یہ سب ہائے عیاں

خبر دے رہا ہے یہ رنگ فلک　　کہ تاروں نے دیکھی کسی کی جھلک

سمجھتے ہیں یہ سب جو حیران ہیں　　فلک پر کوئی دم کے مہمان ہیں

نکلنے پہ آئے گا جب آفتاب — خود اس کی تجلی بنے گی حجاب

ابھی گو گھڑی دو گھڑی رات ہے
مگر بین انوار ظلمات ہے

بے نظیر

ڈھلتی رات

ابھی جل رہا ہے قمر کا چراغ — کھلا ہے سر چرخ تاروں کا باغ
جو کہکشاں کی سڑک سے ابھر — شعاعوں سے پھڑکا ہے رات بھر
ہر اک سمت ہے کیا سہانا سماں — فرح بخش ہے کیسی تاروں کی چھاں
وہی مشعلیں جلتی ہیں آب میں — وہی پھول پھولے ہیں تالاب میں
تجلی کا ہے ہر طرف گو، ہجوم — مگر ماند ہونے لگے ہیں نجوم
پڑی ضو ستاروں کی مدھم مگر — ابھی ہنس رہا ہے چراغ قمر
نہیں، او گھتے ہیں تہجد گزار — پڑے ہیں کہیں مست شب زندہ دار
شعاعوں کا جھونکا جو آنے لگا — چراغ قمر جھلملانے لگا
شفق آسماں پر ہوئی خیمہ زن — گلابی رنگا چرخ نے پیرہن
دم صبح والفجر پڑھنے لگا — اجالا بھی دوڑ کے بڑھنے لگا
پڑا جیسے پانی پہ عکس شفق — نئی سطح دریا گلابی ہوئی

شعاعوں کی بڑھنے لگی اب بہار   بنا لالہ زار فلک شعلہ زار
سنہرا ہوا عارضِ چرخِ پیر
نکلنے پہ ہے آفتابِ منیر

بے نظیر

نمودِ صبح

نجومِ فلک جھلملانے لگے   چراغِ سحر ٹمٹمانے لگے
وہ ٹھنڈی ہوا اور تاروں کی چھاؤں   نزولِ ضیا کا وہ پیارا سماں
وہ [illegible] کی وہ چمن دلفریب   ٹہلنے سے وہ [illegible] نازیب
کھنچے کس لئے دل نہ ہر تان پر   کہ لے کر رہی ہے اثر جان پر
[illegible] ہوش کھونے لگی   ستاروں کو وحشت سی ہونے لگی
وہ بوٹوں میں کلیاں چٹکنے لگیں   وہ شاخوں پہ چڑیاں چہکنے لگیں
وہ شبنم نے چھڑکا چمن پر گلاب   نہ رہ جائے تاکہ کوئی سرگرمِ خواب
نسیمِ سحر گل کھلانے لگی   فضائے چمن رنگ لانے لگی
ضیا آسماں سے اترنے لگی   نظر دور تک کام کرنے لگی
عنادل گلستاں میں گانے لگے   طیورِ سحر دل لبھانے لگے
[illegible] صبح پڑھنے لگی   ضیا دمبدم اور بڑھنے لگی

وہ اللہ اکبر کی آئی صدا — نہا دھو کے مسجد چلے پارسا
وہ سب اوّلِ وقت پڑھ کے نماز — ہوئے محوِ تہلیل با سوز و ساز
وہ چڑیا پہاڑی وہ کالا کوا — ہوئے آ کے شاخوں پہ نغمہ سرا
ہوئی آسماں پہ وہ سرخی نمود — بنا کانِ شنگرف یہ چرخِ کبود
شعاعیں دکھانے لگیں وہ جھلک — ہوئی زعفرانی سب ہی فلک
شفق میں بسنتی کرن ضوفشاں — گلے مل رہی ہے بہار و خزاں
وہ زردی فضا اور گہری ہوئی — پہاڑوں کی چوٹی سنہری ہوئی

مطلا ہوا گنبدِ ہر شجر
برسنے لگا ہر طرف آبِ زر

بے نظیر

۹۔ سپیدۂ سحر

ریاضِ سحر میں جو پھولی شفق — ہوا رنگ تاروں کا یک بار فق
نہ وہ چشمکیں ہیں نہ وہ شوخیاں — نہ وہ جھمگھٹے ہیں سوئے آسماں
ستارے جو چمکے تھے افلاک پر — وہ آتے ہیں اب جابجا کچھ نظر
فراہم تھے پہلے جو انگور سے — وہ اک اک کر کے چمکتے ہیں اب دور دور
سحر کا جو دھڑکا ستانے لگا — فلک بھی اختراں چھپانے لگا

ستارے جو تھے زیبِ بزمِ فلک جھپکتی نہ تھی جن کی اک دم پلک
وہ ایک ایک کر کے روانہ ہوئے سحر ہوتے ہی سب فسانہ ہوئے
مگر کچھ وہی رنگ تزئینِ صبح چننے لگا انھیں دم میں گلچینِ صبح
سو وہ بھی ہیں کچھ جھلملاتے ہوئے ندامت سے آنکھیں چراتے ہوئے
تارے جو باقی رہے خال خال نہ ان کا رہا کچھ کسی کو خیال
جو تِل کی طرح تا بجا پا گیا انھیں چُن کے مُرغِ سحر کھا گیا
چھپائی تھی مہتابِ گردوں نے رات اسی کے یہ سب پھول تھے بے ثبات
فلک پر وہ دیکھو روشنی صبح کی وہ ہلکی سی مہتاب کی چاندنی
جو نجمِ سحر بھی لجانے لگا فلک اپنا بستر اُٹھانے لگا
شفق پھول کر رنگ لانے لگی نئی آگ دل میں لگانے لگی
کھڑی ہے الگ شمع بھی کیا اُداس پتنگوں کے کچھ ڈھیر ہیں آس پاس
اُٹھا ہر طرف رنگِ صبحِ بہار فلک پر کھلا یک بیک لالہ زار
ہوا صبحِ صادق کا جس دم یقیں تو بستر سے اُٹھنے لگے نازنیں
کسی کو کوئی گدگداتا اُٹھا کوئی مُنہ چھُپا کر لجاتا اُٹھا
گجر صبح کا غل مچانے لگا جو سوتے ہیں ان کو جگانے لگا
اذانوں کی آواز آنے لگی دعا تا سرِ عرش جانے لگی
ہوا جس گھڑی کم اذانوں کا شور اُٹھا دیر سے بید خوانوں کا شور

اُٹھا کوئی سرگرم حمد و سپاس
کوئی نیند کی جھونک میں بدحواس

بے نظیر

۱۰- نور کا تڑکا

تڑکا نور ظہور کا عالم
سر سے پا تک نور کا عالم

جھلمل جھلمل کرتے تارے
جی میں بھانے لگتے ہیں پیارے

پڑ گئی پھیکی چاندنی بالکل
ہوئی گو شمع ماہ بھی ہے گل

نورِ سحر کا مَل کر غازہ
حسن کیا ہے فلک نے تازہ

دی جو نسیمِ سحر نے تھپکی
بیماروں کی آنکھ ہے جھپکی

طائر اپنی اپنی زباں میں
محو ہیں حمدِ خدا کے بیاں میں

آئی صدا مسجد سے اذاں کی
طاعتِ حق کو دوڑے نمازی

سُن کر سنکھ کی دھوتو دھوتو
جانے لگے مندر کو ہندو

کوئی اُٹھا ہے کلمہ پڑھتا
بیٹھا ہے کوئی ہر ہر کرتا

کوئی اُٹھا انگڑائیاں لیتا
بیٹھا کوئی جمائیاں لیتا

بچے جو اُٹھے روتے روتے
ماؤں نے تھپکے سوتے سوتے

بیلوں کے کندھوں پر ہل رکھ کر
نکلا کسان ہے گھر سے باہر

کھیتوں میں بھٹکتی پھرتی ہے مگن
"تازہ و تازہ لے لو گمن"

سید علمدار حسین

۱۱۔ بہارِ صبح

یہ اٹھکھیلیوں پر نسیمِ سحر
کہ آتے ہیں جھونکوں پہ جھونکے ادھر

کھلے پھول غنچے چٹکنے لگے
چمن کے چمن لو مہکنے لگے

اڑی پھرتی ہے آج گل کی شمیم
کھلاتی ہے غنچوں کو موجِ نسیم

یہ سبزے پہ قطرے بچھائے ہوئے
کہ مخمل پہ موتی بچھائے ہوئے

ٹپکتی ہے شبنم جو وقتِ سحر
ہوئے حجر میں آنکھ گریاں شجر

ہر اک شے پہ چھایا ہے جو رنگ ہو
ہے سکتہ میں آئینہ آبِ جو

عجب وقت ہے یہ عجب ہے سماں
کہ حیرت کے عالم میں ہے آسماں

سہانی سحر یہ سہانی فضا
یہ مرغانِ خوش نغمہ خوش نوا

کبھی نغمہ زن طوطیِ خوش مقال
کبھی نالہ کش بلبلِ خستہ حال

ادھر ہر طرف جھینگروں کی صدا
فغانِ عنادل نے باندھی ہوا

وہ گلزار میں قمریاں نعرہ زن
وہ صحرا میں بوم و زاغ و زغن

وحوش اور چرند اور بنات و طیور
ہیں سرگرمِ تسبیحِ ربِ غفور

یہ ہوتا ہے گردِ سحر سے عیاں
کہ آتا ہے کوئی بڑا کارواں

وہ ظلمت کے سائے میں کچھ کچھ اثر
چھپا زیرِ دامانِ گردِ سحر

یہ دیکھا ہی تھا چشمِ ادراک نے
پڑھی آیۂ فتح افلاک نے

سنہری شعاعوں کے نیزے لئے
ہراول بڑھے لشکرِ صبح کے

شفق کے پھریرے اُٹھے چرخ پر
شعاعوں نے گاڑے علمہائے زر

لبِ جو تھا کہرے کا جو کچھ دھواں
چمکنے لگیں اس میں چنگاریاں

شعاعوں کے جاروب نے یک بار
کیا صحنِ افلاک کو بے غبار

سنہری شعاعوں کا عکس آب میں
کہ جو گھر کرے قلبِ بیتاب میں

چمک کر دکھاتا ہے یہ صاف صاف
کہ آئینے کا ہے سنہری غلاف

یہ نہروں میں عکسِ شفق کا نشاں
لگی آگ پانی میں اللہ کی شان

شعاعوں کی پانی پہ پچکاریاں
ہیں سطحِ بلوریں پہ گلکاریاں

درختوں کے سایہ کا حوضوں میں خلل
کہ شیشوں میں ڈھالے زمرد کے نخل

کھڑے ہیں خموش اب شجر صف بصف
کہ عالم ہے سناٹے کا ہر طرف

بے نظیر

۱۲ - صبحِ صحرا

فلک پر اُڑا وہ سنہرا غبار / منور ہوئے وادی و کوہسار

نجوم اپنی ہستی کو کھونے لگے / تجلی میں روپوش ہونے لگے

سحر لے کے آئینۂ آفتاب / ہوئی جلوہ افگن بصد آب و تاب

مطلّا پہاڑوں کی وہ چوٹیاں / دکھاتی ہیں اس وقت کیا کیا سماں

پڑے نخل اُن پر زرافشاں کرن / شعاعوں کی وہ کونپلوں پر پھبن

وہ سرسبز پودے طراوت بھرے / وہ شفاف چشمے لطافت بھرے

وہ شبنم کی دھوئی ہوئی ٹہنیاں / زمرد کی وہ قدرتی کلغیاں

وہ پانی کا جھرنا وہ چاندی کے تار / وہ شیشہ کی چادر وہ صاف آبشار

سرِ شاخ پھولوں کا گہنا کہیں / گلے مل کے نہروں کا بہنا کہیں

کہیں لالۂ سرخ ساغر بدوش / کہیں نرگسِ مست حیرت فروش

وہ نکھرا ہوا چہرۂ نونہال / وہ بکھرے ہوئے سنبلِ تر کے بال

کہیں پھول پھولے کہیں مرغزار / ریاحینِ خودرو کہیں بے شمار

وہ گنجان شاخیں شجر سایہ دار / پہاڑوں کے دامن میں وہ سبزہ زار

جمِ مرغ کوہی کا دنگل کہیں / چرندوں کا جنگل میں منگل کہیں

کہیں طائرانِ سحر نغمہ زن / کہیں چوکڑی بھر رہے ہیں ہرن

کہیں غول کے غول رعنا غزال | پرے کے پرے قمریاں یاقوت بال
پرندوں کا جھرمٹ بہ رنگ سحاب | کہیں جھنڈ چڑیوں کا بالائے آب
وہ دریا کا موجیں کہیں مارنا | اُبھاروں میں شیروں کا ڈنکارنا
کہیں غار میں جا گزیں تیندوے | کہیں کھوہ میں بیٹھے ہوئے اژدہے
درندوں کا جنگل میں وہ گھومنا | کہیں ہاتھیوں کا کھڑے جھومنا
کہیں گھاٹیوں پر درندوں کا زور | کہیں ڈالیوں پر پرندوں کا زور
وہ گلّوں کا چرنا چراگاہ میں | بچھا سبز قالین ہر راہ میں
وہ کیلے کا جنگل وہ آبِ رواں | ترائی میں لاکھوں جڑی بوٹیاں
چٹانوں پہ وہ چادرِ آبِ صاف | ہو چاندی کے پتر کا جیسے غلاف

سلیں سنگِ مرمر کی با آب و تاب
دکھانے لگیں پرتوِ آفتاب

بے نظیر

۱۳۔ صبحِ بہار

اللہ اللہ لطفِ صبحِ بہار | اک عجب کشمکش میں ہے گلزار
پھر رہی ہے نسیم اٹھلاتی | اس طرف آتی اس طرف جاتی
کبھی پھولوں کو چھیڑ آتی ہے | کبھی غنچوں کو جا ہنساتی ہے

کبھی شاخوں کو جا ہلا آئی گل کو جھولا کبھی جُھلا آئی
سبز پتوں پہ قطرے شبنم کے نظر آتے ہیں صاف موتی تر
نیم وا ہے ابھی کلی کوئی اور کوئی کھل کے پھول بن بیٹھی
ابتدا میں وہ باہمی الجھاؤ ایک کا دوسرے کیساتھ لگاؤ
پھر وہ کھلنے کا خوش نما منظر پھیلنا پنکھڑی کا تبسم کر
بلبلیں چہچہے سناتی ہیں چڑیاں آپس میں نغمے گاتی ہیں

الغرض ہے عجب سماں ہادی
کیا ہو تعریف اس کی قدرت کی

ہادی

۱۴۔ صبح چمن

دل نے چاہا باغ میں چل کر دیکھیں قدرت حق کے منظر
صبح چمن میں جب دم پہونچا عجب وہاں کا نقشا دیکھا
بادی بہاری ٹھنڈی ٹھنڈی پھولوں کی خوشبو سے لدی تھی
چھوٹے چھوٹے گلوں کے تختے صحن چمن میں کھلے ہوئے تھے
دیکھ کے قدرت کی گلکاری وجد میں تھی خود باد بہاری
پتوں پر شبنم کے قطرے گویا موتی ٹکے ہوئے تھے

سطح چمن پر سبزہ کیا تھا　　مخمل کا اک فرش بچھا تھا
ہاتھ میں تھا لالہ کے ساغر　　مست نسیم تھی اس کو پی کر
ایک طرف نرگس متوالی　　کسی کا رستہ دیکھ رہی تھی
محو مسرت شہد کی مکھی　　لب پھولوں کے چوس رہی تھی
صحن گلستاں باغ ارم تھا
اللہ اللہ کیا عالم تھا

ھادی

۱۵- صبح چمن

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چمن میں　　ڈال رہی ہی جان سی تن میں
باغ کا عالم دیکھئے کیا ہے　　صحن چمن کیا خوب سجا ہے
قطرے جو ہیں شبنم کے پڑے ہیں　　پتوں پہ گویا موتی جڑے ہیں
پیڑی پیڑی، کیا سنکا گیادی　　ستھری ستھری، پیاری پیاری
جوہی چنبیلی، سیوتی بیلا　　سب ہی خوبانی کھیلا
اس دم جتنا ملک زمیں ہے　　شبنم کے سب زیر نگیں ہے
مہک رہا ہے گلشن سارا　　نکھرا ہے گویا غنچہ سارا
باد سحر ہے جھونکا دیتی　　ڈال زمیں کا ہے بوسہ لیتی

ڈالی ڈالی ہری بھری ہے — بوٹا ہے یا سبز پری ہے
ٹہنی ٹہنی پر ہے پرندہ
گاتا گیت ثنائے خدا کا

سید علمدار حسین

۱۶۔ صبح بنارس

سہانی ہے کس درجہ تاروں کی چھاؤں — ٹہلنے کی خاطر مچلتے ہیں پاؤں
بچھائے ہوئے مرگ چھالے فقیر — لب نہر تڑکے سے ہیں جائے گیر
وہ جوگی بھی دھونی رمائے ہوئے — ہیں پوجے میں آسن جمائے ہوئے
وہ سیلے وہ جوڑے چمکتے ہوئے — وہ کانوں میں مندرے لٹکتے ہوئے
وہ گھنٹی بجاتے ہوئے برہمن — ہیں بت خانوں میں کس طرح نعرہ زن
نہانے کو وہ نازنینانِ شہر — چلی آتی ہیں کس طرح سوئے نہر
وہ تھالی میں سیندور چندن لئے — کوئی آ رہا ہے عجب آن سے
بنارس کی وہ ریشمی ساڑیاں — وہ گھونگھٹ لٹکتا ہوا الاماں
ہر اک کی نئی دھج نیا ڈھنگ ہے — لب گنگ اس وقت کیا رنگ ہے
نزاکت سے کوئی لچکتی ہوئی — ادھر آ رہی ہے جھجکتی ہوئی
جو اشنان کر کے چلی وہ اک پری — ہے اس کی نظر کیا ہی جادو بھری

جو اُلٹے ہے گھونگٹ کو وہ اک حسیں — ہے کس درجہ اس گال کی ساری جبیں

جو پیشِ نظر وہ پری زاد ہے — عجب اس کا حسن خدا داد ہے

وہ آتی ہے جو مسکراتی ہوئی — قیامت کا چیں بل دکھاتی ہوئی

جسے دیکھیے وہ پری حور ہے — نہ سنبھلے اگر قلب معذور ہے

جو چھپ چھپ کے وہ دیکھتی ہے ادھر — چبھوتی ہے در پردہ سو نیشتر

نہا کر جو نکلی ہے وہ سیم تن — ہوئی بھیگ کر ساڑھی جزوِ بدن

وہ آنچل سے جو چھپائے ہوئے — نگاہیں کسی سے لڑائے ہوئے

وہ آتی ہے اک شوخ رنگیں لباس — کہ ہر فعل جس کا ہے شستہ اساس

وہ گلگونا سے آ رہی ہے ادھر — چلے جیسے شعلے کے باد سحر

وہ ہر بار ٹھکرا کے سیڑھی کوئی — سناتی ہے جھنکار پازیب کی

نہائے ہوئے وہ جو آتا ہے غول — غضب کے سب اعضا ہیں ان کے سڈول

وہ بھیگے ہوئے بال بکھرے ہوئے — وہ چہرے بہت صاف نکھرے ہوئے

کسی کا وہ گورا چھریرا بدن — کوئی دہان پان اور رشکِ سمن

کوئی زلف ڈالے ہوئے دوش پر — کسی کی نزاکت سے دوہری کمر

کسی کا وہ اترا کے چلنا کہیں — کسی کا وہ گر گر سنبھلنا کہیں

بہت شوخ و مغرور ظاہر میں سب — لدیں سر سے پا تک جواہر میں سب

کوئی لو لگائے خدا کی طرف — نگاہیں جھکیں پشت پا کی طرف

کٹوری میں کوئی لے پھول پان کھڑی ہے وہ منڈ میں منڈ کی جان
کسی کا حیا سے ہر پاک خم کہ عصمت بھی کھائے اسی کی قسم
چترنی کوئی تو کوئی پدمنی کوئی ان میں رادھا کوئی جانکی
مہادیو کو جل چڑھا کر تمام
چلی جاتی ہے اپنے گھر شاد کام

بے نظیر

۱۷۔ طلوعِ آفتاب

چڑھا دن۔ کرن جھلملانے لگی کڑی دھوپ تیزی دکھانے لگی
کمندِ شعاعی پکڑ کر شتاب
سرِ بام وہ چڑھ گیا آفتاب

بے نظیر

۱۸۔ صبح کی چہل پہل

مہر کی لو سورج نے نظر کی کایا پلٹی دنیا بھر کی
شہر میں دیکھو کوئی گر مسکن دھوتی ہے کوئی گھر میں برتن
کوئی اٹھی ہے جھاڑو دے کر جھاڑ رہی ہے کپڑے بستر

بچوں کا منہ اک نے دھلا کر
رکھ دیا الگ کے ناشتہ لا کر

لڑکوں نے لے بغل میں بستہ
گھر سے لیا اسکول کا رستہ

میں آ۔ تو آ ۔ یہ آ ۔ وہ آ
آگ گئی بازاروں میں رچا

گھوڑا گھی ٹمٹم ۔ یکہ
شکرم ۔ تانگا ۔ بہلی ۔ چھکڑا

جس کے جدھر جی میں آگ سماتے
آتے جاتے نظر ہیں آتے

بائی سکل پر کوئی چڑھا ہے
پیدل کوئی آگے بڑھا ہے

منشی بابو فیشن ایبل
دیکھ رہے ہیں ٹائم ٹیبل

لیس ہوئی ہے خلقت ساری
کاروبار کی ہے تیاری

کوئی کہاں تک لکھتا جائے
کوزے میں دریا کیسے سمائے

سید علمدار حسینی

۱۹ ۔ گرما

گرمی کا ہوا ہے گرم بازار
جینے سے ہوئی ہے روح بیزار

دیکھو جسے رنگ چہرہ فق ہے
گرمی سے بدن عرق عرق ہے

لالی چہرہ پہ وہ نہیں ہے
نیلم لب لعل نازنین ہے

تسکین پیاس کو نہیں ہے
استسقا ہونے کا یقین ہے

گرمی از بس کہ بے سری ہے
کیا خاک اُڑاتی سر چڑھی ہے

پانی کے عوض زمیں پہ بارے
گردوں سے برستے ہیں شرارے

کیسا ہی مکان کو بناؤ
اور خس کی بھی ٹٹیاں لگاؤ

چھڑکی جائیں وہ گو دمادم
اور پنکھے بھی چل رہے ہوں پیہم

ہو دھوپ کا بھی بچاؤ ہر چند
رخنے ہوں شعاع آنے کے بند

پانی کی صراحیاں بھری ہوں
اور برف کی قلفیاں دھری ہوں

سامان طرب ہوں گو سراسر
پر چین کہاں جو پائیں دم بھر

جب بادِ سموم آئی سن سے
تناۓ نکل گئے بدن سے

رہنے کا کہاں رہے ٹھکانا
تنور ہے جو سرد خانہ

سیّد احمد عاشق

۴۰۔ گرما

ہوا میں تمازت کا ہے یہ اثر
کہ اُڑتے ہیں ذرّے بہ رنگِ شرر

نہ سایہ نہ سبزہ نہ پانی کہیں
دہکتی ہوئی وہ رتیلی زمیں

وہ لو اور گرمی خدا کی پناہ
کہ ریگِ بیاباں کی حالت تباہ

زمیں پر اگر رکھ دے لا کر کوئی
بھری مشک بھی سوکھ جائے ابھی

ذرا بھی اگر اس طرف کو اُٹھے — تو پائے نگہ میں پڑیں آبلے

پرندوں کا ہو اس طرف جو گزر

بلندی سے بھُن کر گریں خاک پر

بے نظیر

۲۱۔ آندھی

درختوں پہ سناٹا پیدا ہوا — غبار ایک جانب ہویدا ہوا

ہوا ایسی بڑھا جیسے شورش بڑی — یکایک اُمڈ کر کوئی ندی چڑھی

کہ اتنے میں جھونکے بھی آنے لگے — درختوں کی گردن جھکانے لگے

بنا صحن محشر کا تختہ وہ بن — گرے دور جا جا کے نخل کہن

غضب کی قیامت کی آندھی چلی — کہ رفتار سے رُک گئی ریل بھی

زمین و فلک پر یہ چھایا غبار — کہ یہ وقت ہے رشک شبہائے تار

یکایک جو تڑکا ہوا ابر کا — تو دی رعد نے بھی گرج کی صدا

بڑے زور سے مینہ برسنے لگا — کسی کے لیے جی ترسنے لگا

وہ سیلاب صحرا وہ ٹھنڈی ہوا — اِدھر اور اُدھر خوب پانی بھرا

اسے قفس میں دیر لگتی نہیں

نہ ہو اس سے مایوس کوئی حزیں

بے نظیر

۲۲۔ آندھی

سنا آندھی بھی کیا قیامت ہے — قہر ہے اک بلا ہے آفت ہے
ہوتا ہے کیا مہیب نظارا — خون بن جاتا ہے افق سارا
گرد کا شامیانا تنتا ہے — اک نیا آسمان بنتا ہے
سرسراہٹ کی اک صدا اٹھ کر — کرتی ہے سب کو پہلے ہی سے خبر
شور کرتی ہوئی جب آتی ہے — سر پہ دونوں جہاں اٹھاتی ہے
راہ میں سب کے پیچھے پڑتی ہے — مل گیا جو اسی سے لڑتی ہے
سخت جھونکے جب اس کے آتے ہیں — پاؤں چلنے میں ڈگمگاتے ہیں
خوف کھاتے ہیں بحر و بر اس سے — کانپتے رہتے ہیں شجر اس سے
کہیں رونق چمن کی کھوتی ہے — جا کے کشتی کہیں ڈبوتی ہے
باغ کو کرتی ہے خراب اک لخت — بیخ و بن سے اکھاڑتی ہے درخت
پوری طاقت پہ جب آتی ہے — چلتی ریلوں کو بھی گراتی ہے
کہیں کھپریوں کو گراتی ہے — چھپروں کو کہیں اڑاتی ہے
گھر پہ ہوتے ہیں اس کے جب حملے — رہنے پاتے نہیں بجا گملے
پٹختی ہے کواڑوں کو آ کر — توڑ دیتی ہے شیشوں کو اکثر
کہیں گلدان میز سے پھینکا — کہیں دو ٹکڑے آئینہ کو کیا

کہیں تصویر آ کے جھڑ سے گری — چمن سے لوٹی کسی جگہ چمنی

پگڑی ٹوپی وہ گیا رومال — بس میں رکھنا ہوا ان کا سخت محال

ریت کے ذرے منہ میں آتے ہیں — دانت رہ رہ کے کرکراتے ہیں

سر پہ بالوں کی ہے عجب حالت — جس کو دیکھو ہے بھوت کی صورت

کوئی کپڑوں کو جھاڑتا ہے کھڑا — آنکھیں رہ رہ کے ہے کوئی ملتا

جان کیوں کر نہ اس سے ہو بیزار — گرد کا ہر طرف ہے اک انبار

دری کا پتا نہ قالین کا — خاک کا فرش ہر طرف ہے بچھا

جب یہی آئے دن کا قصا ہے

اس کا ہادی فضول رونا ہے

ہادی

۲۳. نمود ابر

ہوا جب جلوہ پیرا خوش نما ابر — پکار اٹھے سبھی احسنت یا ابر

نہ ہو کیوں دل کو ٹھنڈک جسم کو نور — چمکتی برق ہے لو چھا رہا ابر

نضارت بڑھتی جاتی ہے بدن میں — چلا آتا ہے جل تھل جھومتا ابر

مزے کیا لے رہی ہے روح اپنی — برستا ہے عجب یہ جاں فزا ابر

نکلتے تھے شرارے جس زمیں سے — وہ ہے اب سبزہ زار پر فضا ابر

کے مٹی سے کیا حشرات پیدا   یہ اعجاز مسیحائی کیا ابر

نہ تھا طلب مانگ لے حق سے دعا تو
وہ رحمت پر ہے جب یہ گھرا ابر

نشاط

۳۴۔ آمد ابر

گھٹا اودی اودی یہ کیا چھا گئی   بہار چمن رنگ پر آ گئی
پروں کو ادھر مور تولے ہوئے   گھٹائیں ادھر بال کھولے ہوئے
وہ کوئل غضب کے بجاتی ہوئی   پپیہوں سے تانیں لڑاتی ہوئی
ہوا دوش پر شال ڈالے ہوئے   گھٹاؤں کے آنچل سنبھالے ہوئے
گھٹا میں وہ بجلیوں کی بر قطار   کہ ظلمت میں آب حیات آشکار
سیاہی میں یہ اُجلی اُجلی لکیر   رواں دامن کوہ میں جوئے شیر
یہ کہسار میں رہ چھوٹی ہوئی   سڑک سنگ مرمر کی کوٹی ہوئی
زمین و فلک پہ ہے مستی کا شور   گرجتے ہیں بادل کے چلائے مور
کبھی ابر گریاں کبھی خندہ زن   ہے بہلولنے کا سوانگ چرخ کہن

فلک پہ گرجتا ہے ابر مطیر
زمیں پر نہ کیوں رند گائیں کبیر

بے نظیر

۲۵۔ روانیِ ابر

یہ باریک بوندیں یہ گہری گھٹا
یہ سبزہ خنک اور ٹھنڈی ہوا

درختوں سے طائر اڑیں کیا مجال
پھواروں نے ڈالا ہے جالی کا جال

یہ نشو و نما کی سبک خیزیاں
نسیم و صبا کی دل آویزیاں

چمن کو گھٹا کا رسالہ چلا
کہ لد کر صبا پر اٹھا لا چلا

گرج بادلوں کی سناتی ہوئی
بہار آئی ڈنکے بجاتی ہوئی

ٹھہرنے کا جو نام لیتا ہے آج
اسے گھڑکیاں رعد دیتا ہے آج

جو کستا ہے شوخی کچھ ابرِ رواں
لگاتی ہیں کوڑے اسے بجلیاں

گھٹا رقص پردازِ مستی ہے آج
کہ موروں پر آوازے کستی ہے آج

بلندی کو نظروں میں تولے ہوئے
یہ پریاں اتریں بال کھولے ہوئے

ہر ایک اپنی رفعت دکھانے لگی
کہ گر گر دلوں میں تھگلی لگانے لگی

ہوا چٹکیوں میں اڑاتی ہوئی
انھیں انگلیوں پر نچاتی ہوئی

گرج شورِ تحسین اٹھائے ہوئے
زمیں آسماں پر چڑھائے ہوئے

یہ سرگرمِ زینت فروشی گھٹا
کہ آنچل لٹکنے نہ پائے ذرا

مگر زورِ مستی سے چلتا نہیں
ہوا میں دوپٹہ سنبھلتا نہیں

گھٹا کو ہیں عشرت بجاتی ہوئی
سلامی کی توپیں چلاتی ہوئی

یہ مست بادل جو چھائے ہیں آج
یہ پابوسِ ساقی کو آئے ہیں آج

بے نظیر

۳۶۔ رونق بارش

جو سوکھی زمیں پر ترشح ہوا — نکلتی ہی بوندوں کی سوندھی ہی کیا
گرجتے ہیں بادل چمکتی ہے برق — ہوا صحن کا صحن پانی میں غرق
گئی نیند اُچٹ پانی کے شور سے — بہی جاتی ہیں نالیاں زور سے
ٹپکتی ہے بنگلے کی وہ اُولتی — کہ ہے تارِ سیمیں کی چلمن پڑی
ہوا زور سے چلتی ہے بار بار — پہنچتی ہے کمروں کے اندر پھوار
بنا ہے جو دہ ثمین کا سائبان — ہو اس وقت ارگن کا اس پر گماں
عجب لے سے پانی برستا ہے آج — کہ زاہد بھی مے کو ترستا ہے آج
پرنالوں پہ کیا لطف نظارہ ہے — کہ جو لوٹا ہے ایک فوارہ ہے
صبا کے چلے پیچ جو کھائے ہیں آج — تو پودے بڑوں کو جھکائے ہیں آج
چلی آتی ہے بدلیوں کی قطار — ہوا کے ہیں گھوڑے یہ بادل سوار
دھواں دھار اس وقت چھایا ہے ابر — فلک پر یہ مست آیا ہے ابر

اُٹھی شاخِ گل سبز پوشانِ باغ — ہوا غسل سے ہر شجر کو فراغ

یکایک رکی بوند ٹھہری ہوا — نظر آتی ہے اور ہی کچھ فضا

تر و تازہ ہر نخل ہے شاد کام — لبالب ہیں پانی سے تھالے تمام

وہ باغوں میں جھولے پڑے بے شمار — وہ ساون کے گاتے ہیں گلعذار

وہ آموں کے اشجار پر سامنے — کوئی کوکتا ہے پپیہا زور سے

یہ ہے اس صدا کا اثر کان پر — کہ دل لوٹ جاتا ہے پھر تان پر

اُدھر کہہ رہا ہے کوئی پی کہاں — سنا یہ تو قالب میں پھر جی کہاں

کہیں کوئی چلا رہا ہے کہاں — ذرا دیکھنا اس گھڑی کا سماں

پروں کو سمیٹے ہوئے وہ طیور
درختوں پہ بیٹھے ہیں کیا دور دور

بے نظیر

۲۷۔ بادل کا کھلنا

چھٹا ابر ہیں دھوپ کے کچھ نشاں — پرندے بھی ہونے لگے پر فشاں

وہ ہر شاخ پر کوئلیں بار بار — اُڑاتی ہیں نکھری ہوئی کیا ملار

اُدھر سے اُٹھا لو پپیہوں کا شور — اُدھر تانیں کیا کیا لگاتے ہیں مور

ہے قوسِ قزح چرخ پر جلوہ گر — ابھی تک نہیں آتا سورج نظر

ہوئی شوخ ہر رنگ کی آب بہار — دھنک میں شعاعیں ہوئیں آشکار

پڑیں زرد کرنیں وہ ہر برگ پر — زمرد پہ چڑھنے لگا آب زر

ہوا سے ہٹی ابر کی جو نقاب — یکایک ہوا جلوہ گر آفتاب

نہ وہ سیل ہے اب نہ چھائی گھٹا — بھری ہیں مگر نالیاں جا بجا

شکایت ہے گلیوں میں کیچڑ کی عام — ہیں پر صاف بستی کی سڑکیں تمام

یہ سب دیکھتے تھے جو لیٹے ہوئے — چلے اب وہ دامن سمیٹے ہوئے

ہوئی رونق تازہ ہر کار میں — نکلنے لگے لوگ بازار میں

کسان اور دہقان بایک دگر — کدال اور ہل رکھ کے خود دوش پر

وہ بیلوں کو اپنے ہنکاتے ہوئے — چلے نٹ طاری وہ گاتے ہوئے

وہ کیڑے مکوڑے ہزاروں ادھر — لگے رینگنے ہر طرف خاک پر

وہ تالاب آئی تھی کل جس میں گرد — نکل آئے مینڈک وہاں زرد زرد

وہ کیڑے کہ جو سر بسر خاک تھے — وہ پانی کے پڑتے ہی سب جی اٹھے

سمجھ میں نہیں آتی کچھ اور بات
مگر تھا یہ باران آب حیات

بے نظیر

۲۸۔ برسات

رت ہے برسات کی بہت پیاری
موج زن جھیلیں ندیاں ساری

کھیت دھانوں کے لہلہانے لگے
کر رہے ہیں نظر کی دلداری

بدلیاں چھا رہی ہیں گردوں پر
زرد، اودی، سنہری، زنگاری

کیا ہری دوب جنگلوں میں ہے
سبز مخمل سے ہے سوا پیاری

ہر طرف کھل رہے ہیں گل بوٹے
جن سے شرمندہ باغ کی کیاری

۹

۲۹۔ برسات کی بہار

برسات ہے کیا بہار آئی
قدرت نے دکھائی کبریائی

ہے ابر سیہ فلک پہ چھایا
رت بدلی، نیا سماں ہے آیا

اب فتح کے بج رہے باجے
دنیا میں ہیں میگھ راج باجے

اس فتح کی ہے کوبکو شادی
عشرت کی ہے چار سو منادی

سبزہ ہے اُگا روش روش پر
قدرت نہیں خار کو خلش پر

قطرے شبنم کے کیا پڑے ہیں
ہیرے الماس پر جڑے ہیں

سبزہ نہیں لہلہاتا بن میں — نکلا ہے زمیں کا پھوٹ جوبن
جب سے پیکِ صبا نے آ آ — مژدہ ہے بہار کا سنایا
غنچے آپس میں مسکرائے — بے ساختہ گل بھی کھلکھلائے
پھولے ایسی خوشی میں آ کر — جامے سے نکل پڑے ہیں باہر
باندھے ہوئے شبنمی عمامہ — پہنے ہوئے سرخ و سبز جامہ
گل مثلِ عروس ہیں سراپا — اور برگ بنے ہوئے ہیں دولہا
طاؤس چنور کئے ہوئے دم — ہے رقص میں بیخودی سے وہ گم

بھینی بھینی گلِ تبسم خوشبو
ٹھنڈی ٹھنڈی نسیم ہر سو

سید احمد عاشق

۳۰۔ ساوُن کا مہینہ

موسمِ برسات آیا دل ہوا پھر نغمہ گر — پھر غمِ حال و گزشتہ سے ہوا دل بے خبر
جھوم کر آنے لگی پچھم سے پھر کالی گھٹا — اب نہیں معلوم ہوتا شام ہے یا دوپہر
پھر لگا پکوان ہونے پھر کڑھائی چڑھ گئی — لڑکیاں آنے لگیں پھر شاد اور خرم نظر
کوئی ماں سے کہتی ہے چندری تو رنگوا دیجئے — کوئی کہتی ہے مجھے درکار ہے جھولا پڑے
ہر مکاں سے پھر ہمارے کان میں آنے لگی — "جھولا کن ڈالو ری" کی آواز ہر شام و سحر

کیا مزہ ہوتا ہے جب کرتی ہیں ہم سے سہیلی — او کھڑی ہو جاتی ہیں پھر ہم سے بگڑ کے جا کر
الغرض ہر سمت پھیلی خرمی ہے آج کل — کر رہی ہیں لڑکیاں اٹکھیلیاں باہم دگر

سچ تو یہ ہے یہ مہینہ ہے نہایت لطف خیز
اس میں شاداں رہتے ہیں خواہی نخواہی ہر بشر

عزیزہ خاتون

۳۱۔ جوشِ بارش

کچھ عجب بارش نے آکر جوش پیدا کر دیا
جس طرف دیکھو وہیں ہے غول بچوں کا کھڑا
کودتا ہے شوق میں ہو ہو کے کوئی بے قرار
خود بخود کوئی پھسل کر گر رہا ہے بار بار
مل رہا ہے کچھ اسی تفریح میں سب کو مزا
ایک کو چاروں طرف دوڑا رہا ہے دوسرا
ہر طرح کی ان میں باہم ہو رہی ہے دل لگی
مار دیتا ہے کسی کو بے خبر پا کر کوئی
دوسرے کا ایک پر جب وقت چل جاتا ہے داؤں
بے تحاشا کھینچ لیتا ہے پکڑ کر اس کا پاؤں

ہیں کہیں جھولے کہیں ساماں ہیں پکوان کے
دل خوشی سے آج ہیں لبریز ہر انسان کے
گا رہے ہیں مست ہو ہو کر ترانے شوق کے
چھیلیں کرتے پھر رہے ہیں ہر طرف چھوٹے بڑے

ھادی

۳۲ - سوزِ فرقت اور شبِ ابر

اٹھی ہے جو کالی گھٹا اس طرح
مجھے کل پڑے بے ترے کس طرح
اندھیرے میں بجلی کا یہ کوندنا
مرے دل کی حسرت کا یہ ڈھونڈنا
یہ ساون کی راتیں یہ گھرا سا ابر
بھلا کس طرح آئے پھر دل کو صبر
تڑپتا ہوں جز شوق دے کون ساتھ
نہیں سوجھتا ہاتھ کو آج ہاتھ
یہ سنّاٹا پانی کا ٹھنڈی ہوا
وہ حسرت بھری بانسری کی صدا
جو اٹھتی ہے چاروں طرف یہ کبھی آ
انی کی طرح ہوتی ہے دل کے پار
درختوں پہ جگنوؤں کی بہار
کہ اڑتے ہیں نالوں سے میرے شرار
میں سکتے میں تھا موروں کے شور سے
گرجنے لگا رعد بھی زور سے
ہوئے جاتے ہیں ایک اب بحر و بر
برسنے لگا ابر جی کھول کر

بہت زور سے چل رہی ہے ہوا
عجب کیا کہ چھٹ جائے دم میں گھٹا

ادھر دیکھو وہ کھل چلا آسماں ستارے بھی ہو اک مجھے عمر فشاں
بڑھانے کو دل کا مرے اضطراب وہ چمکیں شعاعیں میان سحاب
لئے ہاتھ میں نیزہ ہر اک کرن لگی کھولنے بند زخم کہن
نظر آتی ہیں دور جو جھاڑیاں ہے اس دم درندوں کا ان پر گماں
یہ لو چاندنی میں ہوا دشت غرق لگی لوٹنے میرے سینے پہ برق
وہ کوئل پپیہا وہ چلائے مور یہاں بڑھ گیا اور وحشت کا زور
غضب چھوٹتی چھوٹتی کرنیں ادھر سر آب ہیں کس طرح جلوہ گر
شب ہجر میں آج یہ چاندنی کھلاتی ہے ہیرے کی مجھکو کنی
جگر پارہ پارہ ہے دل چور ہے بشر ہائے کس درجہ مجبور ہے
نہ ہے چین دل کو نہ آنکھوں میں خواب بنا ہوں میں سرتا بہ پا اضطراب
فلک پر ثوابت نہ سیارے ہیں انگیٹھی ہے گردوں پہ انگارے ہیں

مرے رب مرے ارحم الراحمین
سحر ہوگی اس رات کی یا نہیں؟

بے نظیر

٢٣- برکھا رت اور پردیس

بیزار اک اپنی جان و تن سے
بچھڑا ہوا صحبت وطن سے

غربت کی صعوبتوں کا مارا
چلنے کا نہیں ہے جس کو یارا

غم خوار ہے کوئی اور نہ دلجو
اک باغ میں ہے پڑا لب جو

ہیں دھیان میں کلفتیں سفر کی
آپے کی خبر ہے اور نہ گھر کی

ابر اتنے میں اک طرف سے اُٹھا
اور رنگ سا کچھ ہوا کا بدلا

برق آ کے لگی تڑپنے پیہم
اور پڑنے لگی پھوار کم کم

سامان ملے جو دل لگی کے
یاد آئے مزے کبھی کبھی کے

دیکھے کوئی اس گھڑی کا عالم
وہ آنسوؤں کی جھڑی کا عالم

وہ آپ ہی آپ گنگنانا
اور جوش میں آ کبھی یہ گانا

اے چشمۂ آب زندگانی
گھٹیو نہ کبھی تری روانی

جاتی ہے جدھر تری سواری
بستی ہے اُسی طرف ہماری

پائے جو کہیں مری سبھا کو
دیتا ہوں میں بیچ میں خدا کو

اول کہیو سلام میرا
پھر دیجیو یہ پیام میرا

قسمت میں یہی تھا اپنے لکھا
فرقت میں تمہاری آئی برکھا

آتا ہے تمہارا دھیان جس دم
مرغابیاں تیرتی ہیں باہم

ہم تم یونہیں صبح و شام اکثر
تالاب پہ تیرتے تھے جا کر

جب سبزہ و گل میں لہلہاتے
الفت کے مزے ہمیں یاد آتے

ہم تم یونہی ہاتھ میں دیئے ہاتھ
پھرتے تھے ہوائیں کھاتے دن رات

جب پیڑ سے آم ہے ٹپکتا
میں تم کو ادھر ادھر ہوں تکتا

رت آم کی آئے اور نہ ہو یار
جی اپنا ہے ایسی رت سے بیزار

ہے سرد ہوا بدن کو لگتی
پر دل میں ہے آگ سی سلگتی

نشتر کی طرح تھا دل میں چبھتی
فریاد یہ دردناک اس کی

تھا سوز میں کچھ ملا ہوا ساز
بگڑا کیا دل سن اس کی آواز

حیرت رہی دیر تک کہ آخر
روتا ہے کہاں کا یہ مسافر

پر غور سے اک نظر جو ڈالی
نکلا وہ ہمارا دوست حالی

حالی

۳۴۔ کثرت بارش

کیا کہوں اب کے کیسی ہے برسات
جوشِ باراں سے بہہ گئے ہیں پات

بوند تھمتی نہیں ہے اب کے سال
چرخ گویا ہے آب و غربال

جیسے دریا اُبلتے دیکھے ہیں
یاں سو پرنالے چلتے دیکھے ہیں

وہی یکساں اندھیرے ہے | آسماں چشم وا کو ترسے ہے
ماہ و خورشید اب نکلتے ہیں | تارے ڈوبے ہوئے اچھلتے ہیں
روز و شب یاں کا یہ چمکا ہی | ان دنوں رنگ برق چمکا ہے
ابر رحمت ہے یا کہ زحمت ہے | ایک عالم غریق رحمت ہے
نہ ہے جلسہ نہ ربط یاراں ہے | شہر میں ہے تو باد و باراں ہے
آدمی ہیں سو کب نکلتے ہیں | مردم آبی پھرتے چلتے ہیں
ہر طرف ہیں نظر میں ابر سیاہ | پانی ہر جس طرف کو کیجیے نگاہ

لکھئے کیا میر مینہ کی طغیانی
ہو گئی ہے سیاہی بھی پانی

میر

۳۵۔ برسات میں اپنے گھر کی حالت

جسم خاکی میں جس طرح جاں ہے | اس طرح خانہ ہم پہ زنداں ہے
ظلمتیں اس کی سب پہ روشن ہیں | زندہ در گور ہم کئی تن ہیں
ہے جو سر کوب اک بڑی دیوار | واں سے چھانکو تو ہر اندھیرا تار
بخت بد دیکھ سارے پرنالے | اس کے منہ نے ادھر ڈالے
اب جو آیا ہے موسم برسات | دن کو ہے اپنے ہاں اندھیری رات

پر تلک تنکے تھے کچھ ایک نئے — سو وے چڑیوں کے گھونسلوں کو گئے

دل ہی کچھ مکڑیوں کا احسان مند — کہ جنھوں نے کئے ہیں جھانکے بند

پھوس کچھ ہے کہیں سو آٹلے ہے — بانس کو جھینگروں نے چاٹا ہے

اپنے بندھن سے جو کہ چھوٹا ہے — ہم پہ گویا وہ بانس ٹوٹا ہے

کیا کہوں آہ گھر ہے کہنے کو — باندھتا ہوں مچان رہنے کو

بند جھانکوں کو کیجئے تا کے — یاں تو ایک آسمان ٹوٹا ہے

ٹھیکی دینے کو جا نسے ہیں ہم — سر پہ ٹٹر لئے کھڑے ہیں، ہم

ٹٹیاں تھیں جو آگے چھپر کے — بہتی پھرتی ہیں صحن میں گھر کے

تا گلے سب کھڑے ہیں پانی میں — خاک ہے ایسی زندگانی میں

اب تو اپنا بھی حال بدتر ہے — سر پہ گھڑی ہے نشیب چھپر ہے

چاک اسی ڈول سے ہے ہر دیوار — جیسے چھاتی ہو عاشقوں کی فگار

گھر کی صورت جو دم ہوتی ہے — چھت بھی بے اختیار روتی ہے

مینھ یک بارگی جو ٹوٹ پڑا — کڑی تختہ ہر ایک چھوٹ پڑا

دست و پایان کار ٹوٹ بہے — طاقچے بھر رہے تھے پھوٹ بہے

بہ گئے کولے تختے ڈوب گئے — غرض اجزائے سقف سب گئے

اکھڑی دہلیز سب منڈیر گری — لہر پانی کی جھاڑو دیتی پھری

ساری نیاؤ پانی نے کاٹی — اینٹ سے گھر کو کر دیا ماٹی

جھک گئے سب ستون وہ بیٹھا — وہی چھپر کھڑا ہے گھر بیٹھا

جب اجارے پہ آ کے چھت ٹھیری — ہم سبھوں میں یہ مصلحت ٹھیری

آؤ اب چھوڑ کر یہ گھر نکلیں — کسو ٹٹی پہ بیٹھ کر نکلیں

دب کے مرنے سے دور رہنا خوب — ہے کنارا یہاں سے کرنا خوب

گٹھڑی کپڑوں کی میں اٹھائی تھی — سر پہ بھائی کے چارپائی تھی

بوجھ کپڑوں کا جس نے باندھا تھا — اس کا سارا فگار کاندھا تھا

ساتھ کوئی چراغ لے نکلا — کوئی سر پہ اجاغ لے نکلا

چھاج کی کوئی کر کے اوٹ چلا — مینہ کے مارے کوئی لوٹ چلا

ایک نے بوریا لپیٹ لیا — اور پایا جو کچھ سمیٹ لیا

اپنا اسباب گھر سے ہم لے کر — انگنی سب کے ہاتھ میں دے کر

ضعف کی صف نکلی اس خرابی سے — تاکہ پہونچیں کہیں شتابی سے

جس نے اس وقت آنکھ کو کھولا — ہنس کے بے اختیار وہ بولا

میرجی اس طرح سے آتے ہیں — جیسے کنجڑے کہیں کو جاتے ہیں

سن کے اس بات کو ترسے ہم — بارے ایک بھائی کے گھر آئے ہم

شب سے رہنے کو اب تلک ہیں خراب — نہیں ملتا ہے گھر بقدر حباب

جس میں خوش یک نفس معاش کریں

طور پر اپنے بود و باش کریں

میر

۳۶۔ اوائل سرما

نظر آتے ہیں جتنے تالاب خام — وہ اوڑھے ہیں کھمبی کی چادر تمام
میسر نہیں یہ بھی کپڑا اگر — سنگھاڑوں کے پتوں سے ڈھانکے ہیں سر
وہ پانی پہ کائی بھی جمنے لگی — وہ کچھ دھار دریا کی تھمنے لگی
وہ ندی کا زوروں پہ بہنا نہیں — وہ پانی بھی جھیلوں کا میلا نہیں
کلنگ اور سرخاب باندھے قطار — گرے آکے جھیلوں پہ وہ بے شمار
کنارے کنارے وہ بگلوں کی صف — حواصل ممولے بطیں ہر طرف
برابر جو بیٹھے صفیں باندھ کر — کھچیں جدولیں صفحۂ آب پر

پئے سیر اب لوگ جانے لگے
شکاری بھی جھیلوں پہ آنے لگے

بے نظیر

۳۷۔ موسم سرما

چلی زور سے کیا ہوا رات کو — قیامت کا پالا پڑا رات کو
رضائی میں چھپ کر جو لیٹے ہیں آج — گلوبند سر سے لپیٹے ہیں آج
تھا جن جن کو نازک مزاجی پہ لاف — ہیں لادے ہوئے وہ بھی جھابا لحاف

گری برف ٹھیری جو ٹھنڈی ہوا　　رگوں میں لہو آب ہو جمنے لگا
دم بستگی ہے زور سردی کا اور　　جدھر دیکھو ہے چائے و قہوہ کا زور
دوشالے دکھاتے ہیں کیا کیا بہار　　کوئی شال اوڑھے کوئی جامہ وار
عمامے کا چلتا نہیں زور و پیچ　　ہے سردی کے آگے دلائی بھی ہیچ
وہ گل جن کو ڈھاکے کی ململ تھی بار　　نہیں آج کمل سے بھی ان کو عار
قبا تھی گراں جن پہ تنزیب کی　　پہنتے ہیں اب کوٹ اچکن وہی
جو کہتے تھے اپنے کو آتش مزاج　　چڑھائے ہیں دستانے ہاتھوں پہ آج
کہیں کمرے میں تاپتے ہیں حسیں　　کوئی ہاتھ ہی سینکتا ہے کہیں
وہ رنگیں کپڑے چمکتے ہوئے　　انگیٹھی میں کوئلے دہکتے ہوئے
نہیں باقی مطلق درختوں کی چھاؤں　　ہوا میں ٹھٹھرتے ہیں اب ہاتھ پاؤں
نہیں پشمینے سے خالی کوئی دوکان　　اترتے ہیں بانات پھلور کے تھان
نزاکت بھری نکہتوں کی وہ فرد　　کہیں سرخ و سبز اور کہیں زرد و زرد
غرض سب کے لب پر ہے سردی کا ذکر　　مگر فضل حق سے یہاں کیا ہے فکر
فقیر اپنے کمل میں بیٹھا ہے مست　　پیالے پہ چڑھتا ہے جام الست
ردائے نگاری ہے لطف عجیب　　رزائی کی جا ہے رضائے حبیب
جو مجمر ہے سینہ تو دم شعلہ بار　　ہیں انگارے داغ غم عشق یار
لگائے ہوئے سوز دل کا الاؤ　　فقیر اپنی مونچھوں کو دیتا ہے تاؤ

قریب آٹھ بجنے کے پہنچے مگر ابھی تک نہیں آتا سورج نظر

یہ معلوم ہوتا ہے۔ ہے وقت شام

قیامت کا چھایا ہے کیسا اتمام

عجب تغیر

۳۸۔ جاڑے کی بارش

چھپا سورج گھٹا آئی فلک پر بڑھی سردی ہوا چلتی ہے صرصر

لو اب بوندیں بھی کچھ پڑنے لگی ہیں مہاوٹ کا مزا دکھلا رہی ہیں

گھٹا میں کچھ ہے بجلی کی چمک بھی گرج بھی آسماں پہ ہے کڑک بھی

لگے پڑنے تپا تپ خوب اولے کوئی سردی میں کیوں کر ہاتھ کھولے

پڑا ہر ایک کو جاڑے سے ہے پالا ہوا ہے کار کمبل اور دوشالا

بدن پر لاد رکھا ہے اوور کوٹ نئے ہیں اس میں ہم سردی کی کھا چوٹ

نہیں کچھ کام دیتی ہے رزائی بہت پیروں تلے ہم نے دبائی

ہوئے سردی سے دونوں ہاتھ لکڑی کوئی چیز اب نہیں جاتی ہے پکڑی

ہوا ہے تھامنا مشکل قلم بھی نہیں ہے انگلیوں میں اتنا دم بھی

شکایت ہے بہت سردی کی گھر گھر سب انساں کانپتے رہتے ہیں تھر تھر

پرے لگتے ہیں بادل آسماں پر

گھٹا سردی کی چھائی ہے جہاں پر

وجاہت

۳۹۔ کہرا

برس مینہ دو دن میں کھل بھی گیا — و لیکن ہے کہرا لطیفہ نیا
کہ اندھیر تھا جیسے ظاہر ہو دود — ہوئے ہونٹ سردی سے سب کے کبود
دل اس دود تیرہ سے گھبرا گیا — کہیں آگ دیکھی تو جی آ گیا
یہی چال تھی ایک دو چار کوس — تو ٹھنڈی ٹھنڈی پڑی ایسی اوس
تراکم قیامت تھا اشجار کا — ستم پھر ہوائے ستمگار کا
کہ اس مرتبہ بارد و سرد تھی — ہوئی گن مگر برف پرورد تھی
بلا دھوم سے کوئی گھبرا پڑے — جنھیں دیکھو دے کانپتے ہیں کھڑے

ہوا سرد ہو کر گئی جان مار
اٹھایا بڑا لطفِ سیر و شکار

میر

۴۰۔ دوپہر

قریب آتی جاتی ہے اب دوپہر — پگھلنے لگی برف کہسار پر
صدا پتیوں سے نکلنے لگی — ہوا بھی ذرا تیز چلنے لگی
قریب آ گئی وہ درختوں کی چھاؤں — ہوئے خوب قابو میں اب ہاتھ پاؤں

چرائی سے پھرنے لگے جانور — وہ پانی پہ گرنے لگے جانور
وہ ہر لہر بجلی دکھانے لگی — نظر پانی پہ تلملانے لگی
بہت صاف ہے گو سپہر کہن — وہ منڈلا رہی ہیں مگر کچھ زغن
درختوں پہ بیٹھے ہیں کچھ دور دور — وہ اڑتے ہیں نالوں پہ بھی کچھ طیور
ہرن اور چیتل نکلنے لگے — وہ پی پی کے پانی اچھلنے لگے

ہوئے آب شیریں سے جو بہرہ ور
تو کیا کیا کلیلوں پہ ہیں جانور

بے نظیر

۱۴۔ سہ پہر سرما

ڈھلا دن سنہری ہوئی سطح آب — پہاڑوں میں چھپنے لگا آفتاب
دکھاتے ہیں چوٹی وہ زریں کھجور — گیا بھاگ کر سایہ تاڑوں کا دور
شعاعوں کے ٹیلوں پہ ہیں کچھ نشان — چلے گاؤں کو گلّے لے کر شبان
وہ مزدور سڑکوں سے آنے لگے — سرا کو مسافر بھی جانے لگے
کھنچا سرخ پردہ وہ افلاک پر — نہیں آتا اب زرد سورج نظر
وہ جو لکّۂ ابر ہیں دور تک — ہے ان میں بھی یاقوت کی سی چمک
شفق پھول کر یہ ہوئی خوں فشاں — بنا عرصۂ قتل گہ آسماں

ہوا ہر طرف ایک سکوت آشکار تھا کم ہوئی ٹھیری دریا کی دھار
جو تھوڑی سی آتی تھی بدلی نظر وہ سونے کا پتر بنی سر بسر
ہوا جھٹ پٹا وقت ۔ بدلا سماں لگا کھولنے جعدِ شب آسماں
نہیں بدریوں میں بھی اب وہ چمک بنا گنبدِ سنگِ موسے فلک
فلک روشنی دن کی کھونے لگا . اندھیرا سا باغوں میں ہونے لگا

درخت اپنے چہرے چھپانے لگے
بخارات دریا پہ چھانے لگے

بے نظیر

فصل سرما ۔ ۴۲

ڈھکی چوٹیاں برف سے سر بسر کہ چاندی چڑھائی ہے کہسار پر
کھلے پھول گیندے کے وہ زرد زرد چلی آتی ہے کیا ہوا سرد سرد
وہ گل مہندی پھولی کھلے گلفرنگ چمکتا ہوا وہ ہزارے کا رنگ
وہ نیلم کے ساغر لئے کاسنی وہ سورج کی ہم شکل سورج مکھی
وہ گوبھی کے پتے اکڑنے لگے بتاشے بھی دو چار پڑنے لگے
اناروں میں کلیاں بھی اب آ گئیں وہ کیلوں کی پھلیاں بھی گدرا گئیں
بہی سیب امرود پکنے لگے وہ شاخوں میں کولے چٹکنے لگے

وہ پک کر شہتوتے بھی سب کھل گئے — ٹپک پڑتے ہیں جو ذرا ہل گئے
لدی ہیں وہ خستل پہ نارنگیاں — ٹوٹی پڑتی ہیں بوجھ سے ڈالیاں
ہزارے لٹکتے ہیں کیا لال لال — جڑے ہیں زمرد کے جھاڑوں میں لال
غضب عشق پیچاں کا شاخوں پہ بیل — وہ نازک وہ باریک پتی کی بیل
تراشے ہیں قدرت نے کیا بے مثال — کرن پھول یاقوت کے لال لال
وہ کچھ پھول سرسوں پہ آنے لگے — ذرا کھیت جوبن دکھلانے لگے
کہیں چھوٹے چھوٹے وہ چیری کے پھول — کہیں اودے اودے وہ السی کے پھول
نظر آتی ہے صنعِ ربِ انام — زمرد کی چھڑیوں پہ نیلم کی شام

ہوا جب اڑاتی ہے جنگل کی ریت
تو کیا لہلہاتے ہیں گیہوں کے کھیت

بے نظیر

۴۳ ۔ بہار

بہار آئی اک دھوم سی مچ گئی — عروسِ چمن رنگ میں رچ گئی
صبا میں جو کچھ گدگداہٹ سی ہے — لبِ غنچہ پر مسکراہٹ سی ہے
ہوا میں یہ کیفِ مئے ناب ہے — چمن کا چمن مست و شاداب ہے
غضب بھینی بھینی گلوں کی مہک — ستم ہلکی ہلکی ہوا کی سنک

جوگاتے ہیں مرغانِ شیریں زباں
بجاتے ہیں برگِ شجر تالیاں

بے نظیر

۴۴۔ بہار

آئی ہے بہار مے گساراں — پھولے ہیں چمن میں گل ہزاراں
آئی ہے بہار بر خیاباں — ہے لطف ہوائے گل بداماں
آئی ہے بہار مرغِ گلزار — کرتا ہے نوائے سینہ افگار
لایا ہے بزورِ اس کا نالہ — مجھکو بھی برائے سیرِ لالہ
اطراف چمن کھلا ہے لالہ — ہر پھول شراب کا ہے پیالہ
تحریک نسیم و صبدم ہے — تکلیف ہوائے گل ستم ہے
ہے سروِ جوان نشہ در سر — لوٹے ہیں روش پہ سبزہ رتر
ہر شاخ بشوخی جام در دست — نرگس ہے کسو کی نرگس مست
ابروں نے بھی کی ہے مے پرستی — اُٹھتے ہیں بصد سیاہ مستی

بوندوں کا جو لگ رہا ہے جھمکا
رنگِ گل و لالہ زور چمکا

ساقی تک ایک موسم گل کی طرف بھی دیکھ — ٹپکا پڑے ہے رنگ چمن میں ہوا سے آج

کھلی ہیں پاکے کلیاں اس رنگ سے چمن میں
سر جوڑ جوڑ جیسے مل بیٹھے ہیں احباب

بہار آئی ہے غنچے گل کے نکلے ہیں گلابی سے
نہال سبز جھومیں ہیں گلستاں میں شرابی سے

چلتے ہو تو چمن کو چلئے سنتے ہیں کہ بہاراں ہے
پات ہرے ہیں پھول کھلے ہیں کم کم باد و باراں ہے

میر

۴۵۔ بہار

بہار آئی نکھرے نہال چمن
بدلنے لگے نخل رخت کہن

وہ بوٹوں میں کلنے لگے پھوٹنے
عنادل کے چہکے لگے چھوٹنے

درختوں نے پہنا وہ دھانی لباس
لب نہر سبزہ و زمرد اساس

نئی پتیاں وہ چمکنے لگیں
وہ کھل کھل کے کلیاں مہکنے لگیں

رہا چمن سرسبز تازہ بہار
وہ پھولی حنا ہر طرف عطر بار

وہ شاخوں پہ کونپل نکلنے لگی
درختوں کی صورت بدلنے لگی

بنفشہ کہیں سنبل تر کہیں
کہیں سوسن و گل بہار آفریں

گلستاں میں ہر سو شمیم بہار
اُڑی دوش باد سحر پر سوار

حسینان نازک ادا لالہ رو
روش پر ٹہلتے ہیں ہم رنگ بو

کھلے پھول بیلے کے وہ لاجواب — وہ پھولے ہزاروں طرح کے گلاب

وہ پھولی چنبیلی کھلا موتگرا — کھلی چاندنی باغ میں جا بجا

چمن زیور گل سے زیبا نگار — وہ نوخاستہ نوعروس بہار

یہ فطرت کا ہے قدرتی انتظام — کھلے پھول لاکھوں روپہلے تمام

وہ پھولوں پہ اڑتی ہوئی تتلیاں — دکھاتی ہیں قدرت کی صنّاعیاں

گریں پھولوں پر شہد کی مکھیاں — وہ چھتوں سے جھکنے لگیں ٹہنیاں

بھری گود رشاخوں کی اثمار سے — ٹپکنے لگا شہد اشجار سے

وہ گدرائے پھول رنگ لانے لگے — انار اپنا جوبن دکھانے لگے

وہ انگور، وہ رس بھری بچیاں — لٹکتی ہیں آموں میں وہ کیریاں

تر و تازہ سرسبز ہے ہر شجر — لدے ہیں درختوں میں فصلی ثمر

وہ صحرا کی دیکھے کوئی اب بہار — کہ پھولوں سے ہر شاخ ہے شعلہ زار

وہ پھولا ہوا ڈھاک بھی ہر طرف — لگائے ہے اک آگ سی ہر طرف

وہ سرخی میں سینبل کے گل بے عدیل — دکھاتے ہیں لطف بہار خلیل

وہ سہنے کے پھولوں کی بو تیز و تند — جسے سونگھتے ہی کھلے ذہن کند

دکھاتے ہیں اس وقت کیا کیا پھبن — چمکتی ہو چاندی کی جیسے کرن

کدھر سے یہ آئی ہوا یا عجیب — مگر ہے کروندے کا جنگل قریب

عجب مست خوشبو ہے پھولوں کی واہ — ہوئی جاتی ہے دل کی حالت تباہ

بہت دور وہ جھاڑیاں ہیں مگر — ہوا میں لپٹ آ رہی ہے ادھر

کرن پھول ان کو ہر لئے بے شمار — دکھاتا ہے چاندی کے گھنگھرو دار

وہ سہجنا کے پھول سرخ گچھے پچی کے پھول — املتاس اور ناگکنی کے پھول

وہ صحرا کا ہر نخل پھولا ہوا — غم باد صرصر کو بھولا ہوا

ہوا میں ہے نشو و نما کا اثر — ہیں مستی پہ وحش و طیور و بشر

نہیں ہوتا یہ زور مستی کبھی — کہ ہر شے پہ چھائی ہے اک بیخودی

میں اس شانِ قدرت پہ ہر دم نثار
دکھائی ہیں جس نے کیا کیا بہار

بے نظیر

برگِ گل

۴۶ - برگِ گل

ورقِ مصحفِ حکمتِ رب کا ہے — کہیں برگِ گل کی نہ ہو پائمالی

یہ گل آہ یہ جانِ حسن و نزاکت — یہ صانع کا آئینہ بے مثالی

نثار اس پہ حسن حسینانِ عالم — فدا اس پہ شاعر کی نازک خیالی

یہ حسن و جمال اس کی خوبی سے ثابت
ادب اس کا تعظیم صانع عالی

خاتون از علیگڑھ

ککڑی

۴۷ -

کیا پیاری پیاری میٹھی اور پتلی پتلیاں ہیں — گنے کی پوریاں ہیں ریشم کی تکلیاں ہیں
فرہاد کی نگاہیں شیریں کی ہنسلیاں ہیں — مجنوں کی سرد آہیں لیلیٰ کی انگلیاں ہیں

کیا خوب نرم و نازک اس آگرہ کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

کوئی ہے زردی مائل کوئی ہری بھری ہے — پکھراج منفعل ہے پنے کو تھرتھری ہے
ٹیڑھی ہے سو تو چوڑی وہ سہرے کی ہری ہے — سیدھی ہے سو وہ یارو رانجھے کی بانسری ہے

کیا خوب نرم و نازک اس آگرہ کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

چھونے میں برگ گل ہے کھانے میں کرکری ہے — گرمی کے مارنے کو ایک تیر کی سردی ہے
آنکھوں میں سکھ کلیجے ٹھنڈک ہری بھری ہے — ککڑی نہ کہیے اس کو ککڑی نہیں پری ہے

کیا خوب نرم و نازک اس آگرہ کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

بیل اس کی ایسی نازک جوں زلف پیچ کھائی — بیج ایسے چھوٹے چھوٹے خشخاش یا کہ رائی
دیکھا اس کی ایسی نرمی باریکی اور گلائی — آتی ہے یاد ہم کو محبوب کی کلائی

کیا خوب نرم و نازک اس آگرہ کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

لیتے ہیں مول اس کو گل کی طرح سے کھل کے — معشوق اور عاشق کھاتے ہیں دونوں ملکے
عاشق تو ہیں بجھاتے شعلوں کو اپنے دل کے — معشوق ہیں لگاتے ماتھے پہ اپنے چھلکے

کیا خوب نرم و نازک اس آگرہ کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

جو ایک بار یارو اس جا کی کھائے ککڑی — پھر جا کہیں کی اس کو ہرگز نہ بھائے ککڑی
دل تو نظیر غش ہے یعنی منگائے ککڑی — ککڑی ہے یا قیامت کیا کہیے ہائے ککڑی

کیا خوب نرم و نازک اس آگرہ کی ککڑی
اور جس میں خاص کافر اسکندرے کی ککڑی

نظیر

۴۸. تربوز

کیوں نہ ہو سبز زمرد کے برابر تربوز — کرتا ہے خشک کلیجے کے تئیں تر تربوز
دل کی گرمی کو نکالے ہے یہ اکثر تربوز — جس طرف دیکھیے بہتر سے ہے بہتر تربوز
اب تو بازار میں بکتے ہیں سراسر تربوز

کتنے کھاتے ہیں نزاکت سے تراش اس کی ڈلیں بھر — تاکہ سینہ ہو خنک تری سے ٹھنڈا ہو جگر
کتنے شربت ہی کے پیتے ہیں کٹورے بھر بھر — کتنے بیجوں کو ٹھنکتے ہیں خوشی ہو ہو کر
کتنے کھاتے ہیں لطافت سے منگا کر تربوز

بیٹھے اور سرد ہیں اتنے کہ زرا نام لئے — ہونٹ چپکے ہیں جدا دانت ہیں کٹ کٹ بجتے
شب کو دو تین منگا کر جو ترائے میں نے — کیا کہوں میں کہ مٹھائی میں وہ کیسے نکلے
کوئی اولا کوئی مصری کوئی شکر تربوز

نظیر

۴۹. آموں کی بہار

وہ باغوں میں چھوٹے بڑے بے شمار — وہ ساون بھی گلنے لگے گل عذار
ہوا زور سے چلتی ہے سرد سرد — تو ہلتے ہیں کیا آم وہ سرخ و زرد
ہے تشبیہ آموں کی یہ برمحل — زمرد کے پتے زمرد کے پھل
جو سیندوریہ ان میں ہیں بے شمار — ہیں لعل بدخشاں بھی ان پر نثار
سپیدے جو شاخوں میں ہیں بالعموم — ہوئے آکے روپوش گویا نجوم
وہ ہلتے ہیں زرد آم جو سامنے — لٹکتے ہیں پکھراج کے قمقمے

پڑے ہیں وہ ٹپکے ہوئے بے شمار
زمیں ہو رہی ہے جواہر نگار

بے نظیر

۵۰ . آرائش باغ

وہ گلزار بے خار نزہت سرشت
زمیں اس کی رشکِ زمینِ بہشت

کہیں لالہ و گل کہیں یاسمن
طرب خیز ہر سو بہارِ چمن

نشاط آفریں شورِ بلبل کہیں
مسرت فزا نغمۂ گل کہیں

گلاب اور کیوڑے کی نہریں رواں
روش پر بچھائی ہوئی زعفراں

ملا دودہ مشک و عنبر کہیں
اسی سے ہے سینچی ہوئی کل زمیں

وہ چاروں طرف چادر آبشار
وہ فواروں کی چاندنی میں بہار

وہ ہر شاخ سرمست صہبائے عیش
کھلیں جن کے دیکھے سے گلہائے عیش

جواہر کے گملے لب آب جو
قرینے سے رکھے ہوئے سو بسو

کہیں ارغواں ہے کہیں موتیا
کھلے پھول ہر رنگ کے جا بجا

کہیں مست کن کامنی کی شمیم
کہیں عطر سا کاروانِ نسیم

وہ خوش رنگ پھل زینتِ شاخسار
ہیں روشن کنول یا جواہر نگار

کہیں دانۂ رز چھلکتے ہوئے
ثریا سے خوشے لٹکتے ہوئے

ہر اک رنگ کے پھول پھولے ہوئے
حوادث کو یک لخت بھولے ہوئے

بے نظیر

۵۱ . گلگشت چمن

جو راہی ہوا کاروانِ نجوم — ہوئی آمدِ مہرِ تاباں کی دھوم

شفق میں چمکنے لگی وہ کرن — سنہری ہوئی سقفِ چرخِ کہن

جو اہر اُٹھی بسترِ ناز سے — جگایا اُسے حسنِ انداز سے

ہے نزہت کا ساماں یہاں باغ باغ — کہ رضواں کا جس سے ہو باغ داغ

کھلے ہیں ہزاروں طرح کے گلاب — وہاں اور پھولوں کا پھر کیا حساب

چہکتے ہیں کیا بلبلِ خوشنوا — سہانا ہی وقت ہے سیر کا

کہا شہ نے بہتر ہے چلیے ابھی — وہیں چل کے بہلائیں کچھ دیر جی

یہ کہہ کر اُٹھے دونوں وہ ماہرو — چلے جانبِ باغِ مینو سواد

ابھی تھے وہ آگے گلستاں سے دور — لگا کھینچنے دل کو لحنِ طیور

جو پہنچا وہ باغ تک وہ نگار — قدم لینے دوڑی نسیمِ بہار

دعائیں لگے دینے برگِ چمن — گئی لوٹ پاؤں پہ شاخِ سمن

ہر اک فرش سبزہ بچھانے لگا — قدم سر پہ جادہ اُٹھانے لگا

پھرے گرد آ آ کے مرغِ ہوا — بلائیں لگی لینے موجِ صبا

روش خاکساری دکھانے لگی — کہیں نرگس آنکھیں بچھانے لگی

پڑھا یہ کہ بلبلوں نے درود — ہلانے لگی مورچھل شاخِ عود

خوشی سے شگفتہ ہوا روئے گُل — بڑھی پھولوں لپکی خوشبوئے گل
جھکا کر سرِ گیسوئے پُرشکن — لگا جھاڑنے سنبلِ تر چمن
بچھانے لگی صبح کافور تاب — چھڑکنے لگی شبنم گُل گلاب
بڑھا پیشوائی کو جوشِ نمو — چلی رکھ کے سر خاک پر آبِ جو
جھکی شاخِ گُل رسمِ تسلیم کو — اُٹھے سرو شمشاد تعظیم کو
زرِ گل کیا باغباں نے نثار — تصدق ہوئی نوعروسِ بہار

جما خوب گلشن میں دربارِ عیش
دیا تمدِ قدرت نے گلزارِ عیش

بےنظیر

۵۲۔ بسنتی رنگ کی بہار

چلے ساقیا دور گم ہوں حواس — کہ جوبن دکھانے بسنتی لباس
اُٹھا جامِ زریں پلا بے درنگ — کہ عاشق کے حصے میں ہے زرد رنگ
ڈھلے زعفرانی شرابِ نیاز — کہ مستی میں کھولوں میں رازِ مجاز
وہ بور آئے آموں پہ ہے کیا سماں — چمکتی ہیں پکھراج کی کلغیاں
دکھاتے ہیں دو چار پھول اب ببول — ہیں پر دور تک پھیلے سرسوں کے پھول
ہے اس زرد چادر میں اتنا اثر — اِدھر جا کے آتی نہیں پھر نظر

دیا کس نے یہ تاب زربفتی لباس — کہ ہر کھیت کا ہے بسنتی لباس
یہ زربفت اور کامدانی کا کام — کیا کس نے مخمل پہ بکھیاں تمام
مستی دکھائی ہے ہر پھول نے — کہ آنکھوں میں سرسوں لگی پھولنے
نظر طرفہ رنگ لانے لگی — ہتھیلی پہ سرسوں جمانے لگی
چلی لوٹنے رنگ عشاق کو — وہ سوجھی یہ سوجھے جو قزاق کو
سنہری ہوئی سن کی پکی پھلی — چھڑے اور رچا گل بجانے لگی
گلے میں کھجوروں کے وہ چمپئی — پنہائی ہے موسم نے چمپا کلی
وہ پھولا کسم غیرت زعفراں — بنا رشک کشمیر ہندوستاں
سنہری امر بیل کی تہہ ببول — وہ پہنے ہے اور کیکر ہی زرد پھول
چمکتی ہے وہ گوندنی دور سے — کہ یہ قدرتی زرد موتی چھلے
چماس میں وہ سینگوں کی زیبا بہار — کہ قدرت نے کھینچے ہیں پیتل کے تار
وہ ملتی ہے سرسے کی سونمی پھلی — لٹکتی ہے سونے کی یا پھلجڑی
جو بنسے میں کچھ انکے زیر میر — دکھاتے ہیں سونے کے جگنو کنیر
مٹر کی وہ پھلیاں جو پکی تھیں سب — دیئے زر کے جوشن انھیں کس نے اب
وہ کیا کیا چمکتی ہیں گھر گھر کی پھانک — بنائی ہے قدرت نے کندن کی ٹانک
وہ ہمو جسے کاغذی سبز تر — لٹکتے ہیں لیموں کے تعویذ زر
پہاڑی کسوٹی جو ہے سامنے — بلاق اس کو سونے کے کس نے دیئے

وہ پہنے ہیں السی کی بھی قبایاں — سنہری املربیل کی بالیاں
وہ گیندے کی شاخیں جو ہیں سبز فام — ہیں لٹکائے کندن کے جھمکے تمام
ہوئی زرد یک کر کلی سیم کی — چھلکتی ہیں کیا بجلیاں چمپئی
وہ چمپا کہ خجلت دہِ لاجورد — خدا کیا ہے جوبن سراپے زرد
اُٹھائے ہوئے ہاتھ سونا مکھی — دکھاتی ہے سونے کی ننھی آرسی
جو داؤدی کے زرد غنچے کھلے — کرن پھول ان کو کہاں سے ملے
ہری گود کیلے کی تھی جو ادھر — بنی جھاڑ کھجراج کا سربسر
لئے جام زریں بصد آب و تاب — وہ کیا زرد زرد آج پھولا گلاب
سنہری جو گوبھی میں پھول آئے ہیں — کٹورے یہ کس نے یہ اوندھائے ہیں
وہ پھولوں پہ ہر سمت چھایا بسنت — وہ بلبل بھی گاتے ہیں کیا کیا بسنت
درختوں سے وہ اتری آتی ہے دھوپ — کہ پیڑوں پہ بھی سونے کی آتی ہے دھوپ
پڑا زرد کرنوں کا عکس آب میں — ہوا زرد پانی بھی تالاب میں
بسنتی ہے یہ جامۂ ہر بشر — کہ ہلدی بھی شرماتی ہے دیکھ کر
ہے معشوق یا صاحبِ درد ہے — جسے دیکھئے زرد ہی زرد ہے

نہ کیوں اتنی زردی پہ ہو عقل دنگ
یہ چھایا ہے کیا انکے عاشق کا رنگ

بے نظیر

۵۳ - ملوری

کیا آب و تاب تجھ میں　　نہسیر ملوری ہے
پربت کی تو ہے دیوی　　یا قاف کی پری ہے

آب حیات ہے تو　　روح نبات ہے تو
تو جان و دل کی ٹھنڈک　　اور آنکھ کی تری ہے

تو کھیلتی ہے بن میں　　اور لوٹتی چمن میں
نسرین و نسترن میں　　تیری مصوری ہے

گنہار وہ رنگیلی　　شالی وہ پیلی پیلی
ریحاں وہ نیلی نیلی　　کیا صنع داوری ہے

رخشندہ سنگ پارے　　ہیں چاند یا ستارے
تیرا جو کنکری ہے　　الماس سے کھری ہے

لعل و گہر کے معدن ہیں یا ترے جیب و دامن
اور موتیوں سے ہر دم جھولی تری بھری ہے

چشمے ترے مقطر ہیں جام جم سے بڑھ کر
ٹیلوں کی فوج سر پر سدِ سکندری ہے

برف آب سے لبالب ہر دم ہے تیرا ساغر
ساقیِ بزم تیرا خورشید خاوری ہے

حسن و جمال تیرا غنج و دلال تیرا
ہر خط و خال تیرا طغراے دل بری ہے

ہے تیری دھن نرالی کیا دل لبھانے والی
جنگل میں کوئی جوگن محوِ نواگری ہے

ناظر

۵۴۔ حباب

ہر حباب اس کا نزاکت جوش تھا ۔۔۔ موج کی تھالی کا وہ سرپوش تھا
یا کرتی وہ پانی پہنی کہکے چاہ ۔۔۔ سر پہ شبنم کی فقط سادی کلاہ
یا ہوا نے قصد کر کے خواب کا ۔۔۔ تھا وہ بے چوبہ بنایا آب کا
صبحِ سیمیں ہوش اس پر کھوتا تھا ۔۔۔ گنبدِ گردوں تصدق ہوتا تھا
کس نے دیکھا اس سوا بہتا ہوا ۔۔۔ آب پر الٹا کٹورا سیم کا
کس نے غیر از اس کے دیکھی تھیلیاں ۔۔۔ آب پر چینی کی الٹی پیالیاں
تھی ہوا اس میں وہ کچھ خوبی بھری ۔۔۔ جس طرح ہوتی ہے شیشہ میں پری
کیا کہوں اس کی صفائی اور چمک ۔۔۔ کاسۂ بلور جاتا تھا ولک
موتیوں پہ نم کے اولے پڑتے تھے ۔۔۔ دل میں شیشے کے پھپھولے پڑتے تھے

اب کہوں میں اس کی خوبی تا کجا
بند ہو رہی تھی دور میں اس کی ہوا

نظیر

۵۵۔ سکون

دلِ صافی پہ ہوائے مہرِ خدا کی رحمت — میں نے محسوس کیا ہے بہت آرام یہاں
گوشۂ عافیت اس کو کہیں تو زیبا ہے — کیسی تسکین کا ہے کیسے سکوں کا یہ مکاں
جس طرح شہر سے کچھ دور کوئی مندر ہو — شاہراہِ عام سے ہٹ کر نہ ہو بھیڑ جہاں
کوئی جائے بھی جو اس جا تو ارادہ کر کے — نہ ہو ہر کس و ناکس ہو وہاں گشت کناں
جائے تنہا ہو مکاں گوشۂ عزلت سا ہو — جس طرف دیکھو نظر آئے خموشی کا سماں
سایہ افگن ہو کہن سال درخت اس جا پر — ایسی ٹھنڈک ہو کہ بس آ کے ہو اطمینانِ جاں
صحن میں آبِ مصفّا کا بڑا حوض بھی ہو — اور وہ ایسا ہو مسکن کہ نہ ہو جس کا بیاں
گرد میں ہوں روشیں بیش بہا پتھر کی — صاف ایسی کہ نہ تنکا بھی نظر آئے وہاں
سامنے آنکھ کے مندر کا ہو برجِ سنگی — جس کی تعمیر کو برسوں ہوئے ہوں یا صدیاں
غرض ایسا ہو مکاں اور تو واں بیٹھا ہو — اور خموشی و سکوں چار طرف سے ہو عیاں
تو وہاں بیٹھا ہو آرام سے اور تیرے سوا — آدمی زاد کا کوسوں نہ نظر آئے نشاں
دیکھ کر آنکھ میں ہو نور طبیعت میں سرور — تو یہ سمجھے کہ زمیں پر ہے یہی باغِ جناں
ہے یہی حال جو دیکھو تو دلِ صافی کا — وہی تسکین و سکون اور وہی راحت ہے یہاں
وہی ٹھنڈک ہے وہی نور و سرورِ پُرنور — ہے یہاں بھی وہی تسکین و خموشی کا سماں

میں یہاں بیٹھ کے اے مہرؔ مزے لیتا ہوں
اور سمجھتا ہوں زمیں پر ہے یہی باغِ جناں

مہرؔ

۵۶۔ مقبرہ نورجہاں

کیا اسی بیگم کا ہے یہ خوار خستہ مقبرہ
برسوں ڈنکا جس کا ملکِ ہند میں بجتا رہا

جس کی صورت جلوۂ فردوس کی تصویر تھی
جس کی رنگینی بہائے خطۂ کشمیر تھی

جس کی رنگین بزم رشکِ روضۂ رضواں تھی
بے کسی سے اس کے روضہ کی ہے کیا صورت بنی

ظالموں نے قبر کا تعویذ تک چھوڑا نہیں
کونسا گوشہ ہے تربت کا کہ جو توڑا نہیں

بدر بھی سے خجل ہوتی تھی جس کے پھلجھڑی
حیف وہ خاموش آغوشِ لحد میں ہے پڑی

قصر میں جس کے تھا بچھتا فرشِ دیبا و حریر
آہ فرشِ خاک پر سوتی ہے وہ ماہِ منیر

جھرمٹ میں نازنینوں کے جو کرتی تھی بسر
آہ اس کی قبر پر اب بے کسی ہے نوحہ گر

سیج پر پھولوں کے سوتی تھی کبھی جو نازنیں
پھول دو سوکھے بھی اس کی قبر پر چڑھتے نہیں

جس کی پا بوسی کی کرتے آرزو گلہائے تر
خشک کانٹوں کا پڑا ہے ڈھیر اس کی قبر پر

قصر میں جلتی تھیں جس کے شمعہائے عنبریں
حیف روشن اک دیا بھی قبر پر اس کے نہیں

نام روشن ہے جہاں میں آہ جس کا سر بسر
نام کو بھی روشنی آئی نہ اس کے قبر پر

کر دیئے جس نے بہت سے صاحب طبل و نشاں
اس شکستہ مقبرہ میں وہ پڑی ہے بے مثال

جس نے صدہا خلعت دیبا و اطلس دیدیئے
حیف ترسے اس کی تربت ایک چادر کیلئے

مانا مرقد پر نشانِ لوح بھی پیدا نہیں
نقش نام نیک لوحِ دل سے مٹ سکتا نہیں

گر نہیں ہے گور پر اس کے دیا تو کیا ہوا
ہے جہاں میں نور اس کے نام کا پھیلا ہوا

نیک ناموں کے نشان باقی رہیں گے حشر تک
کیا ہوا اگر دورِ گردوں نے مٹادی قبر تک

حسرت

۵۷۔ دہلی کے کھنڈر

جدھر دیکھو اُدھر ویرانہ ہی ویرانہ پاتے ہیں
عجب ہُو حق کا عالم ہے جہاں اوسان جاتے ہیں
عجب عبرت فزا نظارہ ہے گورِ غریباں کا
نشانِ نیست ان کے ٹھوکروں میں ملتے جاتے ہیں
شکستہ قبریں کچھ ہیں اور گڑھے دو چار باقی ہیں
جدا پنا خندۂ دنداں نما ہم کو دکھاتے ہیں
پڑے پھرتے ہیں دہقاں بے تکلف جن کی قبروں پر
وہ آغوشِ لحد میں بے خبر آرام پاتے ہیں
پڑے ہیں دور آبادی سے وہ اس کس مپرسی میں
ہم اُن کی بےکسی پر یوں کھڑے آنسو بہاتے ہیں
یہی ہیں جو چراغ خانہ تھے اور بزمِ محفل تھے
اب اس شہرِ خموشاں میں انھیں بے یار پاتے ہیں
وہ دن بھی تھے کہ ان کی بزم میں نقارے بجتے تھے
مگر اب بوم ان کی قبر پر نوبت بجاتے ہیں
کہیں حسرت کہیں شوکت کہیں غفلت برستی ہے
نشانِ رفتگاں خاموش افسانے سناتے ہیں

یہ سنّاٹا یہ قبریں اور یہ میداں کہہ رہے ہیں کچھ
سنو سب بے ثباتی کے سُریلے راگ گاتے ہیں
یہ دنیا چند روزہ ہے مزے بھی چند روزہ ہیں
غرور و نخوت و دولت بھلا کس کام آتے ہیں
اُٹھو اے سونے والو بادۂ غفلت کے سرشارو
زرا آنکھیں تو کھولو۔ دیکھو تم کو کیوں جگاتے ہیں
زباں خاموش کیوں ہے کچھ تو بولو کون تھے کیا تھے
کچھ اپنی تم کہو ہم سے کچھ اپنی ہم سناتے ہیں
نہیں اُٹھتے نہیں سنتے الٰہی کیا قیامت ہے
یہ کیسے سنگدل ہیں اس طرح سے دل دکھاتے ہیں
بھلی معلوم ہوتی ہے تمہاری شان گمنامی
عدم کے رہنے والوں۔ تم سے ملنے ہم بھی آتے ہیں

محمد انعام الحق

۵۸۔ زلزلہ

بھونچال کا جو حق نے نقشہ جما دیا — قدرت کا اپنی زور جہاں کو دکھا دیا
روشن دلوں میں نورِ نظر کا بڑھا دیا — غفلت زدوں کو ملک کے ٹھوکر جگا دیا

دریا و کوہ و شہر و جنگل سب ہلا دیا
ایک آن میں ہلا دیا اور پھر تھما دیا

سنہ بارہ سو اٹھارہ میں یہ واردات تھی
اول جمادی بارھویں تاریخ سات تھی
دن بدھ کا جمعرات کی وہ آدھی رات تھی
بھونچال کیا تھا قدرت حق کی بات تھی

دریا و کوہ و شہر و جنگل سب ہلا دیا
ایک آن میں ہلا دیا اور پھر تھما دیا

باہم کواڑ لڑ پڑے زنجیریں ہل گئیں
کڑیاں کڑک کڑک کے چھتوں سے نکل گئیں
چھجے ستون کانپے منڈیریں دہل گئیں
دیواریں جھوم جھوم کے ٹھسکے سے جھل گئیں

دریا و کوہ و شہر و جنگل سب ہلا دیا
ایک آن میں ہلا دیا اور پھر تھما دیا

قدرت کی تیغ کی ہے یہ کچھ آب وردری
کھنچتے ہی سب کے پڑ گئی سینوں میں تھرتھری
دارائی کام آئی نہ کچھ یاں سکندری
یک دم میں تھرتھرا گئی سب خشکی و تری

دریا و کوہ و شہر و جنگل سب ہلا دیا
ایک آن میں ہلا دیا اور پھر تھما دیا

بھونچال کی دھمک کا وہ سنتے ہی کھڑکھڑا
جی دھمک سے تن میں ہو گیا اور دم نکل گیا
اوروں کے دل کی کیا کہوں جانے وہی خدا
پر میں تو جانا صور سرافیل پھک گیا

دریا و کوہ و شہر و جنگل ہلا دیا
ایک آن میں ہلا دیا اور پھر تھما دیا

بھونچال کا تو کہنے کی خاطر ہی نام تھا — یہ زور شور اور کی قدرت کا کام تھا
احکام ذو المنن کا جہاں اہتمام تھا — یہ لرزنہ تو وہاں کا اک ادنیٰ اعلام تھا

دریا و کوہ و شہر و جنگل ہلا دیا
ایک آن میں ہلا دیا اور پھر تھنبا دیا

سب سے کرو خدا کے تئیں یاد دم بدم — آخر کریم تھا تو کیا اس نے پھر کرم
باقی تو کچھ رہی نہ تھی پر تھم گئے قدم — ورنہ اسی گھڑی میں نہ پھر تم تھے اور نہ ہم

دریا و کوہ و شہر و جنگل ہلا دیا
ایک آن میں ہلا دیا اور پھر تھنبا دیا

بھونچال کیا وہ چاہے تو اک پل کے مارتے — کر ڈالے آسماں و زمیں اوپر اور تلے
اُڑنے لگیں پہاڑ روئی کی طرح پنے — قادر قدیم دم میں جو کچھ چاہے سو کرے

دریا و کوہ و شہر و جنگل ہلا دیا
ایک آن میں ہلا دیا اور پھر تھنبا دیا

محکوم سب ہیں اس کے ہے حاکم وہی اِلٰہ — تابع ہیں اس کے حکم کے ماہی سے تا بماہ
جب اس کا حکم آئے تو ہو کون سدِ راہ — کیا حکم ہے عزیزو ذرا دیکھو واہ واہ

دریا و کوہ و شہر و جنگل ہلا دیا
ایک آن میں ہلا دیا اور پھر تھنبا دیا

نظیر

۵۹. جگنو

جگنو کی روشنی ہے کاشانۂ چمن میں — یا شمع جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں
آیا ہے آسماں سے اُڑ کر کوئی ستارہ — یا جان پڑ گئی ہے مہتاب کی کرن میں
چھوٹے سے چاند میں ہے ظلمت بھی روشنی بھی — نکلا کبھی گہن سے آیا کبھی گہن میں

حسنِ قدیم کی یہ پوشیدہ اک جھلک تھی
لے آئی جس کو قدرت خلوت سے انجمن میں

اقبال

۶۰. تیتری

تیتری کا کبھی دیکھا ہے سجیلا خلعت
جامۂ خوش قطع وہ کچھ. اس پہ وہ خود خوش خلعت
ٹکلیوں وار شنشت کی طرح کے دو پر
اس قدر نازک و باریک کہ ٹھیرے نہ نظر
چتیاں ان میں جو صد رنگ نظر آتی ہیں
مینا کاری یہ قدرت کی یہ دکھلاتی ہیں

دم بدم کھل کے پروں کا وہ ادا سے جڑنا
انھیں دو پنکھوں سے اس کا وہ ہوا پر اُڑنا

تالیاں کیسی بجاتی ہے یہ ہر آن ان سے
پر ہیں دو تخت رواں خود ہے سلیماں اس کے

ارشد

۶۱ - کبوتر

چڑھا تھوڑا سا دن تو آسماں پر
نظر آنے لگے کتنے کبوتر

کوئی چینی ہے کوئی ان میں نیلا
کسی کی دُم کے ہیں کالے سے کچھ پر

تڑا تڑ بازیاں کرتا ہے کوئی
تو رہ جاتا ہے کوئی پیٹ اچٹا کر

کوئی تیزی سے اُڑتا ہے کوئی مست
لگاتا ہے کوئی چکر پہ چکر

اُٹھی ہے چادر اک ٹکڑی وہ دیکھو
تماشے اب دکھائے گی پلٹ کر

نکل کر کوئی کرتا ہے جو بازی
تو ہو جاتا ہے پھر جھٹ پٹ برابر

سدھا رکھے ہیں خوب اس نے کبوتر
مزے سے اُڑ رہے ہیں مل ملا کر

وجاہت

۶۲۔ بئے کا گھونسلا

یہ بئے نے ہنر دکھایا ہے — واہ کیا گھونسلا بنایا ہے
اس میں ڈالا ہے تانا بانا بھی — کیا جولاہوں کا ہوش اڑایا ہے
بُن کے کپڑے کی تھیلی سی کر دی — کس نے یہ فن اسے سکھایا ہے
جانور بڑھ گیا جولاہے سے — بلکہ درزی کو بھی گھٹایا ہے
ہیں جولاہے کے گھر بہت سے رچھ — تب اسے بُننا تننا آیا ہے
رکھتا ہے سوئی دھاگا درزی بھی — جس نے سینے میں نام پایا ہے
کچھ بھی ساماں نہیں بئے کے پاس — چونچ سے سب یہ کر دکھایا ہے
گھونسلے میں ہیں رہنے کے کمرے — جھولے کا بھی گھر بنایا ہے
ڈر نہیں کچھ بھی مینہ سے اولے سے — اور نہ آندھی سے خوف کھایا ہے
دھوپ کی بھی ذرا نہیں تکلیف — ہر جگہ گھونسلے میں سایا ہے
تیرے کیا کہنے چھوٹی سی چڑیا — تو نے چڑیوں میں نام پایا ہے

کرتا ہے تیری عقل کی تعریف
کوئی اپنا ہے یا پرایا ہے

وجاہت

۶۳۔ پرندوں کا لباس

کیسا ذی شان پرندوں کا ہے رنگیں بانا
نہیں آیا ہے کسی ایک کو بھی اترانا
ایک پوشاک مہینوں نہ بدلتے دیکھا
مدتوں تک اسی اک جامہ کو چلتے دیکھا
ایک وردی میں وہ خورسند رہا کرتے ہیں
دیکھ کر سب انہیں خوش باش کہا کرتے ہیں
ہے جڑاول یہی ان کی یہی بارانی ہے
اسی جامہ سے انہیں گرمی میں ذیشانی ہے
جوڑا غم کا ہے یہی اور یہی شادی کا لباس
ایک کترن بھی نہیں اس کے سوا ان کے پاس
ان کو دھوبی کی نہ حاجت ہے نہ درزی کی تلاش
سوئی تاگے سے نہ مطلب ہے نہ سنجاف نہ تراش
یہی پوشاک ہے پس مرگ کفن ہے ان کا
واہ کیا خوب فقیرانہ چلن ہے ان کا

ارشد

۶۴ - بزمِ طیورِ سحر

تجلی فشاں گنبدِ آسماں — نمودِ سحر کا سہانا سماں

تجلیِ رحمت کا ہر سو ظہور — بسیروں سے اڑنے لگے ہیں طیور

وہ کچھ کچھ جھلکنے لگیں کونپلیں — کھروا اڑانے لگیں کوئلیں

پپیہوں نے دل پر لگائی وہ چوٹ — کہ معشوق بھی ہو گئے لوٹ پوٹ

طیورِ سحر گرمِ حمد و سپاس — ثنا سنج مرغانِ رنگیں لباس

کوئی لے بڑھاتا ہوا جوش میں — ہے آتش فگن خرمنِ ہوش میں

کوئی گٹکری لے رہا ہے کہیں — کوئی میند بھی دے رہا ہے کہیں

خوش آیند لوری سریلی صدا — ہر اک رنگ کے پنچھی جا بجا

کوئی زمزمہ سنج اس آن سے — کہ آڑی نکلتی ہے لے تان سے

دکھاتا ہے کوئی رکھب کی بہار — کوئی اپنے پنچم کے سُر پر نثار

لگاتا ہے دھیوٹ کوئی اس طرح — کہ سر اپنے قبضہ میں ہے جس طرح

چڑھی اتری مدھم کی چل پھر کہیں — وہ گندھار پر زمزمہ دل نشیں

وہ جھوٹ اور سم کی نکھد پر بہار — وہ کوتوں کی باری عجب ان کا اتار

کوئی کر رہا ہے وہ مشق سند — دکھاتا ہے فن کی کوئی شد و مد

کوئی بول اور گت پہ نغمہ سرا — کوئی جوڑ اور انترے پر فدا

وہ ملتی ہیں پیپل کی جو پتیاں ۔ بجاتی ہیں ہرتال پر تالیاں
کہیں ٹیپ کی دو کان کا شور ہے ۔ کہیں آڑے چوتالے کا زور ہے
صداؤں سے گونجا ہوا بن تمام ۔ درختوں پہ حیرت کا جوبن تمام
سنا جب یہ ذکرِ خفی و جلی
اُٹھا بسترِ خواب سے میں بھی

بے نظیر

۶۵۔ پرندوں کی عبادت

وقت سحر کی روحیں کیا کیا ہوں ہوں ہوں ہوں کرتی ہیں
ہوں ہوں ہوں ہوں کر کے ذکرِ کن اور فیکون کرتی ہیں
مرغے بولے ککڑوں کوں کوں مرغیاں کوں کوں کرتی ہیں
طوطیاں بھی سب یاد میں اس کی بہتوں بہتوں کرتی ہیں
سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا سب بے چون بے چگوں کرتی ہیں
قمری بولے حق سرہٗ بلبل بولے بسم اللہ
کبک بشیری چاروں قل اور تیتری ہی سبحان اللہ

واور مور پپیہے کوئل کوک رہے اللہ اللہ
فاختہ کوکو تیتیو ہو ہو طوطے بولیں حق اللہ

سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا سب چھن چھن چوں کرتی ہیں

نظیر

۶۶۔ گلہری کا بچہ

سفیدی میں وہ کالی دھاریاں ایسی رہی ہیں بن
کہ جیسے گال پر لڑکوں کے چھوٹے زلف کی ناگن
کناری دار پٹا جس میں گھنگرو کر رہے چھن چھن
گلے میں ہنسلی پاؤں میں کڑے اور ناک میں لٹکن
رہا ہے سر بسر گہنے میں لدبچہ گلہری کا

نظیر

۶۷۔ بکری

کہتے ہیں جب علم نداری بز بخر — سوہی لی ہیں ایک بکری ڈھونڈ کر
میں پڑھوں ہوں اس کے آگے شعر گر — اپنے ہاں گویا بز اخفش ہے یہ

رنگ سر سے پاؤں تک اس کا سیاہ　　چکنی ایسی جس پہ کم ٹھہرے نگاہ

بکروں کی داڑھی کتیں جانے ہیں سب　　تکہ ریشی بکری کی ہے بوالعجب

چار پستاں اس کی آئی دید میں　　دو جہاں ہوتی ہیں دو ہیں عید میں

اس پہ کالے بکرے دو خیلا جنی　　ناز نخرے سے بنی پھر

چلدا بیٹھے کھنڈتے ایک انداز سے　　ویں بیٹھے تو ہوتے خوش اس ناز سے

دودھ ہو چوچی میں تو بچائے　　بیٹھا دیکھے اس طرف منہ کو کیے

گھاس دانا بارے کچھ کھانے لگے　　گرتے پڑتے پاس بھی آنے لگے

پرورش سے حق کی بارے جی گئے　　آب دانہ دوڑ کر کھانے لگے

اب جو ان پر جو ہیں ٹے شیر مست
کودنے میں ہر زماں ہر ایک ہے چست

میر

۶۸ ـ فسانہ بلی

ایک بلی موہنی تھی اس کا نام　　ان نے میرے گھر کیا آ کر مقام

ایک دو سے ہو گئی الفت گزیں　　کم بہت جانے لگی اٹھ کر کہیں

ربط پیدا اس نے کیا میرے بھی ساتھ　　دیکھتی رہنے لگی میرا ہی ہاتھ

چھیچھڑا ٹکڑا جو کچھ پایا کرے　　فقر میرا دیکھ کر کھایا کرے

بچتوں سے ٹوٹا ہے چھینکا بھی اگر — اُنے اودھر کی نہیں مطلق نظر
ذہن کیا ہی جا لگے یہ چھینکے کی اور — ٹکڑے کو دیکھے نہ گو ہو کی ہو زور
اس مروت پیشہ سے کیا ہے گلا — خوف سے آپ ہی گئے چوہے بلا
ٹک بلی کچھ گئی تھی آ کے پیکھ — یہ لڑی تو منہ پہ پنجہ اپنے سکو
برسوں یاد آوے گی یہ پاکیزہ خو — آگے آئی ہی نہیں چلتے کبھو
شوق میں ہمسائیاں اس کی رہیں — جو گئی بھی ٹک تو مانگی سی کہیں
پھر سکے کو پھر لی تو کیا عالی نہ تھی — پر چلے پاؤں کی یہ تلی نہ تھی

رفتہ رفتہ کوٹھوں پر جانے لگی
پہروں پہروں میں یہ پھر آنے لگی

حاملہ ہو کر کئی بچے دیئے — ایک دو بھی ہو نہ ان میں سے جیے
متصل ایسا ہوا جو اتفاق — مرگ ان بچوں کی گزری سب پہ شاق
خفقان اس کی کوکھ کا لازم ہوا — جھاڑنے پھونکنے کا ہر یک عازم ہوا
نذریں مانیں نقش لائے ڈھونڈ کر — نیل کے ڈوروں میں باندھے بیت پھر
چھیچھڑوں پر بعض نے افسوں لکھے — بعضوں نے تعویذ لے کر جل لکھے
گوشت کی چیلوں کو پھینکی بوٹیاں — ماش کی موٹی پکائیں روٹیاں
لڑکیاں تھلائیاں کھاٹوں تلے — اس طرح جوں وو بلی بلی کم پلے
جیتے ٹکڑا منہ کو پھر اک کھولتی — اور بولی بلیوں کی بولتی

بی بلائی سے بہت کی التجا گربہ محراب سے چاہی دُعا
بو ہریرہ کے تئیں مانا بہت بلیوں نے تمیں دیا کھانا بہت
کیوں نہ ایسی ہوئے امدادِ سترگ
بی بلائی بو ہریرہ سب بزرگ
پانچ بچے اس نے اس نوبت دیئے بارے وے سب قدرتِ حق سے جئے
اپنی ماں کے رات دن سینے لگے پانچوں بچے دودھ کچھ پینے لگے
دودھ کتنا جو کہ لیتے سب تئیں میں بھی منگوانے لگا کچھ شب تئیں
دو مہینے تک بہت تھی احتیاط کتے بلی سب سے موقوف اختلاط
کوئی کتا آگیا ایدھر اگر لوگ دوڑے تیر سے منہ پھاڑ کر
ڈرتے نکلیں سب نہ یہ بازی کی گرم زرد و زرد ان کی ہوویں منہ نرم نرم
بچے ریشم کے سے تھے میں رنگ خال کچھ سفید و کچھ سیاہ کچھ زرد و لال
آنکلتی تھیں جدھر سے پانچ چار اس طرف ہو جاتی تھی باغ و بہار
ایک عالم عاشق بیتاب تھا ان کی خاطر بیخود و بیخواب تھا
لے گئے ایک ایک کر سب تیں تو
"منی" "مانی" رہ گئی مجھ پاس دو
منی کی پھر ایک صاحب نے پسند تھی بھی نازک ایسی ہی طالع بلند
مانی کچھ بھاری تھی نکلی بردبار رہ گئی یاں فقر کو کر اختیار

بوریے پر میرے اس کی خوابگاہ — دل سے میرے خیال تک اک راہ

میں نہ ہوں تو راہ دیکھے کچھ نہ کھائے — جان پاوے سن مری آواز پائے

سب سے آگے آن بیٹھے تا تنک — دیکھے میرے پاؤں سے لے سر تلک

آنکھ سے معلوم ہو مشتاق ہے — بلی یا اعجوبۂ آفاق ہے

بلیاں ہوتی ہیں اچھی پر کہیں — یہ تماشا سا ہے بلی تو نہیں

کیا دماغ اعلیٰ طبیعت کیا نفیس — کیا مصاحب بے بدل کیسی جلیس

یہ نفاست یہ لطافت یہ تمیز — آنکھ موندے ہی نہ ہو کیسی ہی چیز

چوہا چڑیا اس نے کچھ کھایا نہیں — منہ کو جانا اس کے تئیں آیا نہیں

حب ہرہ جو کہ ہے ایمان میں — ہے اسی بلی کی شاید شان میں

تھا بہت مانی کا جینا آرزو — سو جنے دو بلیاں یہ ماہ رو

حال ہی میں ان پری مالکے عیلیں — پھر وہ خوبی اور محبوبی کہاں

موہنی او سوہنی ہے ان کا نام — پھرتی ہیں خندہ ناکی میں صبح و شام

نیلے تاگے گردنوں میں ہیں پڑے — لوگ آنکھوں میں ہی رکھتے ہیں کھڑے

حفظ الٰہی بلیوں سے ان کا ہے ضرور
رہیو ان دونوں سے چشم شور دور

میر

۶۹۔ سگ و گربہ کی دوستی

سگ و گربہ ہیں دو ہمارے یہاں
دو ہیں قالب اور ان کی اک ہے جاں

کھلائے نہ جو ہو وہ مادہ سگ
بھوکا بیٹھا رہے تو بات الگ

باہم اس بلی کتے کا یہ ربط
کوئی دیکھے نہ ہو سکے اس سے ضبط

کبھو جاتا جو ہے یہ کوٹھے پر
لگی رہتی ہے اس کی چھت سے نظر

اور سے دشمنی جانی ہے
اس کی یہ باؤلی دوانی ہے

دونوں شوخی سے مار رہتے ہیں
سگ و گربہ کی چال رہتے ہیں

میر

۷۰۔ کارنامۂ بلاؤ

سارے ہمسائیوں پہ ہے یہ معلوم
موش کی نسل ہو گئی معدوم

چوہا کیسا ہے جو سامنے آوے
گھونسوں سے بھی یہ شیر بھڑ جائے

نے چھپکلیاں ہیں گھونسیں مونس
موش دشتی ہو یا کہ ہوئے گھونس

گھونس جب گھر ہی میں رہتی ہو
موش دشتی پہ کیا گذرتی ہو

کوئی چھچھوندر جو بستی میں یاں ہو
سو وہ چوہوں کی ترجماں ہو

ایک دن گھر میں ایک گھونس آئی — اپنے پاؤں اجل اسے لائی

پھرتے پھرتے جو گھس سے خوشحال — پائے دیوار بیٹھی سر کو نکال

کہیں اودھر سے شیر جاتا تھا — پھیرتا مونچھ پہ پنجے آتا تھا

پڑ گئی اس کی اس پہ چشم کبود — نیلا پیلا ہوا دکھا جوں دود

پنجہ جھیلا کے اپنے گرز را تا — بارے کچھ گھونس نے اسے جانا

پہ اسے حیف جاں نہ آیا کچھ — غالب آیا نہ اس کا سایہ کچھ

تھک گیا پھر اپنے جا تا لو — کیوں کہ تھا یہ تو شیر کا خالو

پھر تو جھگڑی ہے دونوں میں آکر — چوٹ ہوتی تھی داؤ پا پا کر

غصہ جو موش کو بھی آ چڑھا — اتفاق اس جگہ تھا ایک گڑھا

دونوں لڑتے ہوئے گرے آ ہی — کیچ کو گاتے پھرے اس میں

ناخن اس شیر کا کچھ ایک گڑا — شور محشر گڑھے کے بیچ پڑا

یا تو گھر بیچ کیا ہی کیلے پڑی — گھونس بلے نے چھیڑ کر دی

کھڑے مونچھوں کے بال اکھڑ آتا — شیر نکلا گڑھے سے گھبراتا

لیک جی سے تھا سب بدن خالی
کیوں کہ سر سے بلا بڑی ٹالی

میر

۱۷۔ نوخیز بلی

لوگ جس دم سوار ہونے لگے — اور اسباب بار ہونے لگے

وحشت اس کو بس ہوئی طاری — سر پٹک کر کسو طرف کو موئی

مرگ تھی اس کی اس جگہ تقدیر — بلی تھی یا کہ گربۂ تصویر

کیا نفاست مزاج کی کہئے — ستھری اتنی کہ دیکھ ہی رہئے

خال جوں پھول گل کرتے ہیں — یا کہ نقشوں میں رنگ بھرتے ہیں

جن سے مالوف تھی وہیں رہتی — اُن سے کچھ کچھ نگاہوں میں کہتی

چوہے چڑیا پہ اُس نے کب کی نظر — حج کا کرنا نہ فرض تھا اس پر

موہنی بھی تو تھی بہن اس کی — نسبت اس کے بھی وہ بہت گھٹتی

پاوے جو کچھ سو مار کھاوے ہے — ایک کیا چار چار کھاوے ہے

جانور مارنا ہے تو پے یک سو — تیز پنجہ کیا نہ اُس نے کبھو

یہ نزاکت اسی کو بن آوے — موش وحشی کو دیکھ ڈر جاوے

یہ چھچھوندر کے بولتے بھاگے — وہ پڑی سوتی بھی ہو تو جاگے

یہ پری سی تھی جو خرام کرے — وہ جو اچھلے تو دھوم دھام کرے

کبک اس کے خرام کے عاشق — جانور اس کے نام کے عاشق

غرض افسوس کی جگہ بلی
اب کہاں گو کہ چھاپنے ولی

میر

۷۲۔ بچہ

تم کون ہو میاں، کہاں کے ہو، آئے کہاں سے کہاں جاؤ گے
بے جھک بات ہمیں بتلاؤ کس نے بھیجا کیسا ہے کام
جو نیا نگر آ کے جھانکے ہو
یاد آتے ہی تربت جو روتے ہو کچھ لائے تھے سو کھوئے گیا
کس سوچ میں ہو کیا بھول گئے اس کا دو جلد جواب ہمیں
انکھیاں کھولو کیوں ڈھانکے ہو

ظفر

۷۳۔ بچہ

ایک۔ اپنے ساتھ گھر بھر کی خوشی لایا ہے تو
کس وطن کی یاد میں رقعا ہوا آیا ہے تو
کونسی دنیائے خنداں یاد آتی ہے تجھے
رونے والے یاد کس کس کی دلاتی ہے تجھے
کیا کبھی تنبیہ جزیرہ چھوڑ کر آیا ہے تو
گلشن فردوس سے منہ موڑ کر آیا ہے تو

یاد ایسے ہی تو کچھ آتے ہیں نظارے تجھے
اجنبی ہے اس جہاں کے نقش ہیں سارے تجھے

کس لئے حیرت سے یوں ہر ایک کا منہ تکتا ہے تو — کچھ تو کہنا چاہتا ہے کچھ نہیں کہہ سکتا ہے تو
ہم کو بھی معلوم ہے تو ہے مسافر دور کا — مطلقاً اس دیس کی بولی سے ہے ناآشنا
ہاں! بتا وہ سرزمین عافیت تھی کونسی — بستی ہے دل میں ترے دلکش وہ بستی کونسی
روشنی ہوتی ہے کیسی چاند سورج کی وہاں — تیرے چہرہ پر ہویدا ہیں ابھی جس کے نشاں

کس چمن کا گل ہے تو کس عرش کا تارا ہے تو
کس قدر بے پاک و روشن کس قدر پیارا ہے تو

آہ۔ اے نووارد ہستی تجھے معلوم کیا — انقلابات زمانہ میں ہیں کیسے ہجوم کیا
آج تو روتا ہے جب دنیا کو زنداں جان کر — کل نہ چھوڑیگا اسی کو باغ رضواں جان کر
اس قدر مانوس ہو جائیگا اس دنیا سے تو — پھر وطن کی یاد ہوگی اور نہ اس کی آرزو
یاد بھولے سے نہ آئے گا تجھے اپنا وطن — تو سمجھ لے گا اسی غربت کو ہی پیارا وطن

حاصل اک دن بھی نہ ہوگا گرچہ اطمینان دل
پھر بھی دنیا ہی رہے گی شامل ارمان دل

محروم

۷۴ . بچہ کی چال

تھی ان کی چال کی تو عجب یارو چال ڈھال
پاؤں میں گھنگرو باجتے سر پر جھنڈولے بال
چلتے ٹھمک ٹھمک کے جو وہ ڈگمگاتی چال
تھامیں کبھی جسودا کبھی نند لیں سنبھال

ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالپن
کیا کیا کہوں میں کشن کنہیا کا بالپن

نظیر

۷۵ . کم فرصت بچہ

سنتے تھے یہاں راحت و آرام بہت ہے
پر تجربہ کہتا ہے کہ یہاں کام بہت ہے
دن رات میں فرصت نہیں اتنے ہیں مشاغل
ممکن نہیں ہو جاؤں میں دم بھر کو بھی غافل

اس پر بھی مرے کام مکمل نہیں ہوتے
عقدے جو مرے کام میں ہیں حل نہیں ہوتے

لو آج ہی جس وقت سے ہونے لگی بارش
شیشوں پہ دریچوں کے ہوئی بوندوں کو لغزش

اس وقت سے ہے بندہ ہمہ تن چشم تماشا
دیکھا کیا اک ٹکٹکی باندھے یہی نقشا

اک وقت میں اک کام پہ پر کی نہ قناعت
نادانی سے سر پر پڑی یہ اک نئی محنت

اک گیت زباں پر جو کہیں ہو گیا جاری
دو پہر اسی راگ کے دھندے میں گزاری

تھے اس کے سوا اور بھی بہتیرے مشاغل
طے اور بھی کر ڈالے کئی ہیں نے مراحل

آئینے پر ایسا کوئی اک پھونک دیا دم
وہ جس کے اثر سے ہوا اک آن میں پرُنم

اس نم کو وہیں صورتِ تصویر بنایا
تصویر کو اک لحظہ میں پھر خود ہی مٹایا

پھر فرش زمیں پر جو توجہ ہوئی مائل
تعمیر کئے اس پہ مکاں رہنے کے قابل

ٹوٹی ہوئی کشتی جو مری سب سے بڑی ہے
اب اس کی مرمت کی مجھے فکر پڑی ہے

دعوت جو خیالی مرے ہاں ہوتی ہے اکثر
پھر اس میں بلانے ہیں مجھے سارے تو نگر

اتنے ہیں تردد مری اک ننھی سی جاں کو
فارغ جو ہیں کیا جانے وہ اس دردِ نہاں کو

اب کھیں کی فرصت کوئی ڈھونڈے تو کہاں ہے
مصروف ہوں مصروف یہی وردِ زباں ہے

اکرام

۷۶ ۔ دوشیزہ

نظر آئی مسند پہ اک پیر زال
سپید و سیہ اس کے سر کے بال

قریب اس کے بیٹھی ہے اک نازنین
کہ جنت سے اتری کوئی حور عین

قیامت کا نقشہ سلیقہ غضب
اداؤں میں خوبی کے انداز سب

نہ کیوں دل کو اس زلف سے ہو لگاؤ
بگڑنے میں بھی جس کے لاکھوں بناؤ

وہ لاکھا لب لعل پر پان کا
مسی اس پہ گویا شفق میں گھٹا

وہ برق تبسم جو دل پر گرے
تو آنکھوں میں تصویر محشر پھرے

وہ اعضا سڈول اور کاٹھی درست
سجیلا چھریرا بدن چاق و چست

تناسب میں ہر عضو میں بے قیاس
غضب گورے سینے پہ چھائی بہار

وہ صورت دل آویز زیبا غریب — میانہ وہ قد رشکِ گل جامہ زیب
تر و تازہ رخسار مانندِ گل — ان آنکھوں میں کیفیتِ جامِ مُل
خط و خال موزوں و مژگاں دراز — وہ حسنِ خداداد و تصویرِ ناز
جہاں سوز وہ خندۂ زیرِ لب — وہ شوخی بلا کی وہ چتون غضب
وہ باریک لب اور پتلی کمر — وہ چہرہ کتابی رسیلی نظر
وہ ناگن سی چوٹی وہ ماتھی کا بن — وہ مو بافِ زرّیں میں دُرِّ عدن
وہ آنکھیں بڑی اور خاطر پسند — زنخدان باریک و بینی بلند
وہ پیوستہ ابرو کشادہ جبیں — وہ ہر بات غیرت دہِ انگبیں
زمرد کے بندے لٹکتے ہوئے — وہ موتی کے مالے چمکتے ہوئے
کلائی میں بلور کی چوڑیاں — طلائی جڑاؤ بھی کچھ بے گماں
جواہر کے جس میں نگینے جڑے — مناسب قرینے سے چھوٹے بڑے
غرارے میں ساقِ بلوریں نہاں — مگر شمع فانوس میں ضو فشاں
کفِ دست و پا اس قدر نازنیں — کہ رنگِ حنا کی ضرورت نہیں

سراپا ضیا جملہ تنویر وہ
مگر حسن و خوبی کی تصویر وہ

بے نظیر

٧٧ ۔ بے نظیر شاہ

غضب ہوگا اس کا رخ دل پذیر — ہے پروانہ جس شمع کا بے نظیر
وہ کندن سا چہرہ وہ کھلتا ہوا — وہ گورا بدن کیا چمکتا ہوا
بسنتی فقط ایک تہبند پاس — سجیلے بدن پر غضب کا لباس
رفیق اس کے کیا کیا محبت شعار — حسین و طرح دار و عالی وقار
جبیں سے عیاں شانِ شاہنشہی — فقیری میں بھی صولتِ خسروی
بھرا پاک دل میں کسی کا نیاز — پھر اس پر بھی ہر لحظہ سرگرم ناز
یہ معلوم ہوتا ہے کوئی امیر — ہوا زلفِ جاناں کا تازہ اسیر
لئے ہے کسی کی محبت میں جوگ — وہ سنتا ہے بس جوگیا اور بروگ
جو چلتا ہے وہ نوگرفتارِ غم — اٹھاتا ہے کس نازکی سے قدم
مگر دم محبت کا بھرتا ہوا — وہ جاتا ہے وہ سیر کرتا ہوا
جو کہتا ہے کوئی کرم کیجئے — ذرا دیر سائے میں دم لیجئے
تو کہتا ہے وہ ہنس کے او بے خبر — چھٹے گا یہ آسن درِ یار پر
کھلا اس پہ ایسا بسنتی لباس — کہ سونا ہو اور پکہ کرید جو اب
اثر عشق کا اتنا پیدا ہوا — اسے جس نے دیکھا وہ شیدا ہوا
بہت دیکھ کر جلوہ شائق ہوئے — بہت نام ہی سن کے عاشق ہوئے

زمانہ کل اس کا بروگی بنا
خدا جانے یہ کون جوگی بنا

بے نظیر

۷۸۔ تصویر غازی انور پاشا

ہلتا ہے جگر خوف سے رعشہ ہے بدن میں
تصویر میں اک شیر جری دیکھ رہا ہوں

اک شان تحکم ہے عیاں نور جبیں سے
آنکھوں کو فراست سے بھری دیکھ رہا ہوں

انداز یہ کہتا ہے نگاہیں ہیں غضب کی
چہرے پہ مگر بے خبری دیکھ رہا ہوں

شمشیر بکف تاؤ سے مونچھیں ہیں خمیدہ
اک خصلت شیر ببری دیکھ رہا ہوں

بتلائے کوئی مجھ کو یہ کس قوم سے ہوگا
میں سر پہ کلاہ تتری دیکھ رہا ہوں

حیرت ہے مجھے کس کی یہ تصویر ہے اے نجم
اس شکل میں شان عمری دیکھ رہا ہوں

نجم

۷۹۔ چھیلا

جامے کو خوب سنبھالتے ہیں
خال رخسار پر بناتے ہیں

مہندی بھی تیلی سی لگاتے ہیں
ناز کرتے قدم اٹھاتے ہیں

دیکھا کرتے ہیں آرسی میں جمال

محوِ رعنائی کہتے ہیں اللہ مسی سے کرتے ہیں مسوڑے سیاہ

رکھتے ہیں سر پہ کج ہمیشہ کلاہ شملہ سے کام ہے گہ و بیگاہ

کپڑے نارنجی سر پہ اودی شال

میر

۸۰ ۔ تماشہ گر

وہ دیکھے تو بُری صورت بُرا حال وہ بیٹھے لُٹے بڑھے داڑھی کے بال زرد منہ آنکھوں میں آنسو سے

منہ میں بنسی سی پگڑی اس پہ دھرے تھے وہ پیر گرگٹ بیٹھے ہم پر اپنے فن میں بیٹھے لوبے

لگا رکھتے تھے ایسے وقت بچہ بکری کا

جو پیادے تھے میں ہم کو ان سب کے احوال سے دیکھا کچھ اُس نے کہہ پہنتا ہو گا اُن سے کس طرح بچتا

نزدیک اس کی میں نے جب تو جو اس بات کو تاڑا کمر کو کچھ ڈھونڈی جیب پگڑی کو ٹٹول اس جا

وہیں ہم نے نکالا ڈھونڈ کر بچہ گلہری کا

بے نظیر

۸۱ - بڑھاپا

جوانی گئی موسمِ شیب ہے — شہود ایک دو روز کو عیب ہے

کہے میں نہیں اپنے تک پاؤ دست — کیا خاک میں مجھ کو پیری نے مست

بلا ارتعاشِ تنِ زار ہے — ہر اک عضو چلنے کو تیار ہے

کھڑے ہوں تو تھراوے ران اور ساق — جو بیٹھے کیونکر کہ جینا ہے شاق

جو یوں پاؤں چلتے بچلتے رہے — تو دیکھو گے ہم یاں سے چلتے رہے

جو بازو ہیں اپنے سو بازو نہیں — اگر منہ کو دیکھو تو وہ رو نہیں

بدن کی ہوئی ہے یہ صورت ہی اور — وے آنکھیں نہیں وے نہ چتون کے طور

نہ کچھ زور بازو بہت کم ہوا — جھکا سر سو زانوں کا ہمدم ہوا

نہ کچھ یونہی عینک نظر چڑھ گئی — بصارت کی بے طاقتی بڑھ گئی

نہ رکھے جو عینک نہ آوے نظر — کہے تو کہ اندھے ہیں ہم بے بصر

صد افسوس لطفِ سماعت نہیں — صدا دور سے جیسے آوے کہیں

نہ وہ ذائقہ ہے نہ وہ ہے مشام — مزا کچھ نہیں ہو چکی صبح شام

شکن جلد میں دل کو پژمردگی — غریزی حرارت میں افسردگی

برودت بہت جسم میں آ گئی — مزاجی تھی گرمی سو ٹھنڈا گئی

جو یہ چال ہے جا رہے ہیں ہم اب — دموں پر غرض آ رہے ہیں ہم اب

ہوا حافظہ بس کہ نسیاں صرف — نہیں یاد آتا ہے دوشینہ حرف
ہوئے شعر کیا اب فراموش ہائے — کہوں کیا گزرتی ہے خاموش ہائے
اگر ضعف سے چپ ہی رہتے ہیں ہم — یہ سوچو تو کیا کیا نہ کہتے ہیں ہم
نہ پوچھو لب و لہجہ بے طور ہے — سخن کرنے کا ڈھنگ ہی اور ہے
جب ناتواں جائے مہمان تنگ — سخن منہ پہ آوے وداعی کے رنگ
لبوں پر نہایت ضعیف ایک آہ — در و بام پر حسرتوں سے نگاہ

نہیں گور کے کام سے کچھ فراغ
کسے ذوق صحبت کہاں ہے دماغ

میر

۸۲۔ ضعفِ پیری

عیش و عشرت کے مزے جتنے کہ سب زور میں ہیں — خرمی خوشدلی و عیش طرب زور میں ہیں
لذتیں فرحتیں کیا کہئے عجب زور میں ہیں — زندگانی کے مزے جتنے ہیں سب زور میں ہیں

سچ ہے یہ بات کہ ہے زور ہی میں زور مزا

جب سے گزرے ہیں تب سے ہوا یہ احوال — سستی و ضعف و نقاہت کی چڑھائی ہے کمال
ہو گئے سب [illegible] کے نقشے پامال — اب جو چاہیں کہ چلیں ہم بھی اسی طور کی چال

قصد کرتے ہیں بہت پر کہیں جاتا ہے چلا

رہ چلنے میں یہ کچھ ضعف سے ہوتے ہیں نڈھال ہر قدم آتے ہیں پاؤں کو سو رنج و ملال
اور جو تک تند ہوئے چلنے لگی تو فی الحال چلنی پڑتی ہے پھر اس وقت تو اس طرح کی چال

جیسے کیفی کوئی چلتا ہے بہت پی کے نشہ

پانی پیتے ہیں تو بلغم وہ ہوا جاتا ہے اور دہی چکھیں تو چھینکوں کا منڈھا چھاتا ہے
پیویں شربت تو ہوا زردگیاں ڈھلاتا ہے اور جو کم کھائیں تو پھر ضعف سے غش آتا ہے

پیٹ بھر کھائیں تو پھر چاہئے چورن کوئی ٹکا

ضعف کے دام میں ہیں اب تو کچھ ایسی طرح اسیر بس نہ اب طاقت تحریر نہ تاب تقریر
طبع افسردہ دل آزردہ بدن سخت حقیر جو جو کمزوریاں کرتی ہیں وہ کیا کہئے نظیر

ایسے بے بس ہیں کہ کچھ دم نہیں مارا جاتا

نظیر

۸۳ - چھینک

آئی تھی ایک حور مجھے دیکھ ہٹ گئی
دانتوں کے نیچے داب زباں جھٹ پلٹ گئی
آہٹ کو میری تاڑ کے جو کھٹ سے جھٹ اُچک
جھٹ پٹ وہ ہٹ کو اڑ کے پٹ سے چمٹ گئی

نظیر

۸۴۔ مار پھینک

صیاد نے جو دیکھا ہرن اُٹھ چلا تپاک
جلدی سے دوڑا پیچھے ہرن کے وہ سینہ چاک
سونٹے کو پھینک مارا جو پھرتی سے اُس نے تاک
بھاگا ہرن لگا وہیں گیدڑ کے آ کھٹاک
سر اُس کا پھوٹا اور وہ سلامت گیا ہرن

نظیر

۸۵۔ کشتی

کس چکا کاچھ کے تئیں جب دم
پھر ہوا سامنے بجا کر خم
مرزا نے وہ پیچ بناقدم گاڑا
لونڈے کو ڈھاک پر چڑھا مارا!
نیچے لینے کا مرزا نے کر ٹھاٹ
کیا لونڈے پہ دولتی جھپاٹ
چاہے تھا رالوں میں سے جکڑا
لونڈے نے دوڑ مالکھم پکڑا
کر کلا زنگ جسے بغل کے نیچ
کیا کیا اس کو دکھائے اٹنگا دو پیچ
دھنس کے پنچوں میں پھر اٹھا کے چپٹ
کہا مرزا کے چت کروں پلٹ
کشتی کا لونڈے کو پڑا جو مزا
کہا جو جس طرح سے تیری رضا

بولے مرزا بڑا نہ مانو گے
اپنا اُستاد مجھ کو جانو گے

سودا

۸۶۔ تیراکی کا مقابلہ

کتنے کھڑے ہی پیریں اپنا دکھا کے سینا
سینہ چمک رہا ہے ہیرے کا جوں نگینا
آدھے بدن پہ پانی آدھے پہ ہے پسینا
سردوں کا بہہ چلا ہے گویا کہ ایک قرینا
دامن کمر پہ باندھے دستار پھیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

جاتے ہیں ان میں کتنے پانی پہ صاف سوتے
کتنوں کے ہاتھ پنجرے کتنوں کے سر پہ طوطے
کتنے پتنگ اڑاتے۔ کتنے سوئی پروتے
حقوں کا دم لگاتے۔ ہنس ہنس کے شاد ہوتے
سو سو طرح کا کر کر بسیار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

نظیر

۸۷۔ پتنگ بازی

لاتا ہے پھیر پھار کے تکل جو اپنی واں — کہتا ہے کوئی ان سے "خبردار ہو میاں"
اب پیچ پڑنے کو ہے نہ دے اتنی ٹھمکیاں — گھبرا کے کہتے اس کے نہ پھنسنے دو میری جان

اچھا نہیں ہے مفت کھپانا پتنگ کا

گر پیچ پڑ گئے تو یہ کہتے ہیں دیکھیو — رہ رہ اسی طرح سے نہ اب کھینچے ڈھیل کو
پہلے تو یوں قدم کے تئیں او میاں رکھو — پھر ایک رگڑا دیکے ابھی اس کو کاٹ دو

ہے گا اسی میں فتح کا پانا پتنگ کا

کٹتا ہے جو پتنگ تو پھر لوٹنے اسے — دو دو ہزار دوڑتے ہیں چھوٹے اور بڑے
کاغذ ذرا سا ملتا ہے یا ٹکڑے کانپ کے — جب اس طرح کی سیر بھلا آن کر کرے

پھر سوچئے تو کیا ہے ٹھکانا پتنگ کا

نظیر

۸۸۔ کبوتر بازی

پھرتے ہیں ٹھمک چال بناتے ہیں خوشی سے
کیا کیا وہ غٹرغوں کی خوش آواز کبوتر

لڑتے ہیں اودھر اپنی کسا وٹ کو دکھاتے — ہیں جوگئے بھی رنگ کئی جوگ کے لاتے

چھٹتے ہیں ادھر سیمبری اپنی دکھاتے پریوں کے پرے دیکھ کے ہیں ہچرخ میں آتے
جب حلقۂ زناں ہوتے ہیں پرواز کبوتر
سکو کر کے جدھر کے تئیں چپی کو ہلادیں کچھ ہووے غرض پھر وہ اسی سمت کو جاویں
گٹ کونہ بھڑکا دیں تو پھر شہ پہ نہ آدیں چھوڑ ان کو نیئرا اپنا ول اب کسی سے لگادیں
اپنے تو لڑکپن سے ہیں دم ساز کبوتر

نظیر

۸۹۔۔ بلبل بازی

کل بلبلیں جو نو دس قابو میں اپنے آئیں
ان میں سے دو بکیڑ کے کشتی میں دھ بھڑائیں
یہ شور سن کے خلعت دوڑ آئی دائیں بائیں
کوئی بولا "واہ حضرت" کوئی بولا "واہ سائیں"
سو سو طرح کی دھومیں اک دم میں کر دکھائیں
اس ڈھب سے ہم نے یارو کل بلبلیں لڑائیں
اوّل تو دونوں کٹ کٹ لڑتی تھیں کر کے کڈا
جب تیری کو چھوڑا ادھر تو ہوا نگدڑا

خلقت میں آکے ٹوٹی چھوڑا اپنا اپنا اڈا
لڑکی کسی کی پسلی ٹوٹا کسی کا مڈا
سو سو طرح کی دھومیں ایک دم میں کر دکھائیں
اس ڈھب سے ہم نے یارو کل بلبلیں لڑائیں
تھی تین کی یہ کشتی چوتھی کو ان میں چھوڑا
اس نے تو تم بجا کر تینوں کو دھر جھنجھوڑا
پھر تو یہ بھٹکا آکر ان کشتیوں کا کوڑا
چھوٹا کسی کا ہاتھی بھاگا کسی کا گھوڑا
سو سو طرح کی دھومیں اک دم میں کر دکھائیں
اس ڈھب سے ہم نے یارو کل بلبلیں لڑائیں
ایک کنکری جو ماری پھر ہم نے پڑھ فسوں کی
کشتی میں گٹھڑی بندھ گئی ان چاروں بلبلوں کی
سن سن کے چیخیں ان کی لڑنے میں غزغوں کی
سب بولے واہ حضرت اچھی یہ پڑھ کے پھونکی
سو سو طرح کی دھومیں اک دم میں کر دکھائیں
اس ڈھب سے ہم نے یارو کل بلبلیں لڑائیں

نظیر

۹۰۔ مرغ بازی

دلی سے ہم جو لکھنؤ آئے — گرم پرخاش مرغ یاں پائے

جیسے مشکل کو پانی کی ہو دھوم — گلیوں میں یاں ہے نشتروں کا ہجوم

مرغ بازوں کو ہے قیامت جوش — جس کو دیکھو تو مرغ در آغوش

مرغ لڑتے ہیں ایک دن لاکھیں — سینکڑوں ان دنوں خصموں کی باتیں

انی برچھی کی رشک سے مرنے لگے — نیزے کی نوک سے کترنے لگے

وہ جو سیدھا ہوا تو پیچ کے پیچ — پاتے ہیں اس لیے لیتے ہیں تیغ و پیچ

مرغ کی ایک پرفشانی سے — آن کی صد رنگ بدزبانی سے

ایک بولے کہ کاری آئی چوٹ — ایک کہتا ہے بس گیا اب لوٹ

جھکتے ہیں آپ کو چراتے ہیں — لاتیں گویا کیے ہی کھاتے ہیں

ایک کے منہ میں شیخ کی منقار — ایک کے لب پہ ناسزا گفتار

منہ میں آیا جو کچھ سو بکنے لگے — تیکھی نظروں سے سب کو تکنے لگی

طرفہ ہنگامہ طرفہ صحبت ہے — بعد نصف النہار رخصت ہے

خوانچے سر پہ بغل میں ہارے مرغ — لے گئے جیتے ہارے سارے مرغ

پھر جو روز مکین آوے گا — نالۂ مرغ سحر سنواوے گا

عالم آوے گا گردو پیش ہی
گرم ہنگامہ ہوگا ایسا ہی

میر

۹۱۔ ریچھ کا تماشا

تھا ہاتھ میں اک اپنے سوا من کا جو سونٹا
لوہے کے کڑے جس پہ کھٹکتے تھے سراپا
کاندھے پہ چڑھا جھولنا اور ہاتھ میں پیالا
بازار میں لے آئے دکھانے کو تماشا
آگے تو ہم اور پیچھے وہ تھا ریچھ کا بچا

تھا ریچھ کے بچے پہ وہ گہنا جو سراسر
ہاتھوں میں کڑے سونے کے بجتے تھے جھمک کر
کانوں میں دُر اور گھنگرو پڑے پاؤں کے اندر
وہ ڈور بھی ریشم کی بنائی تھی جو پڑ زر
جس ڈور سے یارو تھا بندھا ریچھ کا بچا

مدت میں اب اس بچہ کو ہم نے ہے سدھایا
لڑنے کے سوا ناچ بھی ہے اس کو سکھایا
یہ کہہ کے جو ڈھپلی کے تئیں گت پہ بجایا
اس ڈھب سے اسے چوک کے جمگٹ میں نچایا
جو سب کی نگاہوں میں کھبا ریچھ کا بچا

پھر ناچ کے وہ راگ بھی گایا تو وہاں واہ
پھر کہہ ڈنا تا چا تو ہر اک بولی زباں واہ
ہر چار طرف سیتی کہیں پیر و جواں واہ
سب ہنس کے یہ کہتے تھے میاں واہ میاں واہ
کیا تم نے دیا خوب نچا ریچھ کا بچا

جب ہم نے اُٹھا ہاتھ کڑوں کو جو ہلایا — خم ٹھونک پہلواں کی طرح سامنے آیا
پٹا تو یہ کشتی کا ہنر آن دکھایا — جو چھوٹے بڑے جتنے تھے ان سب کو بچایا
ہم بھی نہ جھکے اور نہ تھکا ریچھ کا بچا

جب کشتی کی ٹھیری تو وہیں سر کو جو جھاڑا — ملکارتے ہی اس نے ہمیں آن لتاڑا
گر ہم نے پچھاڑا تو اُسے گر اس نے پچھاڑا — ایک ڈیڑھ پہر ہو گیا کشتی کا اکھاڑا
پر ہم بھی نہ ہارے نہ ہٹا ریچھ کا بچا

نظیر

۹۲۔ ماہِ صیام

بزمِ استقبال کے ممبر کھڑے ہیں خاک پر — اور نگاہیں لگ رہی ہیں عالمِ افلاک پر
جیسے قصرِ دوست کی کھل جائے کھڑکی یک بیک — رونما ہو جائے اک تمثالِ خوبی یک بیک
مقنعِ ابرِ سپید پھٹ کر دوپارہ ہو گیا — رخِ عروسِ ماہِ نو کا آشکارا ہو گیا
ملّتِ بیضا کا مہماں بن گیا ماہِ صیام — کر کے ابروئے ہلالی کے اشارے سے سلام
انقلاب آیا یکایک عالمِ اسلام میں — چہرۂ مسلم ممیز ہو گیا اقوام میں
بن گیا گلگونۂ رخسار۔ روحانی سرور
اور پیشانی کا زیور۔ یادِ ربانی کا نور

تر۔ منو۔ ش

۹۳۔ عید کی دھوم

شفق میں سرِ بامِ چرخِ کہن — ابھی جگمگاتی ہے کچھ کچھ کرن
بسیروں کو جانے لگے وہ طیور — اندھیرا ابھی چھانے لگا دور دور
کھڑے ہیں وہ کچھ خوش ادا بابیں — لگائے ہوئے آنکھ پر دوربین
افق کی طرف گھورتے بار بار — نظر کر رہا ہے ہر اک روزہ دار
چڑھے تھے فصیلوں پہ جو اہلِ صوم — پکارے خلائق کو وہ فخرِ قوم
مبارک ہو اے طالبانِ وصال — دکھاتا ہے وہ تیغِ ابروِ ہلال
یہ سن کر ہوئے شاد پیر و جواں — مسرت کا ہر سمت چھایا سماں
مہِ نو ہوا جلوہ گر دہر میں — وہ بجنے لگیں نوبتیں شہر میں
سلامی کی آواز آنے لگی — شہنائی کی دھن کیا رجھانے لگی
ہے افطار کی ہر طرف دھوم دھام — اذانوں سے گونج اٹھی بستی تمام
مہِ نو کی خاطر بہت دیر تک — بچھائے رہا سرخ اطلس فلک
دکانوں پہ وہ لیمپ جلنے لگے — ستارے بھی دو ایک نکلنے لگے
مہِ نو کی کشتی پہ ہو کر سوار — اترنے لگی شام قلزم کے پار
فریضے سے فارغ ہوئے پاکباز — اٹھانے لگا چرخ بھی جا نماز
مساجد سے گھر کو چلے خاص و عام — مہِ نو نے جھک کر کیا وہ سلام

وہ پہنچے مکان پہ صغار و کبار　　وہ کھا پی کے فارغ ہوئے سُنو داد

علیٰ قدرِ حیثیت اہلِ دول
سجانے لگے اپنے اپنے محل

بے نظیر

۹۴ - سیرِ ہجوم

ہوا چوک کی سمت پہلے گزار　　تو دیکھا برنگِ عروسِ بہار
چپ و راست آراستہ ہر دکان　　ٹہلتے ہیں سرت کیا کیا جواں
عماید بھی کچھ شہر کے ذی وقار　　چلے جا رہے ہیں فٹن پر سوار
بہت گل رخوں کو بٹھائے ہوئے　　وہ جاتے ہیں وکٹ اڑاتے ہوئے
وہ پھولوں کی کلغی لگائے ہوئے　　نزاکت سے چابک اٹھائے ہوئے
نظر آتی ہے شانِ حسن آفریں　　ہوا کھانے نکلے ہیں کیا کیا حسیں
حسینوں کا جمگھٹ جدھر دیکھیے　　نظر کو یہ حیرت کدھر دیکھیے
بسا عطر میں یہ ہر اک کا لباس　　معطر ہو جس سے دماغِ قیاس
کھڑے ہیں وہ مالی ادھر بے شمار　　لیے کامنی اور سیوتی کے ہار

تماشائیوں کا ہے یہ اژدہام
کہ چھلتے ہیں کاندھوں سے کاندھے تمام

۹۵۔ عیدگاہ

جو جو کہ ان کے حسن کی رکھتے ہیں دل سے چاہ　　جاتے ہیں ان کے ساتھ لگے تا بہ عیدگاہ
ایسی نہ شب برات نہ بقر عید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

نظیر

۹۶۔ دیوالی

جہاں میں یارو عجب طرح کا ہے یہ تیوہار　　کسی نے نقد لیا اور کوئی کرے ہے ادھار
کھلونے کھیلوں بتاشوں کا گرم ہے بازار　　ہر اک دکاں میں چراغوں کی ہو رہی ہے بہار
سبھوں کو فکر ہے اب جا بجا دوالی کا

مٹھائیوں کی دکانیں لگا کے حلوائی　　پکارتے ہیں کہ "لالہ دوالی ہے آئی"
بتاشے لے کوئی برفی کسی نے تلوائی　　کھلونے والوں کی ان سے زیادہ بن آئی
گویا انھوں کے واں راج آ گیا دوالی کا

نظیر

٩٧۔ صراف

کتنے اسی بازار میں زر کے ہی پیشہ وار ہیں
بیٹھے ہیں کر کر کوٹھیاں زر کے لگے انبار ہیں
سب لوگ کہتے ہیں انہیں یہ سیٹھ ساہوکار ہیں

ہے فرش کوٹھی میں بچھے تکیے لگے ہیں زرفشاں
بہیاں کھلی ہیں سامنے لکھتے ہیں منیم کار داں
کچھ پیشہ کچھ پر پیشہ کی آئی ہیں باتیں درمیاں

لاکھوں کے لکھتے درشنی سو سیکڑوں کی ہنڈیاں
کیا کیاتی اور سود کی کرتے سدا تکرار ہیں

تھوڑی سی پونجی جن کی ہے بیٹھے ہیں وہ بھی لے کے یاں
ایدھر ٹکے ہیں بیس کے اودھر دھری ہیں کوڑیاں
اور جو ہیں حد سے پونچے ان کو کوڑیوں کی تھیلیاں
کاندھوں پہ رکھ جاتے ہیں واں لگتی جہاں ہیں گدڑیاں

نظیر

۹۸ - ہولی

آؤ ساقی بہار پھر آئی ہولی میں کتنی شادیاں لائی
جس طرف دیکھو معرکہ سا ہے شہر ہے یا کوئی تماشا ہے
چشم بد دور ایسی بستی سے یہی متعصب ہے ملک ہستی سے
آئین بستہ ہوا ہے سارا شہر کاغذی گل سے گلستاں ہر دہر
ایسے گل پھول ہیں جو صرف کار رہ رہتے ہوئے ہیں باغ و بہار
اور بازار رنگ لائے ہیں سارے رنگیں ستوں لگائے ہیں
بستہ آئین دکانیں ہیں یکسر جن میں سستی متاع لعل و گہر

میوۂ نو رس و رسیدہ بہت
گل خوش رنگ و بوئے چیز بہت

پھر لبالب ہیں آب گیر رنگ اور اڑتے ہیں گلال کس کس ڈھنگ
پاس آتے ہیں مرغ گلشن بھول تھے دلبر گلاب کے سے پھول
پگڑیاں جامے بھیگی سو سو ہیں اُن کو گلہائے تر کہیں تو ہیں
چھڑیاں پھولوں کی دلبروں کے ہاتھ سیکڑوں پھولوں کی چھڑی ہو ساتھ
قمقمے بھر گلال جو مارے مہوشاں لالہ رخ ہوئے سارے
خوان بھر بھر عبیر لاتے ہیں گل کی پتی ملا اڑاتے ہیں

جشنِ نو روز سند ہولی ہے
راگ و رنگ اور بولی ٹھولی ہے

میر

۹۹ ۔ موسیقی

کچھ طبلے کھٹکے تال بجے کچھ ڈھولک اور مرڈنگ بجے
کچھ جھڑپیں بین رباب کی کچھ سارنگی اور چنگ بجے
کچھ تار طنبوروں کے جھنکے کچھ ڈمڈمی اور منہ چنگ بجے
کچھ گھنگرو کھٹکے جھم جھم جھم کچھ گت گت پر آہنگ بجے
ہے ہر دم ناچنے گانے کا یہ تار بندھایا ہولی نے

گھنگرو کی پڑی آن کے پھر کان میں جھنکار
سارنگی ہوئی بین طنبوروں کی مددگار
طبلوں کے ٹھیکے طبل پہ سازوں کے بجے تار
راگوں کے کہیں غل کہیں ناچوں کے بندھے تار
ڈھولک کہیں جھنکارے ہے مردنگ زمین پر
ہولی نے مچایا ہے عجب رنگ زمین پر

نظیر

۱۰۰. سوانگ

آئے بھیکیس بنا کے صورت باز — ڈوم ڈھاری نے بجا کر ساز
نقل مقبول کی سوعاجی بنے — سج کے عمامہ سر پہ کتنے جنے
کوئی جوگی کوئی فقیر بنا — کوئی داڑھی لگا کے پیر بنا
کوئی بنیا بنا کوئی اوباش — نقل کرتے تھے ان سبھوں کی تلاش
کوئی شاعر بنا جس کی نظیر — یعنی مستغرق خیال تھا میر
کچھ سپاہی بنے تھے کچھ تجار — کوئی زاہد ہوا کوئی خمار

جس کی تقلید کی سو ویسی طرح
اصل ہوتی نہیں ہے ایسی طرح

میر

۱۰۱. بوڑھے بوالہوس کا مضحکہ

منہ دیکھتے ہیں کہتے ہیں سب آؤ بڑے جی
کیا آئے ہو یاں کرنے کو پیری و مریدی
کیا آئے ہو حضرت ہمیں قرآن پڑھانے
ہنس ہنس کوئی پوچھے ہے نمازوں کے دوگانے

نٹھے سے کوئی پھینکے ہے تسبیح کے دانے
یا کھینچے ہے کوئی ہاتھ کوئی پکڑے ہے لکڑی
پٹے کہیں اور مونچھیں کہیں جاتی ہیں پکڑی
داڑھی کو پکڑ کھینچ کوئی جھاڑے ہے مکڑی
نقلیں کوئی ان پوپلے ہونٹوں کی بنا دے
چل کر کوئی کبڑے کی طرح قد کو جھکا دے
داڑھی کے کئے انگلی کو لالا کے نچا دے

نظیر

۱۰۲۔ شادی کی دھوم

ہے جہانِ کہیں تماشاگاہ — آصف الدولہ کا رچا ہے بیاہ
نئے سرے جواں ہوا ہی جہاں — عیش و عشرت کی تجو خرد و کلاں
ہر طرف گھر میں ہے آرائش — مہر داں کی نہیں ہے گنجائش
ماہ سے ماہتاب کی ہی طرح — کس سے ہو لطف روشنی کی شرح
شب شادی کی دھوم کی کیا بات — روز روشن تھی روشنی سے رات
دو طرف چھوٹتے جو بیٹے انار — راہ و رستے ہوئے ہیں باغ و بہار
کیا ستاروں کا چھوٹنا کہئے — آسماں کی طرف ہی تک رہئے

کاغذی باغ کیا تماشا ہے
پھول کترا کے گل تراشا ہے

ہے سواری کے فیل کی وہ دھوم | جیسے ابر بہار آوے جھوم
آئے دولت سرا سے ہو کے سوار | لعل ناب و گہر ہیں صرف نثار
اک عماری کے ساتھ فیل نشاں | آگے مانند کوہ زر کے رواں
اور ہاتھی ہیں جھومتے جاتے | جیسے آویں جوان مد ماتے
پلٹنیں جاتی ہیں برابر یوں | صف ہو مژگان دلبروں کی جوں
پا لبتہ رکاب میں ہیں سرنگ | جن کے دیکھے کمیت چرخ ہو دنگ
خوش سواری و خوش جلو خوش رگ | باگ اچکے تو پھر نہ ٹھیرے نگاہ
گردنوں میں پڑیں حمائل گل | ہے جلو میں بصد شمائل گل
تھے پریزاد جیسے اڑ جاویں | آنکھ پھیرو تو کل ہی مڑ جاویں
نوبتی اب طبیعتوں کو رجھاؤ | چل سواری کا تم اصول بجاؤ
چوب نقارے پر لگا اس ڈھب | کہ رکھیں گوش اس صدا پر سب
ایک دو فن بجائے جاؤ یونہی | دل کش آواز گائے جاؤ یونہی
پھینکتے ہیں جو دستہ دستہ گل | رہ گزر میں ہے رستہ رستہ گل

ہو مبارک یہ جشنِ خوش انجام
دورِ گردوں بکام عیش مدام

میر

۱۰۳۔ جلوس

چل سواری کا سیر بھی ہے بڑا — ایک عالم ہے دونوں رستے کھڑا
جل زربفت پوش فیل نشاں — کوہ زرستا ہے پیش پیش رواں
گل کی پاکھڑ پڑی ہوئی یک بار — ہاتھی آیا برنگ ابرِ بہار
زری پوشوں کا پیش دیس انبوہ — اللہ اللہ رے اُن کی شان شکوہ
تور میں کتنے سونے کے سے پہاڑ — آگے روپے کی روشنی کے جھاڑ
موتی کرتے تھے ہر طرف سے نثار — تھا مگر فیض ابرِ گوہر بار
ہیں جلو میں زمینیاں حاضر — جاہ کے آسمانیاں ناظر
عمدہ سب ساتھ ہیں وزیر سمیت — شاعراں مدح خواں میر سمیت
تازی ترکی عراقی و عربی — کوتل آگے تھے خوش جلو میں سبھی
رہن رکھ لو جہاں کہ منہ کے نرم — چھیڑے بادِ سموم سے ہوں گرم
روشنی بھی ہے کوئی ہنگامہ — سیر میں گرم ہو گیا جامہ
شمعیں لاکھوں کنول میں ہیں روشن — زرد رکھوا لا ہے کاغذیں گلشن
توپیں کیا ڈھالیں ہیں تاروں کی — کھوئی رونق فلک کے تاروں کی
چھوٹتے ہیں انار و مہتابی — رنگ ہیں دلبروں کے مہتابی

ماہ بھی چشم روشنی کے لئے
ہے چراغاں ستارگاں سے کئے

میر

۱۰۴ - بہار آتش بازی

اندھیرا گیا غرب میں شام کا
ہوا دور لب بدر کے جام کا

وہ مہتاب سے پھول جھڑنے لگے
زبرجد پہ الماس جڑنے لگے

شب ماہ جلوہ دکھانے لگی
زمانے پہ حیرت سی چھانے لگی

لب جو نظر آئی اک بارگاہ
فلک قدر کیواں حشم عرش جاہ

منقش سراپردہ ستر فام
جواہر نگار و مطلا تمام

لب جو ہے سرو چراغاں کا باغ
کنارے کنارے منور چراغ

فروزاں ہیں مہتابیاں سقف
کنار لب نہر نوراں کا مہتاب تک

وہ لہروں میں عکس تجلی کی ضو
لرزتی ہوئی وہ چراغوں کی لو

ہوائی کا گردوں پہ وہ چھوٹنا
کرن کا وہ مہتاب کی پھوٹنا

وہ چرخی کا چھٹ اور بانوں کا توڑ
وہ جھاڑوں کا چکر وہ دیا کا توڑ

وہ گچھے پھول نرگس وہ نرگس انار
وہ ہر رنگ کی پھلجھڑی کی بہار

یہ سب فرش پاکیزہ پر خندہ زن
کھلے چاندنی پر ہو جیسے چمن

سالا بھر ان میں وہ گلفشاں — دھوئیں کا نہیں نام کو بھی نشاں
ابھی تک چمکتے ہیں گل جا بجا — ذرا بھی نہ چادر کو دھبہ لگا
غبارے وہ ڈوبے ہوئے سربسر — ستارے بنے دیکھیے چرخ پر

پریزاد و گل چہرہ و رشک حور
ادب سے کھڑے ہیں قریب اور دور

بے نظیر

۱۰۵۔ چراغاں

عجب ڈھب سے کی روشنی صد عجب — کہ دیں چھوڑ ناویں دیئے بھر کے سب
جدا ہوویں تو غنچہ غنچہ چراغ — ملے جیسے عاشق کی چھاتی کے داغ
ورے روشنی شعلہ انگیز بار — پرے سطح پانی کا آئینہ دار
ہوئیں کشتیاں کچھ ورے کچھ پرے — چراغوں سے موجوں کے کچھ جی جرے
حبابوں میں بھی جو چراغوں کی تاب — جلی تھا آئینہ سب سطح آب
نمودار چرخ پر انجم تھی شب — دیوں سے وہ پھیلا ہوا پانی کا لب

غرض روشنی کی عجب کچھ تھی لاگ
لگا دی ہو گویا کہ پانی میں آگ

میر

۱۰۶- بہار روشنی

روشن الدولہ نے کی تھی روشنی — کب ہوئی تھی لیکن ایسی روشنی
وہ چراغاں گرچہ تھے درگاہ تک — تھے تماشائی گدا و شاہ تک
راہ میں ترپولیے بسیار تھے — روشنی کے کوچہ و بازار تھے
ایک عالم دیکھتا تھا دور سے — رات دن تھی روشنی کے نور سے

اب تو ہفت اقلیم کا عالم ہے یاں — دیکھو تو ہر جنس کا آدم ہے یاں
کیسی کیسی تھیں شکلیں تازیاں — سحر کرتے تھے کہ صورت بازیاں
ہاتھی آئے کہ وہ پیکر کیا بنے — جیسے مدھ ماتے جواں ہوں اینٹھنے
ٹٹیاں دریا کے باندھیں دو طرف — کیا چراغاں آسماں کی ہو طرف
تھا جہاں تک آب دریا کا بہاؤ — واں تلک تھا اس چراغاں کا دکھاؤ
ان دیوں کے عکس سے دریا کا آب — آئینے کی سطح کی رکھتا تھا تاب
کشتیوں میں جو دیئے بھر کر چلے — پانی میں شعلوں کے ریلے ہی چلے
نیچے جاتے تھے چراغاں آب میں — شعلے تھے لہروں کے پیچ و تاب میں
منعکس تھے جو چراغاں زیر فلک — آب کی وسعت تھی بر چرخ فلک
گنج چھوٹے ایک سے روشن تھے جا — دو طرف جس طرح سے نکھری ہوا
اس روش سے تھے تلے چھوٹتے — ناگہاں جوں ہو دیں تارے ٹوٹتے

ہر دو جانب چن گئے ناری انار
گلفشانی سے انھوں کی تھی بہار

ماہتابی اک طرف سے جو دغی
چاند سا نکلا ہوئے حیراں سبھی

متصل توپیں ستاروں کی دغیں
لوگوں کی آنکھیں فلک سے جا لگیں

دیکھیاں کیا کیا نہ شعلہ خیزیاں
تھی ہوا اس سے ستارہ ریزیاں

نذر کو نواب کی اہلِ فرنگ
لیکے آتش بازی آئے رنگ رنگ

دائیاں توپیں ہوائی ایک بار
چھیلتے تارے آسماں ہیں بیشمار

بوصد گلریزی سے گلشن ہو گیا
چرخ ان تاروں سے روشن ہو گیا

گرم کچھ ہنگامہ یہ بھی کم نہ تھا
اس روش کی دھوم کا اودھم نہ تھا

میر

۱۰۷۔ آرائشِ ایوان

اسی طرح وہ سب کے سب آن میں
ہوئے جلوہ گر آکے ایوان میں

غرض دیکھتا تھا تا ہر مکاں
سرِ بام پہنچا وہ شاہِ جہاں

تو دیکھا کہ وہ صاف ہے اس قدر
نگاہیں پھسلتی ہیں دیوار پر

کنول جھاڑ فانوس ہانڈی گلاس
ہر اک وضع کے آئینے بے قیاس

لگے ہیں قرینے سے جا بجا
جناں کی طرح سارا گھر سجا

چڑھیں بتیاں خنک کافور کی — تجلی ہر اک شمع میں نور کی
مبنت منقش در و بام سب — مہیا ہر اک ساز عیش و طرب
جو شہ کو پسند آگیا وہ مکاں — اسی جا کیا خاصہ بھی نوش جاں
وہیں دیر تک گرم صحبت رہی — بہم رسم حرف و حکایت رہی

فراغت ہوئی جشن رفعت سے جب
ذرا دیر کو سو رہے سب کے سب

بے نظیر

۱۰۸۔ بن

کہو ایسے بن سے نکلنا ہوا — کہ کوسوں تلک اس میں چلنا ہوا
کشیدہ قد اس بن کے سارے درخت — چمن کے سے نوباوگاں سبز بخت
برابر برابر کھڑے سر بسر — پھرے دیر اودھر کو جا کر نظر
پرے چل کے آیا تراکم بہت — حواس اس میں جا کر ہوئے تنگ بہت
کہیں راہ نکلی تو چلنے پڑے — سہے بال پر تل بہت ان کے کھڑے
کہ شاخوں نے جھک جھک ملائے تھے سر — بہت آگے جا جا کے آئے تھے پھر
دبی راہ درپیش و کثرت ہوئی — قیامت کے اوپر قیامت ہوئی
کہیں اوج اختر کہیں بخت پست — زمیں بہر ہر گام بالا و پست

گزر جس طرح اس طرح سے کیا
روندوں نے خون جگر ہی پیا

میر

۱۰۹۔ سفر جنگل

محاذی تھا اس کوہ کے ایک دشت
کہ دشوار تھا جن پری کا گشت

چلے باؤ تو اک توحش ہے شور
سکے پاؤں جن کو کھینچے بزور

فقط غار بن کیا کہیں پہاڑ تھا
کہ بوٹا کہیں واں نہ جھاڑ جھنکاڑ تھا

چلو تو چلے ہے یہ چلتے نہیں
کہ ہاتھی آگے سے ٹلتے نہیں

نہ توفیق نہ سر کیں نہ سکتے کہیں
مگر پیچھے پاؤں ہی رہبر نہیں

کہیں ہاتھی آیا ہی بھڑکا کہ لوٹ
کھڑکے لوگ جیتے ہیں لڑنے کی کھوٹ

کہیں بیٹھے افغان سرگرم جنگ
گرے تو تو بس کی عرصہ ہی تنگ

قیامت نمودار ہر ہر قدم
چلے کوئی کیا رکھ کے سر پر قدم

کہیں تھک کے نکلے کہیں جھک چلے
کہیں مضطرب تھے کہیں رک چلے

اسی طور منزل کو کر قطع راہ
پہونچتے رہے ہم بحال تباہ

میر

۱۱۰۔ عبورِ دریا

کیا ایک نالے سے ہم نے گزر — ہوئی قائم اس جا پہ شبر و گر
گئے گاڑی چھکڑے پیادہ سوار — کہ مقصد تھا سب کا عبور ایک بار
کہ تک لگے پھنسنے دلدل کے بیچ — کہ نالے کا پانی تھا یکدست کیچ
پھنسنے لگا گاؤ اشتر گرے بار خر — ہوئے لت پت اشتر بھی زیر تہہ
نہ ہاتھی نہ اسباب لے نے کٹے — یہی اک بہانا نے سو جتنے
کھڑے ہم ہیں ہاتھ پر رکھ کے ہاتھ — کریں پار جانے کی کس نوع سی بات
کمند اک بیانے میں اپنے ڈبے — پھر اس کے جو تھی چاروں سم کھنے
چڑھے اُن کو سر آن سوئے دریا ہوئے — ہوئے پانی پانی کہ رسوا ہوئے

نہ دیکھے تھے آگے کبھو یہ سمیں
ولیکن خدا نے اُتارا ہمیں

میر

۱۱۱۔ بارش اور شکار

پھر اِس سے بارش لگی ہونے زور
رہا ساری وہ رات طوفاں کا شور

ہوئے خیمے پانی کے اوپر حباب
سب اسباب لوگوں کا تھا زیر آب

نہ پوچھو اور اسباب مردم کا حال
نہ چادر رہی خشک نے کوئی پال

قنات اور تنبو پسر سب گئے
کھونٹے تھے جو کٹ کے اُتر سب گئے

بھرا پانی لشکر میں پھیلا ہوا
اگر فرش و بستر تھا گیلا ہوا

ہوا سرد از بس ہوئی ایک بار
کلیجوں سے ہوتی تھی برچھی سی پار

ہوئے باؤ سے لوگ منہ ڈھانپتے
جگر چھاتیوں میں تھے کانپتے

رہا ایسی سردی میں کیدھر شکار
ہوئے لوگ خیمے کے اندر شکار

میر

۱۱۲۔ چور چکار

ہوا دن تو یوں کھینچتے رنج شام
گئی رات چوروں کے ڈر میں تمام

کہے ہر کوئی کون آتا ہے یہ
پکارے کوئی کون جاتا ہے یہ

گئی آنکھ کپڑوں کے تئیں رو رہو
پھر آرام سے رات کو سو رہو

دبیر

۱۱۴ - عرضِ حال

سنیے قبلہ مری گزارش کو | آپ کا بندہ ہوں میں تابعدار
جانیے سچ جو عرض کرتا ہوں | جھوٹ کہنا نہیں ہے میرا شعار
جو گزرتی ہے آج کل مجھ پر | کب زبانِ قلم سے ہو اظہار
میں ہوں اور ایک گوشۂ تاریک | کوئی ہمدم نہ کوئی ہے غم خوار
رات دن ایک کنج تنہا میں | بیٹھا رہتا ہوں خستہ و ناچار
کس مصیبت سے گھر ملا ہے بھی | ٹوٹے پھوٹے ہوئے در و دیوار
اور سامان کی یہ حالت ہے | چارپائی کے گرد ہے انبار
دال چاول ملیں ہیں کھانے کو | کھاتے کھاتے ہوا ہے جی بیزار
گیہوں اور گوشت کا کہاں تب ملے | ایسی ہستی پہ ہو علی کی سنوار
اک مصیبت جو ہو تو کیجے عرض | نئی آفت ہے ہر گھڑی دو چار
مجھ کو عرصہ ہوا یہاں آ کر | جب سے بیٹھا ہوا ہوں میں بیکار

ایک کوڑی نہیں ملی اب تک — مفت کھاتا رہا یہ اسفندیار

خرچ سب ہو چکی جمع پونجی — کون دیتا ہے یہاں قرض ادھار

مجھ کو جلدی بلایئے یاں سے — التجا ہے یہی مری سرکار

اور کسی جگہ دلا دیجئے — جس سے ہو کچھ گزر ...

کچھ تو راحت ملے اور عزت ہو — کہ گئے دن ...

میری تکلیف اور راحت کا — ظاہر آپ پر ہے دارومدار

حیف ہے وہ اٹھائے یوں زحمت — آپ سا جس کا ہووے حامی کار

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار"

حالی

۱۱۴۔ قدیم سواری

وہیں بیچ آیا میانا مرا — کوئی دیکھا رنج اٹھانا مرا

سواری سے مجھ کو ندامت ہوئی — کہ چاروں طرف سے ملامت ہوئی

لگے کہنے آیا فرنگی کہاں — کہ چوپائے کی رسم چھوڑی یہاں

جسے دیکھو چار اٹھائے ملکر کہار — لگا ہونے ہر شخص اس پر سوار

چلو بی چلو ہے کہ نئی جائیو | کہ چوپایے کے پاس مت آئیو
روندے ادھر کے ادھر میں خراب | پہ چلتے ہیں مجبور گو بھاگے شتاب
نہ اس حال سے اہل دفتر خبر | توجہ نہ عمدوں کی کچھ ہے ادھر
وگرنہ ہو قدغن کہ اب اہل کار | نہ رہنے دیں لشکر میں غولی سوار

نہ مانیں تو چوپائے دیویں الٹ
ابھی گھوڑے نیں چپٹیں ایک ہی جھپٹ

میلر

۱۱۵۔ ریلوے اسٹیشن

غرض عصر پڑھ کر بعد آرزو | لگے کرنے باہم دگر گفت گو
کہ گھنٹی بجا گر کسی نے کہا | نہ گاڑی کے آنے میں وقفہ رہا
جو پچھم کا ہو جانے والا چلے | ٹکٹ ماسٹر سے ٹکٹ آ کے لے
سنی جس گھڑی یہ صدائے طرب | کھڑے ہو گئے ہو کے طیار سب
اسی فکر میں محو تھا ہر کوئی | ذرا دیر میں اور گھنٹی ہوئی
وہ سیٹی ہوئی ریل آنے لگی | دھواں دور سے کچھ دکھانے لگی
قلی جلد سگنل گرانے لگا | وہ پائنٹ کوئی ملانے لگا
جو سڑکوں کے پھاٹک کی آنے لگی | ہری جھنڈیاں سب دکھانے لگے

ہوا ایسا دنیا فلک کا بھی ترک
نکلنے لگے آنسوؤں سے کلرک

جو انجن کے تیور بدلنے لگے
مسافر یکایک سنبھلنے لگے

مقام توقف پہ ٹھیری جو ریل
تو ہونے لگی کچھ عجب ریل پیل

کہیں لوگ اترنے میں گرنے لگے
کہیں خوانچے والے پھرنے لگے

کوئی لے کے لوٹا چلا بہر آب
پکارا کوئی لاؤ پانی شتاب

کوئی رفع حاجت کو دوڑا ادھر
کسی نے نماز پڑھی مختصر

پر اتنے میں سب ہو چکیں گھنٹیاں
رُکے کوئی دم بھر یہ مہلت کہاں

ہوئی ریلوے کمپنی پہ تحسیس
کہ دس کی جگہ بھر دیئے بیس تیس

ہے گو دوسرے میں بھی یہ ازدحام
مگر پہلا درجہ ہے خالی تمام

اسی میں روانہ ہوا بے نظیر
خم زلف جاناں کا تازہ اسیر

بے نظیر

۱۱۶۔ ریل میں گرمی کا دوپہر

چلی ریل تو ٹھیک سے دوپہر
ہوا کے تھے ذرات تک بھی شرر

وہ صرصر کی آتش فشانی کی دھوم
شرر ریز ہر سمت بادِ سموم

جھلستا ہے منہ جھانکے گر کوئی کیا — مگر موج شعلے سے موج ہوا
کڑی دھوپ کا اسقدر ہے اثر — کہ ہر گھاٹی ہے گلخن شیشہ گر
جو رستے میں ملتی ہیں کچھ ندیاں — ہے سوکھی زباں موج ریگ رواں
بری سے بری ندی پایاب ہے — ہوا خود حرارت سے بیتاب ہے
فلک کی طرف کوئی تکتا نہیں — زمیں کو کوئی دیکھ سکتا نہیں
لگائی ہیں کچھ خس کی جو ٹٹیاں — تو خیر اس سے کچھ سرد ہیں کوٹھریاں
مگر کوئی تختہ جہاں چھو گیا — تو رخسار میں پڑ گیا آبلا
یہ گرمی ہے یا قہر پروردگار — کہ ہر سمت ہے العطش کی پکار
عرق میں نہایا ہوا ہر بشر — حسیں ہر پری سا پسینے میں تر
نہ بچتے گرمی سے پھر کیا کوئی — ہوا گرم آتی ہے پنکھے سے بھی

کیا نشتو کے اوپر جو اس دم شمار
تو پارے کو ہے ستر اوپر قرار

بے نظیر

۱۱۷۔ ریل میں ہماری سفر

عجب شان سے آج چلتی ہے ریل — کہ صرصر کو پیچھے ہٹاتی ہے ریل
مسرت میں سیٹی بجاتی ہوئی — دھوئیں شب غم کے اڑاتی ہوئی

اندھیرا پہاڑوں کے اندر کہیں — چڑھائی کہیں اور چکر کہیں
وہ ٹھنڈی ہوا اور بادل کی سیر — وہ سرسبز وادی وہ جنگل کی سیر
قدم سست و آہستہ دھرنا کہیں — پہاڑوں پہ چڑھ کر اترنا کہیں
مقام ایسے دوچار پائے گئے — جہاں دو دو انجن لگائے گئے
کہیں کوئی دریا کہیں کوئی جھیل — کہیں سلسلے کوہ کے مستطیل
کہیں [?] فتادہ تر کہیں بلند — نہ تا فرط پستی سے پہنچے گزند
بلندی پہ جس وقت آتی ہے ریل — سماں دور تک کا دکھاتی ہے ریل
برنگ [illegible] کوہسار — کہیں چشمے جاری کہیں مرغزار
کہیں کوسوں جنگل ہے [illegible] کا — کہیں دور تک جھاڑیاں جابجا
کہیں سبزہ ہر دو طرف [illegible] — کہیں پھرتے ہیں ہزاروں ہرن
بنے ہیں جو قلعے سر کوہسار — ہیں کیا جانے کس عہد کے یادگار
پہاڑوں کے اندر ہیں [illegible] جہاں — وہاں دن کو روشن ہوئیں بتیاں
اسی طرح چڑھتی اترتی ہوئی — چلی مرحلے قطع کرتی ہوئی
جو رستے میں تھے چھوٹے چھوٹے مقام — کسی جا نہ اس نے کیا کچھ قیام
پہنچی شہر مقصود تک جا بجا — کوئی دس منٹ کو توقف کیا
جو سگنل نظر آگیا ایک بار — لگی سیٹیاں دینے بے اختیار

غرض اب وہ اسٹیشن آیا نظر
کہ تھا جس کی خاطر یہ سارا سفر

بے نظیر

تمت

مناظر قدرت

جلد سوم

ضمیمہ

شعرا اور ان کا کلام

استدعا :- ذیل میں شعرا کے متعلق جو جو حالات دریافت طلب ہیں اگر کوئی صاحب ان سے مطلع فرمائیں گے تو باعث مشکوری ہوگا۔ امید کہ طبع آئندہ میں کل حالات مکمل ہو جائیں ۔

صفحہ

۱۔ ارشد

ولادت　　وطن

صفحہ

مناظر قدرت

جلد چہارم

مرتبہ

محمد الیاس برنی

زیر نگرانی

مسلم احمد نظامی ایم۔ اے

مالک

کتب خانہ نذیریہ۔ مسلم منزل کھاری باؤلی۔ دہلی

قیمت تین روپے ۵۰ نئے پیسے

کلیاتِ اقبال

علامہ اقبال علیہ الرحمتہ کا اُردو کلام

انتہائی خوبصورتی کے ساتھ شائع کیا گیا

ہے۔ جس میں اقبال کا تمام کلام موجود

ہے۔

قیمت چھ روپے

ملنے کا پتہ

کتب خانہ نذیریہ مسلم منزل کھاری باؤلی دہلی

(باہتمام [illegible] برقی پریس دہلی)

فہرست مضامین

ہر جلی عنوان سے ایک نیا مضمون شروع ہوتا ہے اور اس کے تحت میں مضامین متجانسہ درج ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مناظر قدرت

جلد چہارم

صبح کا سماں

جب نمایاں ہوئی رن میں شب ماتم کی سحر
آمد آمد شہ خاور کی ہوئی گردوں پہ
رنگ بدلا چمن عالم امکاں کا ادہر
نجم چھپنے لگے کم ہونے لگا نور قمر

نخل تازے ہوئے باغوں میں شمیم آنے لگی
پھول کھلنے لگے تھم تھم کے نسیم آنے لگی

جابجا لالہ و نعمان و شقایق کا وہ رنگ
سمن و یاسمن و سوسن و ابہر کا وہ ڈھنگ
وہ صدا کبک دری کی کہ ہو پانی دل سنگ
طائروں کی وہ درختوں پہ ملائم آہنگ

خوش نوایان چمن زمزمہ پرداز تھے سب
جتنے گل تھے ہمہ تن گوش بر آواز تھے سب

وہ سماں دشت کا وہ نور کا تڑکا وہ بہار — صنعت صانع قدرت کا وہ تھا نقش و نگار

وجد میں لاتی تھی خوشبوئے گل و صوت ہزار — کبھی شاخوں کا وہ جھکنا کبھی اٹھنا ہر بار

شان دکھلانے کو جو نخل تھا آمادہ تھا

زلف سنبل بھی سنوارے ہوئے استادہ تھا

سبزہ وہ جس سے خجل رنگ سپہر اخضر — موتی پھیلے ہوئے شبنم کے ادھر اور ادھر

سرد نہریں کہ جنہیں دیکھ کے ٹھنڈا ہو جگر — وہ حبابوں کی چمک جیسے فلک پر اختر

بڑھ کے غنچوں کے دہن مرغ چمن چومتے تھے

قمریاں بولتی تھیں سرو بھی جھومتے تھے

گل شبّو کی سحر کو وہ بہار ایک طرف — جلوہ گر ایک طرف برگ نوبار ایک طرف

روشوں پر وہ صنوبر کی قطار ایک طرف — ڈالیاں پہنے ہوئے پھولوں کے ہار ایک طرف

خرم و تازہ و تر دشت بھی گلزار بھی تھا

تر زباں ذکر الٰہی میں ہر ایک خار بھی تھا

شمع و پروانہ کا وہ سوز و گداز ایک طرف — بلبل و گل میں نئے راز و نیاز ایک طرف

طوطی تیز زباں نغمہ طراز ایک طرف — چمنستاں کے حسینوں کا وہ ناز ایک طرف

وہ ہنگام سحر دیکھ کے خرسند کوئی

کوئی خنداں تھا چمن میں تو شکر خند کوئی

تھا نیا حسن جو باغوں کا تو چہرہ گلبن — ہر طرف رقص کناں پھرتے تھے طاؤس چمن

جب چٹکنے میں ہنسے غنچۂ ونسرین وسمن — جاگ اُٹھا سبزۂ خوابیدۂ میدان گلشن
پھول کو سمجھی تھی آنکھوں کا جو تارا نرگس
کر رہی تھی چمنستاں کا نظارا نرگس
تھا ہر اک صحن چمن طعنہ زن چرخ بریں — جا بجا تازہ وہ خوشے کہ خجل ہو پروین
خاک پر فرش گلوں کا وہ نہالوں کے قریں — تھی یہ بالیدہ کہ پھولوں نہ سماتی تھی زمیں
رنگ نازک جو ہر اک گل کی کلی رکھتی تھی
پھونک کر پاؤں نسیم سحری رکھتی تھی

نفیس

۲۔ مناظر سحر

کیا روح فزا جلوۂ رخسار سحر ہے — کشمیر دل زار ہے فردوس نظر ہے
ہر پھول کا چہرہ عرق حسن سے تر ہے — ہر چیز میں اک بات ہے ہر شے میں اثر ہے
ہر سمت بھڑکتا ہے رخ حور کا شعلہ
ہر ذرہ نما چیز میں ہے طور کا شعلہ
لرزش وہ ستاروں کی دہ دوں کا تبسم — چشموں کا وہ بہنا کہ فدا جن پہ ترنم
گردوں پہ سپیدی و سیاہی کا تصادم — طوفان وہ جلووں کا وہ نغموں کا تلاطم

اڑتے ہوئے گیسو وہ نسیم سحری کے
شانوں پہ پریشاں ہیں یا بال پری کے

وہ پھیلنا خوشبو کا وہ کلیوں کا چٹکنا | وہ چاندنی مدہم وہ سمندر کا چھلکنا
وہ چھاؤں میں تاروں کی گل تر کا مہکنا | وہ جھومنا سبزہ کا، وہ کھیتوں کا لہکنا

شاخوں سے ملی جاتی ہیں شاخیں وہ اثر ہے
کہتی ہے نسیم سحری عہد سحر ہے

خنکی وہ بیاباں کی وہ رنگینیٔ صحرا | وہ وادیٔ سرسبز وہ تالاب مصفا
پیشانیٔ گردوں پہ وہ ہنستا ہوا تارا | وہ راستے جنگل میں وہ بہتا ہوا دریا

ہر سمت گلستاں میں وہ انبار گلوں کے
شبنم سے وہ دھوئے ہوئے رخسار گلوں کے

وہ مدح میں انوار خدا صبح وہ صادق | وہ حسن جسے دیکھ کے ہر آنکھ ہو عاشق
وہ سادگی انساں کی فطرت کے مطابق | زریں وہ افق نور سے لبریز وہ مشرق

وہ نغمۂ داؤد پرندوں کی صدائیں
پیراہن یوسفؑ کی وہ تاثیر ہوائیں

وہ برگ گل تازہ وہ شبنم کی لطافت | اک حسن سے وہ خندۂ سامان حقیقت
وہ جلوۂ اصنام وہ بتخانہ کی زینت | زاہد کا وہ منظر وہ برہمن کی صباحت

ناقوس کے سینہ سے صدائیں وہ فغاں کی
وہ حمدیں ڈوبی ہوئی آوازوں کی

آقا کا غلاموں سے یہ ہے قرب کا ہنگام دل ہوتے ہیں سرشار خفا ہوتے ہیں آلام
چھا جاتی ہے رحمت تو برس پڑتے ہیں انعام اس وقت کسی طرح مناسب نہیں آرام

رونے میں جو لذت ہے آہوں میں مزا ہے
اے روح! منادی چھوڑ کہ نزدیک خدا ہے

شبیر حسن خاں

۳۔ چاندنی رات

دل کش تھا اک رات کا منظر چاندنی تھی پھیلی ہوئی گھر گھر
دیر ہوئی سورج کو سدھارے لیلی شب نے بال سنوارے
چرخ بریں پر چھٹکے تارے اک اک آ کے چمکے سارے
سائباں جو سر پہ تنا تھا گویہ بقعۂ نور بنا تھا
تاروں کا جمگھٹا گھنا تھا دق، ذرے ہو کر نور چھنا تھا
چاند کے گرد تھا نور کا ہالا لطف کہکشاں سے تھا دوبالا
پھیلا تھا ہر سمت اجالا روشن خوب تھا عالم بالا
زمیں پہ مہ کی نور افشانی گویا برس رہا تھا پانی

صحن گلشن تھا لاثانی (ق) صانع کو تھی خود حیرانی
چاندنی کا چھن چھن کر آنا پتوں میں گھس گھس کر جانا
آب رواں میں کہیں نہانا (ق) آنکھ کو جادوگری دکھانا
کہیں پہ پڑنا کہیں نہ پڑنا روشنی کا سایہ سے لڑنا
شکلوں کا بن بن کے اکڑنا (ق) اِدھر سنورنا ادھر بگڑنا
سرو نگہبان بنے کھڑے تھے اپنی جگہ پہ تنے کھڑے تھے
خواب ناز میں پھول تھے سارے ہلتے تھے ان کے گہوارے
ہوا کے جھونکے جگا کے ہارے (ق) پر نہ اُٹھے وہ نیند کے مارے
جادو ادھر تو تھا گل پر حالت اور تھی یہ سنبل پر
پڑے پڑے انگڑائی لینا نیند میں کاکل الجھا دینا
نرگس پہ تھی غنودگی طاری خواب سے اس کی آنکھ تھی بھاری
بلبل کو سوجھیں یہ باتیں باغ میں چل کر کیجئے گھاتیں
آئیں اُس کی عیش کی راتیں کھائیں گلوں نے پیار کی لاتیں
قمری تھی شمشاد پہ شیدا ایک کا عشق تھا ایک سے پیدا
اوس نے جب قطرے برسائے سب غنچوں نے منہ پھیلائے
بن مانگے جب موتی پائے سب اپنے دامن بھر لائے
گلچیں سے گو باغ تھا خالی باد صبا تھی چھیڑنے والی

جوں ہی کسی نے آہ نکالی — پتوں نے دی مل کر تالی
ہو نہ سکے گا بیاں شافی — بس یہ کہہ دینا ہے کافی
طرز چمن تھا معشوقانہ — صورت پیاری رنگ سہانا
طرفہ عالم تھا صحرا کا — جھوم رہا تھا پتا پتا
خلقت تھی خوابیدہ ساری — بالکل بے خود ہوش سے عاری
دریا کی تھی بند روانی — تھا شکل آئینہ پانی پانی
جھیل کا نظارہ تھا نرالا — سب کو کر دیتا تھا متوالا
چلوا چلوی ہجر کے مارے — بے بس پڑے تھے جھیل کنارے
آب و تاب پانی کی سوا تھی — آئینہ بن کر عکس نما تھی
دوسرا چرخ تھا اس کے اندر — انجم رخشاں ماہ منور
موجوں نے جب رنگ جمایا — سب کو ایک دم لرزہ آیا
دلکش ازبس تھا یہ نظارا — کیسا سہانا کیسا پیارا

قدرت کا تھا سارا افسوں
آنکھ تھی خیرہ دل تھا مفتوں

بے ویاں سکینہ

۴۔ بندھیاچل کی چاندنی رات

چاندنی رات اور بندھیاچل کا جنگل پر فضا
مالوے کی شب کہ گرمی میں بھی سرما کی ہوا
چاندنی کا صاف ستھرا فرش صحن کوہ پر
سایۂ اشجار سے چھٹکے ہوئے اس پر شجر
چاندنی کے پھول روشن چاندنی کے نور سے
چاندنی ایسی کہ تم پتوں کو گن لو دور سے
گر رہا ہے کوہ پر جھرنوں سے پانی جا بجا
دے رہی ہے لطف نہروں کی روانی جا بجا
چاندنی کے نور سے شفاف نہروں کی چمک
چاند کے پرتو سے ان نہروں میں لہروں کی چمک
برگ برگ نخل کو جنبش میں لاتی ہے ہوا
ڈالیوں کو دیکے جھٹکے پھل گراتی ہے ہوا
پھول پھل سب ہل رہے ہیں وجد میں آئے ہوئے
پیڑ جتنے ہیں کھڑے ہیں ہاتھ پھیلائے ہوئے

سبز سبز جا بجا ہے ۔ لال لال جا بجا
اُن سے پتھر بھی عیاں ہے کالا کالا جا بجا
جا بجا پھولوں کے غنچے جا بجا بیلوں کے جال
جا بجا کھولے ہیں برگد کی جٹائیں اپنے بال
وہ پپیہے کی صدا جو کہہ رہا ہے "پی کہاں"
کوئل اب بولی خدا جانے یہ اب تک تھی کہاں
ہاں میں سمجھا ہو گی یہ آموں کے باغوں میں کہیں
اس دم آنکلی مگر جنگل سے لطف اس کو نہیں
کوئی نیچی کوئی اونچی ۔ ہر پہاڑی مختلف
شکل میں پھیلاؤ میں جھاڑی سے جھاڑی مختلف
شپرا اُڑتے پھرتے ہیں پیڑوں پہ پھل کھاتے ہوئے
جا رہے ہیں راق اڑتے اور بل کھاتے ہوئے
وہ اُدھر سرخاب پانی میں پڑے ہیں دیکھنا
وہ کنارے پر تنے سارس کھڑے ہیں دیکھنا
گونج اٹھتا ہے پہاڑ ان سارسوں کے شور سے
تھوڑی تھوڑی دیر میں بول اُٹھتی ہیں کس زور سے

جانور جنگل میں آتے ہیں نظر پھرتے ہوئے
پینے کھانے کو ثمر دیکھے جہاں گرتے ہوئے

پیتے ہیں چشموں کا پانی لیکن اندیشہ کے ساتھ
خوف ہے اُن کو کہ پڑ جائیں نہ یہ شیروں کے ہاتھ

ہیں ستارے تو بہت لیکن درخشاں چند ہیں
چاندنی کے نور کی چادر میں پنہاں چند ہیں

نیلگوں رنگِ سما اس پر ستارے جلوہ گر
جیسے آئیں بلبلے جمنا کے پانی پر نظر

چاند پھرتا ہے زمین کے گرد کس انداز سے
کوئی خوش رو جس طرح ٹہلے ادا سے ناز سے

ہے زمیں سے اُنس اُسے گو فاصلے پر ہٹ گیا
یہ زمیں کے دل کا ٹکڑا ہی تو ہے جو کٹ گیا

کون گھر جائے بھلا منہ اس ہوا سے موڑ کر
میں نہیں جانے کا شوقؔ ایسی فضا کو چھوڑ کر

شوق۔ قدوائی

۵۔ عروس بہار

پھولوں کا گہنا پھولوں کا مالا پھولوں کا سہرا پھولوں کا بالا
پھولوں کا چاند اور پھولوں کے تارا سیج گلاب اور سیج کا لالا

آیا عروسِ فصلِ بہاری
آتی ہے نوشاہ گل کی سواری

پھولوں کے بادل پھولوں کی جھڑیاں پھولوں کے [illegible] کی جھڑیاں
پھولوں کے کھمبے پھولوں کی گھڑیاں پھولوں کی گیند اور پھولوں کی چھڑیاں

آیا عروسِ فصلِ بہاری
آتی ہے نوشاہ گل کی سواری

پھولوں کے غنچے پھولوں کی کلیاں پھولوں کی کنج اور پھولوں کی گلیاں
شاخوں کے جھولے وہ رنگ رلیاں پھولوں کی پریاں بن کی ڈلیاں

آیا عروسِ فصلِ بہاری
آتی ہے نوشاہ گل کی سواری

پھولوں کی ڈالی ہے خرمن پھولوں کا بوٹا بوٹا ہے گلشن
پھولوں کے کوشک پھولوں کا مخزن پھولوں کی شمعیں پھولوں سے روشن

آیا عروسِ فصلِ بہاری
آتی ہے نوشاہِ گل کی سواری

پھولوں کے قصر اور پھولوں کے مینا — پھولوں کے طاق اور پھولوں کے ایواں
پھولوں کے دربار پھولوں کے دربان — پھولوں کے ساز اور پھولوں کے ساماں

آیا عروسِ فصلِ بہاری
آتی ہے نوشاہِ گل کی سواری

مہابن پہ آیا جوانی کا جوبن — پربت کا مالی ٹیلے کی مالن
پھولوں کی بارش پھولوں کا جوشن — پھولوں کی چولی پھولوں کا دامن

آیا عروسِ فصلِ بہاری
آتی ہے نوشاہِ گل کی سواری

پھولوں کی سیج سج پھولوں کی چھل بل — پھولوں کی دھومیں پھولوں کی ہل چل
پھولوں کے میلے پھولوں کے دنگل — پھولوں کے جنگل جنگل میں منگل

آیا عروسِ فصلِ بہاری
آتی ہے نوشاہِ گل کی سواری

شیخ و برہمن دانا و جاہل — عاشق مجذوب شاعر بیدل
جنگل کی چڑیاں باغوں کے کوئل — آتے ہیں ہل مل گاتے ہیں مل مل

آہا عروس فصل بہاری
آتی ہے نوشاہ گل کی سواری

صادق

۶۔ گرمی کی شکایت

جوش ہے یہ بہار میں اس سال — لب جو پر ہے عکس کا تبخال
لالے کے ہر چراغ پر اس آن — لٹ دھوئیں کی ہے شاخ نافرمان
جل گئیں سلیں رہ گیا ہے کاتھ — روشنی کا سادا لہب ہے ٹھاٹھ
بوند کو دل صدف کا ترسے ہے — ابر نیساں سے آگ برسے ہے
اب زمیں پر بس پڑتے ہی دھوپ — سرسوں کے کھیت کا سا ہی کچھ روپ
سائے کی تیرگی پہ کر تو نگاہ — قرب سے دھوپ کی ہوا ہے سیاہ
خلق کی تشنگی سے ہے یہ حال ق — طفل کو مشک و جواں کو پکھال
تو بھی نیت انھوں کی بھرتی نہیں — پیلے سے مرتے ہیں پیاس مرتی نہیں
پانی کتنا ہی پیٹ میں ہو آب — شکل آئینہ خشک رہتے ہیں لب
رات سووے زمیں پہ جو انساں — کروٹیں لیں لے جل تو ہے پرنان
پسو جب کاٹنے تب نکلے ہاتھ — [illegible]
گرمی ہے یا خدا کا قہر ق — کیا کہوں تجھ سے میں کہ [illegible]

پادشاہوں کی پادشاہی ہے — آگ بتیاں کی دُھائی ہے
غیر تہہ خانہ جائے امن نہیں
اب کچھ آرام ہے تو زیر زمیں

سو ۱۰۰

۷۔ برسات کا تماشا

خورشید گرم ہو کر نکلا ہے اپنے گھر سے — لیتا ہے مول بادل کر کر تلاش زر سے
آئی ہوا بھی لے کر بادل کو ہر نگر سے — آوے ہے اس طرح تو آب دشمن کے گھر سی بسے
آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

قاصد صبا کے دوڑے ہر طرف منہ اٹھا کے — ہر کوہ و دشت کو بھی کہتی ہیں یوں سنا کر
نہال سبز جوڑے پہنو ہر دم نہا نہا کر — کوئی دم کو مینہ رہا جا دیکھے گا سب کو آ کر
آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

ساون کے بادلوں نے پھر گھٹا جو چھائی — بجلی نے اپنی صورت پھر آن کر دکھائی
ہر دست رعد گرجا کوئل کی کوک آئی — بدلی نے کیا مزے کی رم جھم جھڑی لگائی
آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

آ کر کہیں مزے کی ننھی پُھہار برسے — چھوٹا کہیں [illegible] برسے
اک طرف اولتی کی باہم قطار برسے — چھاجوں امنڈ کے پانی [illegible]

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

کالی گھٹا ہے ہر دم برسے ہیں مینہ کی دھاریں　　اور جس میں اُڑ رہی ہیں بگلوں کی سو قطاریں
کوئل پپیہے کوکیں اور کوک کر پکاریں　　اور مور مست ہو کر جوں کوکلا جھنگاریں

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

ہر کوہ کی کمر تک سبزہ ہے لہلہاتا　　برسے ہی مینہ جھڑا جھڑ پانی بہا ہے جاتا
وحش و طیور ہر اک مل جل کے ہے نہاتا　　غوغا کریں ہیں مینڈک جھینگر ہی غل مچاتا

آیار چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

نظیر

۸ ۔ برسات کی بہار

آیا ساون بجلی چمکی　　کس سے کہوں میں اپنے جی کی
بادل اٹھے کالے کالے　　جھوم رہے ہیں سب متوالے
آج چمن ہے بزم عشرت　　وقت نزول خیر و برکت
اُس کی رحمت آج ہے جاری　　گوہر بیز ہے ابر بہاری
صحن چمن پر بادل چھایا　　کیوں نہ یہ موسم سب کو بھایا
جوش پہ آئیں گنگا جمنا　　زور سے دیکھو پانی بہتا
چھائی اب گھنگھور گھٹا ہے　　چلتی کیسی سرد ہوا ہے

گھر کر برسے خوب ہیں بادل | چشم زدن میں بھر گئے جل تھل
کوہ سے کیسے چشمے رواں ہیں | موجِ خوشی میں رقص کناں ہیں
بگلوں کی اجلی اجلی قطاریں | کالی گھٹاؤں کی یہ بہاریں
پانی سے لبریز ہیں نہریں | آتی ہیں پیہم کیسی لہریں
رشکِ فردوس اب ہی گلشن | پھولوں سے بھر لو چل کر دامن
پھولوں کی خوشبو روح فزا ہے | سیرِ چمن کا خوب مزا ہے
ہے جو لہکتا سبزۂ خودرو | دیتا ہے فرحت قلب و جگر کو
رنگ شجر پہ چڑھ گیا تازہ | گویا ملا ہے منہ پہ غازہ
اب تو نہ مجھ کو ترسا ساقی | ساون کا مینہ برسا ساقی
صدقہ دے دے بہرِ ایماں | چرخ پہ چھایا ابر باراں

آج میں ساقی عیش طلب ہوں
خواہش مندِ بزمِ طرب ہوں

سید رضی بلگرامی

۹ ۔ برسات کی بہار

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل | برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل
گھر میں اشنان کریں سرو قدانِ گوکل | جا کے جمنا پہ نہانا بھی ہے اک طولِ امل

خبر اُڑتی ہوئی ہے ساون سے ابھی — کہ چلے آتے ہیں تیرتھ کو ہوا پر بادل

کالے کوسوں نظر آتی ہیں گھٹائیں کالی — ہند کیا ساری خدائی میں بتوں کا ہے عمل

نہ کھلا آٹھ پہر میں کبھی دو چار گھڑی — پندرہ روز ہوئے پانی کو منگل منگل

دیکھیے ہوگا سری کرشن کا کیونکر درشن — سینۂ تنگ میں دل گوپیوں کا ہے بیکل

راکھیاں لے کے سلونوں کو برہمن نکلیں — تار بارش کا تو ٹوٹے کوئی ساعت کوئی پل

شب کو مہتاب نظر آئے نہ دن کو خورشید — ہے یہ اندھیر مچائے ہوئے تاثیر زحل

وہ دھواں دھار گھٹا ہے کہ نظر آئے نہ شمع — گرچہ پروانہ بھی ڈھونڈے اُسے لے کر مشعل

ابر بھی چل نہیں سکتا وہ اندھیرا گھپ ہے — برق سے رعد یہ کہتا ہے کہ لانا مشعل

جس طرف سے گئی بجلی پھر اُدھر آ نہ سکی — قلعۂ چرخ میں ہیں بھول بھلیاں بادل

لہریں لیتا ہے جو بجلی کے مقابل سبزہ — چرخ پر بادلا پھیلا ہے زمیں پر مخمل

جگنو پھرتے ہیں جو گلشن میں تو آتی ہے نظر — مصحف گل کے حواشی پہ طلائی جدول

جس طرف دیکھیے بیلے کی کھلی ہیں کلیاں — لوگ کہتے ہیں کہ کرتے ہیں فرنگی کونسل

شاخ پر کھیلا ہے جنبش میں زمیں پر سنبل — سب ہوا کھاتے ہیں گلشن میں سوار و پیدل

شاخ شمشاد پہ قمری سے کہو چھیڑے ملار

لو نہالان گلستاں کو سنائے یہ غزل

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل — تیرتے ہیں کبھی گنگا کبھی جمنا بادل

خوب چھایا ہے سر گوکل و متھرا بادل — رنگ میں آج کنھیا کے ہے ڈوبا بادل

سطحِ افلاک نظر آتی ہے گنگا جمنی — روپ بجلی کا سنہرا ہے روپہلا بادل

چرخ پر بجلی کی چل پھر سے نظر آتا ہے — سبزہ چمکائے ہلاتا ہوا برچھا بادل

میری آنکھوں میں سماتا نہیں یہ جوشِ فغاں — کسی بیدرد کو دکھلائے کرشمہ بادل

دلِ بیتاب کی ادنیٰ سی چمک ہے بجلی — چشمِ پرآب کا ہے ایک کرشمہ بادل

طپشِ دل کا اُڑایا ہوا نقشہ بجلی — چشمِ پرآب کا دھویا ہوا خاکہ بادل

اپنی کم ظرفیوں سے لاکھ فلک پر چڑھ جائے — میری آنکھوں کا ہے اترا ہوا صدقہ بادل

کچھ نہیں کھیل نہیں جوششِ گریہ کا ضبط — یہ مرا دل ہے یہ میرا کلیجہ ہے میرا دل

دیکھتا گر کبھی محسنؔ کی فغاں وزاری
نہ گرجتا نہ برستا کبھی ایسا بادل

محسن

۱۰۔ برسات کی بہاریں

ہیں اس ہوا میں کیا کیا برسات کی بہاریں — سبزوں کی لہلہاہٹ باغات کی بہاریں

بوندوں کی جھمجھاہٹ قطرات کی بہاریں — ہر بات کے تماشے ہر گھات کی بہاریں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بادل ہوا کے اوپر ہو مست چھا رہے ہیں — جھڑیوں کی مستیوں سے دھومیں مچا رہے ہیں

پڑتے ہیں پانی ہر جا جل تھل بنا رہے ہیں — گلزار بھیگتے ہیں سبزے نہا رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

مارے ہیں موج ڈابر دریا امنڈ رہے ہیں — مور و پپیہے کوئل کیا کیا رمنڈ رہے ہیں

جھڑ کر رہی ہیں جھڑیاں نالے امنڈ رہے ہیں — برسے ہے مینہ جھڑا جھڑ بادل امنڈ رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جنگل سب اپنے تن پر ہریالی سج رہے ہیں — گل پھول جھاڑ بوٹے کر اپنی دھج رہے ہیں

بجلی چمک رہی ہے بادل گرج رہے ہیں — اللہ کے نقارے نوبت کے بج رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بادل لگا ٹکوریں نوبت کی گت لگاویں — جھینگر جھنگار اپنی سرنائیاں بجاویں

کر شور مور بگلے جھڑیوں کا مینہ بلاویں — پی پی کریں پپیہے مینڈک ملار گاویں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہر جا بچھا رہا ہے سبزہ ہرے بچھونے — قدرت کے بچھ رہے ہیں ہر جا ہرے بچھونے

جنگلوں میں ہو رہے ہیں پیدا ہرے بچھونے — بچھوا دیئے ہیں حق نے کیا کیا ہرے بچھونے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

سبزوں کی لہلہاہٹ کچھ ابر کی سیاہی — اور چھا رہی گھٹائیں سرخ اور سفید کاہی

سب بھیگتے ہیں گھر گھر لے ماہ تا بہ ماہی — یہ رنگ کون رنگے تیرے سوا الٰہی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کیا کیا رکھے ہیں یا رب سامان تیری قدرت — بدلے ہے رنگ کیا کیا ہر آن تیری قدرت

سب مست ہو رہے ہیں پہچان تیری قدرت   تیتر پکارتے ہیں 'سبحان تیری قدرت'

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئل کی کوک میں بھی تیرا ہی نام ہے گا   اور مور کی زٹل میں تیرا پیام ہے گا

یہ رنگ سوہنے کا جو صبح شام ہے گا   یہ اور کا نہیں ہے تیرا ہی کام ہے گا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بولیں بئے بٹیریں قمری پکارے کوکو   پی پی کرے پپیہا بگلے پکاریں توتو

کیا ہدہدوں کی حق حق کیا فاختوں کی ہو ہو   سب رٹ رہی ہیں تجھ کو کیا پنکھ کیا پکھیرو

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو مست ہوں ادھر کے کر شور ناچتے ہیں   پیارے کا نام لے کر کیا زور ناچتے ہیں

بادل ہوا سے گھر گھر گھنگھور ناچتے ہیں   مینڈک اچھل رہے ہیں اور مور ناچتے ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

نظیر

۱۱۔ برسات کے عیش و رنج

جس گلبدن کے تن میں پوشاک سہی ہے   سو وہ پری تو گویا کالی گھٹا بنی ہے

اور جس پہ سرخ جوڑا یا اودی لو رتنی ہے   اس پر تو سب گھٹا وٹ برسات کی چھنی ہے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

اور جس صنم کے تن میں جوڑا ہو زعفرانی ۔ گھٹانیا گلابی یا زرد سرخ دھانی
کچھ حسن کی چڑھائی اور کچھ نئی جوانی ۔ جھولوں میں جھولتی ہیں اوپر پڑے ہے پانی
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئی تو جھولتی ہیں جھولے کی ڈور چھوڑے ۔ یا ساتھنوں میں اپنی پاؤں سے پاؤں جوڑے
بادل کھڑے ہیں سر پر برسے ہیں تھوڑے تھوڑے ۔ بوندوں سے بھیگتے ہیں لال اور گلابی جوڑے
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

گاتی ہے گیت کوئی جھولے پہ کر کے پھیرا ۔ مارو جی آج کچھ یاں رین کا بسیرا
ہے خوش کوئی کسی کو ہے سوچ وغم نے گھیرا ۔ منہ زرد بال بکھرے آنکھوں میں اندھیرا
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہے جن کی سیج سونی اور خالی چارپائی ۔ رو رو کے ان کو ہر دم یہ بات ہی سنائی
پردیسی نے ہماری اب کے بھی سدھ بھلائی ۔ اب کے بھی ہم کو رت یہ پردیس ہی میں چھائی
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جب کوئل اپنی ان کو آواز ہی سناتی ۔ سنتے ہی غم کے مارے چھاتی ہے منہ کو آتی
پی پی کی دھن کو سن کر بیکل ہے کہتی جاتی ۔ مت بول اے پپیہے پھٹتی ہے میری چھاتی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنوں نے اپنی غم سے اب ہے گت بنائی ۔ میلے کچیلے کپڑے آنکھیں ہیں ڈبڈبائی

نے گھر میں جھولا ڈالا نے اور منی رنگائی　　　پھوٹا پڑا ہے چولہا ٹوٹی پڑی کڑھائی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

نظیر

۱۲۔ کیچڑ کی آفت

یہاں کیچ کا اس قدر ہے ہنگام　　　خشکی کا سنا نہیں کہیں نام

نکلے ہے کوئی جو گھر سے ناگاہ　　　ڈھونڈے وہ پل صراط کی راہ

ٹک اس میں کیا جو پاؤں نے فرق　　　یکبار ہی سر سے پاؤں تک غرق

رستوں میں ہو خلق اس طرح خوار　　　جوں شہد میں ہوں کہیں مگس خوار

جاتے ہیں جو ان دنوں میں دربار　　　اس طرح سے ہیں ذلیل اور خوار

اک خلق کا اژدحام ہے ساتھ　　　پکڑے ہے کوئی کمر کوئی ہاتھ

کہتا ہے کوئی کہ پل بناؤ　　　بولے ہے کوئی کہ ناؤ لاؤ

ہر چار طرف نفر کھڑے ہیں　　　کیچڑ میں میاں اندھے پڑے ہیں

مت جان ہی کا انکی حفظوں پاس　　　ہرگز نہیں کچھ انھوں کو وسواس

اُن کے بھی گئے ہیں کیچ سے ہوش　　　پھرتے ہیں بلیشہ خانہ بردوش

رتھ میں جو کوئی سوار ہو یہاں　　　وہ سب سے زیادہ خوار ہو یہاں

چلنے کے کرے جو ایک قسم میل　　　پھر پہیے، نہ رتھ، نہ اپنے بیل

یہاں تک ہی جیتر زمین کی گری — تاتحت ثریٰ کبھی نہ ٹھیری
جو گاؤ زمیں کہیں ہیں مردم — سو بیل ہیں ہیں ہوا تھا وہ گم
اس راہ سے بھول کر کبھی آئے — بکری کی طرح سے شیر میلے
چھینٹوں کا زبس وفور ہی یہاں — کپڑے ہیں ہر ایک کسی کے افشاں
دو چار جو بیٹھے ہیں مل پاس — ہوتا ہے عجب مزے کا اجلاس

کیچڑ میں ہیں شور بور ایسے
چہلے میں پڑی ہو بھینس جیسے

قائم

۱۳۔ برسات کی مکھیاں

یارو میں جب رسول بھلاتا کے — مکھیاں تو بہت ہوئیں و پے پے
چہلے آتے ہیں غول پے در پے — شور ہی غل ہی بھنبھنا ہٹ ہی

کوئی تھو کے کوئی کرے ہے قے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

پہلے مذکور کیا ہے کھانے کا — کھا کے پھر ذکر کیا بچانے کا
کوئی پینے کا اور کھانے کا — یہ بُرا حال ہے زمانے کا

سخت مشکل بڑی خرابی ہے ،
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

دو چمچوں سے جو منہ چلاتا ہے — اس میں سو مکھیاں وہ کھاتا ہے
وال روٹی پہ قہر آتا ہے — اور جو میٹھی چیز کھاتا ہے
اُس نے اللہ جانے کھائیں کے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

کپڑے اجلے ہیں یا کہ میلے ہیں — سب کو مکھیوں کے پھیلے ہیں
سر سے تا پا سڑے کچیلے ہیں — آدمی کیا کہ گڑ کے بھیلے ہیں
اُڑ گئے تار تار سب رگ و پے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

دلبروں کی یہ شامت آئی ہے — آنکھ مکھی نے کاٹ کھائی ہے
ٹھوڑی بھوں آنکھ سب سجائی ہے — حسن کی یہ بھی بدنمائی ہے
رہ گئی رنگ روپ کی سب رسے
اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے

رنڈیاں کیسی اچھے گاتی ہیں — مکھیاں منہ پہ بیٹھ جاتی ہیں
دم بدم تھوکنے کو جاتی ہیں — کھانس کھنکھار سر ہلاتی ہیں

تو بھی بندھتی نہیں ہے انکی لے
اس قدر دھوم ٹکیوں کی ہے

ہے نظیر اب تو شان میں ٹکی		گھر کے ہر اک مکاں میں ٹکی
شہر کی ہر دکاں میں ٹکی		بھر گئی سب جہاں میں ٹکی

کوئی خالی نہیں غرض اب شے
اس قدر دھوم ٹکیوں کی ہے

نظیر

۱۴۔ جاڑے کی بہار

جب ماہ اگہن کا ڈھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
اور ہنس ہنس پوش سنبھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

دن جلدی جلدی چلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
پالا بھی برف پگھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
چلا غم ٹھونک اچھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

دل ٹھوکر مار پچھاڑا ہو اور دل سے ہوتی ہو کشتی سی
تھر تھر کا زور اکھاڑا ہو۔ بجتی ہو سب کی بتیسی

ہو شور پھپھو ہو ہو کا اور دھوم ہو سی سی سی کی
کلہ پر کلہ پڑ لگ لگ کر چلتی ہو منہ میں چکی سی
ہر دانت چنے سے دلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ہر ایک مکاں میں سردی نے آ باندھ دیا ہو یہ چکر
جو ہر دم کپ کپ ہوتی ہو ہر آن کڑا کڑ اور تھر تھر
بیٹھی ہو سردی رگ رگ میں اور برف پگھلتا ہو پتھر
جھڑ باندھ مہاوٹ پڑتی ہو اور تس پر لہریں لے لے کر
سناٹا باؤ کا چلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ہر چار طرف سے سردی ہو اور صحن کھلا ہو کوٹھے کا
اور تن میں نیمہ شبنم کا ہو جس میں خس کا عطر لگا
چھڑکاؤ ہوا ہو پانی کا اور خوب پلنگ بھی ہو بھیگا
ہاتھوں میں پیالہ شربت کا ہو آگے اک فراش کھڑا
فراش بھی پنکھا جھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

نظیر

۱۵۔ جنت فردوس

وہ سماں جنت فردوس کا وہ تیاری — بار پاتے ہیں وہی جن پہ ہے فضل باری
قلم قدرت معبود کی وہ گلکاری — نیچے گنجان درختوں کے وہ نہریں جاری
چشم مشتاق کو حاصل ہو طراوت جن سے
تجری من تحتہا الانہار عبارت جن سے

ہر طرف قدرت معبود نظر آتی ہے — راہ آفات کی مسدود نظر آتی ہے
صورت شاہد مقصود نظر آتی ہے — دھیان جب شے کا ہو موجود نظر آتی ہے
دکھ نہیں شیب نہیں گردش ایام نہیں
عیش و راحت کے سوا رنج کا اک نام نہیں

معتدل آب و ہوا فصل ہمیشہ یکساں — نہ حوادث کا تردد نہ کبھی خوف خزاں
فکر سے امن بشر کو تو مصیبت سے اماں — غنچے ہر دم متبسم تو گل تر خنداں
خار حسرت نہیں صدمہ نہیں آزار نہیں
اس گلستاں میں جو نرگس ہے وہ بیمار نہیں

وہ زمیں طرب افزا کی لطافت خیزی — کسی جا عالیہ سائی کہیں عنبر بیزی
اک طرف طرۂ سنبل کی وہ دل آویزی — سبزۂ شمشاد پہ پھولوں کی وہ رنگ آمیزی

صفتیں پائے نظر کے لئے زنجیریں ہیں
لیک پیچ ہے تو سو رنگ کی تحریریں ہیں

نزہت انگیز شجر برگ لطافت آمیز ڈالیاں صحن میں گل ریز ہر ایک گل زربیز
خار بھی ہیں تو اداہیں عتر و غور سے تیز سبز شاخوں پہ وہ مرغان چمن زمزمہ ریز

گہ ترانے کبھی نغمے کبھی چہکاریں ہیں
پر زمرد کے تو یاقوت کی منقاریں ہیں

باغ وہ تازہ و شاداب فضا حد سے فزوں دیکھ کر جس کو طرب ناک ہو قلب محزوں
عمر بھر ختم نہ ہو حال فواکہ جو کہوں نخل ہر قسم کے اور میوۂ ترگوناگوں

پھول بیتاب کہ لیں پھل کی جبیں کے بوسے
ڈالیاں جھوم کے لیتی ہیں زمیں کے بوسے

کہیں زرد آلوئے تازہ کہیں سیب جناں باعث تقویت و فرحت روح انساں
بعضے ان سب کے علاوہ ثمر ایسے ہیں وہاں باغ عالم میں کہیں جن کا نہیں نام و نشاں

بچ رہا کوئی تکلف کا نہ پہلو ان سے
پھل میں آتی ہے مگر پھول کی خوشبو ان سے

جلد سے مغز عیاں صاف لطافت ایسی ذائقہ ذکر میں جس کے ہے حلاوت ایسی
سایہ برگ میں ہو بار نزاکت ایسی کوپلیں عکس سے گلنار بنیں رنگت ایسی

خوب ہے انجم کی فروغ نظر انساں پہ
قمقمے نور کے ہر محل میں آویزاں ہیں

ذکر طوبیٰ کا سنو ہے وہ عظیم ایک شجر — پہنچے جس کی نہ بلندی کو کبھی مرغ نظر
اصل اس نخل کی ہے قصر نبی کے اندر — شاخیں اتنی ہیں کہ جو سایہ فگن ہیں گھر گھر

دیکھ کر روح کو اک تازہ مزہ ملتا ہے
سبز پتوں سے بھی رحمت کا پتہ چلتا ہے

برگ ہل جائیں جو تحریک ہوا سے اک بار — زمزمے ان سے وہ پیدا ہوں کہ جھومیں اشجار
وجد میں بلبل خوش لہجہ جو کھولے منقار — شعبے سو نغمۂ واحد میں ہوں آہنگ ہزار

اس کا کیا ذکر ہے انساں کی جو کچھ حالت ہے
در و دیوار کو اک عالم محویت ہو

قصر ذیجاہ محمدؐ کی وہ عظمت وہ نمود — دیکھ کر جس کو ملک عرش پہ پڑھتے ہیں درود
نور اس کے در و دیوار سے کرتا ہے صعود — منزل رحمت حق چار حدوں سے محدود

اس کی تنویر سے یوں قصر جناں روشن ہیں
جیسے خورشید سے دنیا کے مکاں روشن ہیں

حد اول ہے سوئے مسکن حیدرؑ در — حد ثانی کی طرف فاطمہ زہرا کا ہی گھر
حد ثالث میں ہے مرد کا مکان شبر — قصر یاقوت ہے جو حد رابع ہے جدھر

ہے وہ گھڑی کہ سن کا جو مظلوم بھائی ہے
پنجتن کے لئے جنت میں بھی یکجائی ہے

وحید

۱۶۔ بہشت بریں

آراستہ بہشت کے چمن جو پائے — سب کی زباں سے بس یہ نکلا کہ ہائے ہائے
خوش ہوئے جو بار شگوفوں نے کچھ سنائے — غنچوں کی طرح غنچہ دہن تن کے مسکرائے
یوں خندہ زن ہوئے چمن مرتضیٰ کے گل
ہنستے ہیں جیسے وقت سحر کھل کھلا کے گل

رخت زمردیں میں ہر ایک نخل تھا نہال — تھا خوش قدی کا اپنا ہر ایک سرو کو خیال
طاؤس وجد میں رخ لالہ خوشی سے لال — ہر سو نسیم چلتی تھی اٹکھیلیوں کی چال
طوبیٰ تو مست یاد الٰہی تھا اوج میں
کوثر بھی جوش مارتا تھا اپنی موج میں

ہر برگ ہاتھ اٹھا کے پکارا یہ برملا — کیا گلبدن ہیں صلِّ علیٰ آل مصطفیٰ!
بلبل ہزار جان سے ہوئی دیکھ کر فدا — حوریں سب آ کھڑی ہوئیں غرفوں کو کھول کے وا
نرگس کے گل کے نظر تاکنے لگے
انگور بھی بغور ادھر تاکنے لگے

ذرّے پہ یہاں کے صدقے ہیں دنیا کی کائنات   وہ عاریت سرا تو ہمیشہ سے بے ثبات
یہ پرفضا مقام یہ گچھے یہ میوہ جات   پہونچے یہاں کہ رنج و الم سے ہوئی نجات

جو کچھ تمہارے واسطے ساماں ہیں چین کے
سب گلرخو یہ پھل ہیں ولائے حسین کے

اُنس

۱۷۔ خلدِ بریں

وہ چمن خلد کا پُر نور وہ ایک ایک مکاں   سامنے جس کے ہے کم عرض میں پیارا جہاں
کوشکیں سر بفلک حجرہ و در نور فشاں   وصف میں وسعت بزم قصر کے قاصر ہے زباں

آسماں سے نہیں واں کی زمیں کی شوکت
جس کی کرسی میں ہے سب عرش بریں کی حرکت

فرش وہ نرم مخمل جس سے حریر و دیبا   سقف پُر نور وہ کوٹھوں کی بلندی و فضا
اُڑتے جاتے ہیں ملک کرتے ہوئے ذکر خدا   اک طرف کرتے ہیں خدام ہر اک گھر کو صفا

آسماں سے نہیں کم واں کی زمیں کی شوکت
کوئی تسبیح کوئی صلِّ علیٰ پڑھتا ہے

اونچے پر سب ہیں مکاں مثل فلک ایکطرف   باغ آراستہ کرتے ہیں ملک ایکطرف
حوض کوثر کی نمایاں ہے چمک ایکطرف   سلسبیل اپنی دکھاتی ہے جھلک ایکطرف

طوبیٰ کی یہ ہوا تھی کہ سائے میں بیٹھے آئیں
ہر قصر منتظر تھا کہ تشریف ادھر کو لائیں
کوثر یہ چاہتا تھا کہ پیاس آ کے یہاں بجھائیں
مشتاق تھیں طیور کہ ان نعمتوں کو کھائیں

انجام عشق دلبر مشکل کشا یہ ہے
میوے تھے ذوق شوق میں طرز فزا یہ ہے

ہر دم سہانا وقت ہے نہ روز ہے نہ شب
کیسا نہال ہوتا ہے کیا چیز ہے تعب
پتوں کو کرتی ہے متحرک نسیم جب
سنتے ہیں ان سے نغمۂ دلکش عجب عجب

عیش و طرب کا چار طرف ساز و برگ ہے
یہاں درد ہے نہ غم نہ تغیر نہ مرگ ہے

آراستہ ہوئے ہیں تمہارے لیے یہ گھر
سبز فرش ہے حریر بہشتی کا سر بسر
روشن ہے صورت دل عارف ہر ایک در
پردے میں مثل چادر مہتاب جلوہ گر

میں درخت پہنے ہوئے رخت لور ہیں
ایوان جواہرات کے ہیں تخت نور ہیں

ہر شئے میں شان صنعت پروردگار ہے
ہر رنگ کے گلوں پہ ہمیشہ بہار ہے
گلشن کا رخت سبز جواہر نگار ہے
شاخوں سے حسن دشت نگار آشکار ہے

یاں کی زمیں بھی ہے تو عنبر سرشت ہے
گویا دلہن بنا ہوا سارا بہشت ہے

کہیں نسیم کہیں نہر لبن جاری ہے
مشک اور عنبر سارا کی زمیں ساری ہے

وہ فضا اور وہ رنگ رنگ کے پھولوں کی بہار
روشیں پاک و مصفا وہ نہالوں کی قطار
اس طرف سیب کے پودے تو ادھر نخل انار
نرم وہ ڈالیاں وہ جلوہ نما برگ و بار
لعل و یاقوت سے رنگت میں فزوں ہر پھل ہے
صاف آویزۂ زمرد کا ہر ایک کوپل ہے

جابجا ڈالیوں پر مرغ چمن چہچہہ زن
زمزمے کرتے ہیں جب جھومتے ہیں نخل چمن
اُڑتے ہیں کھول کے پر جب وہ میان گلشن
یا علی منہ سے نکلتا ہے خوشا صوت حسن
چوٹیاں سر پہ ہیں یا نور کی دستاریں ہیں
پنجے ہیرے کے ہیں یاقوت کی منقاریں ہیں

جمع ہیں نعمت الوان کریم ایک طرف
عنبر افشاں ہیں گل باغ نعیم ایک طرف
جھومتی پھرتی ہے گلشن میں نسیم ایک طرف
تازے پھولوں کی ہے کثرت سے شمیم ایک طرف
مشک آگیں و معطر وہ جگہ ساری ہے
جس طرف دیکھو نئے حسن کی تیاری ہے

نفیس

۱۸۔ بزمِ قدرت میں کسی کی آمد

بس کہ نزدیک ہے اس باغ میں حضرت کا ورود — غنچے لب کھول رہے ہیں پئے شکرِ معبود
نغمہ سنجی کے عوض بلبلیں پڑھتی ہیں درود — رخِ رنگیں سے ہر اک گل کی بشاشت ہے نمود

شاد ہو کر کوئی طائر جو چہک جاتا ہے
چونک کر سبزۂ خوابیدہ لہک جاتا ہے

خبرِ آمدِ سرور سے خوشی ہے جو کمال — سب کو خواہش ہے کہ بڑھ جائیں پئے استقبال
سرو پابندِ جگہ کے جو ہیں بڑھنا ہے محال — سب سے اونچے ہیں کہ آ جائے نظر ہم کو جمال

نخل خود رفتہ ہیں حضرت کی زیارت کیلئے
ہاتھ پھیلائے ہیں سب ڈالیاں بیعت کیلئے

ہیں گلِ سرخ بھی بیتاب بہت بہرِ جناب — پر یہ کانٹوں میں پھنسے ہیں کہ نہیں بڑھنے کی تاب
نو رجب کر کے چھڑکتے ہیں کہ راہی ہوں شتاب — یوں کشش ہوتی ہے تن پر کہ ٹپکتا ہے گلاب

نخلِ نرگس جو نہیں شاخ سے بڑھ سکتے ہیں
چشمِ مشتاق بنے در کی طرف تکتے ہیں

منتظر کب سے کھڑے ہیں شجرِ باغِ نعیم — کہیں رکتی نہیں اک لحظہ تردد میں نسیم
راہ تک تک کے قلق دل پہ جو ہوتا ہے عظیم — دامنِ گل سے نکل جاتی ہے گھبرا کے شمیم

یاد حضرت کی جو ہر مرتبہ تڑپاتی ہے
بیقراری میں صبا جاتی ہے اور آتی ہے

شوق دیدار میں بیتاب ہے جو دل بے قابو — سرو پر چڑھ کر نظر آتی ہے قمری ہر سو
نظر آتا نہیں جب جلوۂ شاہ خوش خو — ہوش اڑ جاتے ہیں کہتی ہے پھڑک کر کو کو

دیر ہو جانے سے طاؤس جو گھبراتے ہیں
در پہ ہر بار ٹہلتے ہوئے آ جاتے ہیں

جلتے ہیں انہیں دم بھر نہیں شاخوں پہ قرار — آرزو یہ ہے کہ ہو جلد میسر دیدار
دانت کھٹے لیے ہوئے گرتے ہیں — سیب امرود بنتے ہیں حسرت میں تڑپ کر بیمار

دم بدم جھوم کے بڑھتے ہیں یہ مجبوری ہیں
آپ داخل ہوں اسی تاک میں انگور بھی ہیں

جتنی نہریں ہیں انہیں بھی ہے عجب طرح کا جوش — ابلی پڑتی ہیں چلا ہیں سر دریا کا نہیں ہوش
دم بدم مضطر و بیتاب ہیں اور لب پہ خروش — منتظر یہ ہیں کہ آپ آ کے کریں پانی نوش

مضطرب شوق میں ان سب سے ہوا ہے کوثر
ہمہ تن چشم حبابوں سے بنا ہے کوثر

مچھلیاں سب کہ تمنا میں تڑپتی ہیں کمال — پھرتی ہیں ابھری ہوئی پانی پہ موجوں کی مثال
ساقی امت کو بھی اور دل میں یہ خیال — دور سے دیکھ لیں ہم پہلے محمد کا جمال

غل ہے جو رحمت غفار ہے وہ آتا ہے
عاصیوں کا جو مددگار ہے وہ آتا ہے

وحید

۱۹۔ نظارۂ قدرت

اگر تیری قدرت کی کاریگری — نہ کرتی سمجھ بوجھ کر رہبری
تو وہ سر پٹکتی ہی رہتی مدام — طلب میں بھٹکتی ہی رہتی مدام
بنائی ہے تو نے یہ کیا خوب چھت — کہ ہے سارے عالم کی جس میں کھپت
یہ سقف کہن ہے ابھی تک نئی — اسے دیکھتے یوں ہی دنیا گئی
زمیں پر گئیں کتنی نسلیں گذر — رہی اس کی ہیئت پہ سب کی نظر
اسے سب نے پایا اسی ڈھنگ میں — اسے سب نے دیکھا اسی رنگ میں
عجب ہے یہ خیمہ رسن بے چوب — ہمیشہ مصفا ہے بے رفت روب
نہ دری نہ منظر نہ کوئی شگاف — ادھر سے ادھر تک ہے میدان صاف
جھروکا نہ کھڑکی نہ در ہے نہ چھید — عجب تیری قدرت عجب تیرے بھید
کہیں جوڑ ہے اور نہ پیوند ہے — جدھر دیکھئے اس طرف بند ہے
بنایا ہے یکدست قدرت نے گول — مچیں ہیں نہ جھری نہ سلوٹ نہ جھول
عجب قدرتی شامیانہ ہے یہ — نظر کی پہنچ کا ٹھکانہ ہے یہ

جو دکھایا تو نے کیا خوب رنگ   سراسیمہ ہے عقل اور فکر دنگ

پرے اس کی حد سے نہ جائے نظر   جہاں تک نظر جائے کرے نظر

یہ تارے جو ہیں آتے جاتے ہوئے   چمکتے ہوئے جگمگاتے ہوئے

نظر آ رہے ہیں عجب شان سے   ہیں لٹکے ہوئے سقف ایوان سے

چراغ ایسے روشن جو بن تیل ہیں   یہ تیرے ہی قدرت کے سب کھیل ہیں

یہ لعل و گہر ہیں جو بکھرے ہوئے   زمیں سے بھی ہیں اکثر ان میں بڑے

کوئی ان میں سورج کوئی ان میں چاند   کہ یہ ماہ و خور سا نہیں جن کے چاند

نظر میں جو اتنے سے آتے ہیں یہ   بہت دور چکر لگاتے ہیں یہ

پڑے اپنے چکر میں ہیں گھومتے   ترے حکم کے ذوق میں جھومتے

یہ قائم ہیں تیری ہی تقدیر سے   بندھے ہیں بہم سخت زنجیر سے

گھسے جو کبھی اور نہ ٹوٹے کبھی   نہ اس بند سے کوئی چھوٹے کبھی

رسائی سے ہاتھوں کی برتر ہے وہ   نظر کے بھی قابو سے باہر ہے وہ

نہ سیمیں نہ زریں نہ وہ آہنی   مگر دست قدرت سے ہے وہ بنی

کھلے کب کوئی ہیں کہ کھولا اگر   اسے عقل پاوے ٹٹولے اگر

وہ زنجیر کب ہے کشش باہمی   نہ اس میں خلل ہو نہ بیشی کمی

عجب تو نے باندھی ہے یہ باگ ڈور   تلا سب کا رشتہ ہے اسمیں زور

یہ سب لگ رہے ہیں اسی لاگ پر   لگاتے ہیں چکر اسی باگ پر

ہر اک کیلئے اک معین ہے دور / وہی اک وتیرہ وہی اک طور

نشہ میں اطاعت کے سب چور ہیں / کہ قانون قدرت سے مجبور ہیں

سدا چال کا ایک انداز ہے / نہ کھٹکا نہ آہٹ نہ آواز ہے

کبھی چلتے چلتے ٹھٹکتے نہیں / طریقہ سے اپنے بھٹکتے نہیں

ہے اس سب کا آئین ایجاد ایک / ہنر ایک ہی اور استاد ایک

یہ شاخیں ہیں سب ایک ہی اصل کی / بہاریں ہیں کل ایک ہی فصل کی

ہر ایک چیز ذرے سے تا آفتاب / بلا شبہ رکھتی ہے یکساں حجاب

ہیں ذرے میں خورشید کی سی صفات / ہے خورشید بھی ذرہ کائنات

حقیقت میں ہے یاں دورنگی کہاں / جہاں ذرہ ہے اور ذرہ جہاں

نہیں تیری قدرت سے کچھ یہ بعید / کہ ہو ہر ستارہ جہان جدید

نہیں تیرے لطف و کرم سے عجب / کہ ہوں ان جہانوں میں بھی مخلوق سب

ہو گرمی بھی سردی بھی برسات بھی / اندھیرا اجالا بھی دن رات بھی

یہ ندی یہ نالے سمندر پہاڑ / یہی بیل بوٹے درخت اور جھاڑ

ہوا بھی ہو اور لطف باراں بھی ہو / خزاں بھی ہو فصل بہاراں بھی ہو

ہو سر پر یہی طور سے آسماں / ہو پاؤں کے نیچے زمیں بھی وہاں

فلک پر ستارے بھی ہوں جلوہ گر / وہاں بھی ہو دورِ شمس و قمر

ہو انساں بھی اور حیوان بھی
ہر اک جنس کا سامان ساماں بھی

اسمٰعیل

۲۰۔ نیل گری کی سیر

مجھ کو کشش جمال قدرت
لائی جو وطن سے سوئے غربت
کی سیر ہر اک گلستاں کی
دیکھی رنگینی ہر اک جہاں کی
دولت یہ مگر کہیں نہ پائی
جو نیلگری میں ہاتھ آئی
کب آئی نظر عروس قدرت
بے پردہ اور اتنی خوبصورت

میں نے سب کی بہار لوٹی

کہسار حریف صد چمن ہے
جو پیڑ ہے سرو قد دلہن ہے
ہے سبز درخت کی جو کونپل
ہر پنکھڑی اس کی سرخ مخمل
پوشاک ہری ہے لال زیور
اطلس پہ ٹکی ہے سرخ جھالر
آتا ہے نہیں کچھ سمجھ میں اپنی
کہیے انہیں پھول یا کہ پتی
جنگل میں اک آگ سی لگی ہے
ٹھنڈک بھی مگر یہ کھہ کی ہے
نیچے جنگل میں جھاڑیاں ہیں
او پر اونچی پہاڑیاں ہیں

چوٹی پہ کہیں کہیں ہیں جنگل ہر سایہ پیڑ ہے جس میں دیو ہیکل
ہے چیڑ کہیں کہیں صنوبر ایک ایک سے اعلیٰ ہیں بڑھ کر
شمشاد - دیار - یوکلپٹس ہیں دن کو فرشتے شب کو راکشس
موٹے موٹے بڑے بڑے ہیں عفریت کی طرح سب کھڑے ہیں

ہے سوئے فلک ہر ایک کا میلاں
ان سے پیدا پہاڑ کی شان

ہے نغمہ طیور کا وہ دل کش سب کرتے ہیں جس کو سن کے عش عش
پیڑوں پہ یہ کیا پھدک رہے ہیں سرمست ہیں اور چہک رہے ہیں
کیا ناچ رہے ہیں گا رہے ہیں بس پھولے نہیں سما رہے ہیں
ظاہر ہے کہ اُن کا ننھا سا دل ہے حزن و غم و عذاب کے قابل

رکھتے ہیں غرض ضمیر یہ بھی
ہوتے ہیں اثر پذیر یہ بھی

نالے دن رات چل رہے ہیں چشمے سیماب اگل رہے ہیں
بچوں کی طرح بچھڑ رہے ہیں موتی آنکھوں سے جھڑ رہے ہیں
پانی ہے چٹانوں سے نکلتا غل شور مچاتا اور اچھلتا
چلنے سے کبھی نہیں یہ تھکتا رستے سے کبھی نہیں بھٹکتا
ٹھوکر پہ یہ کھا رہا ہے ٹھوکر جوش شوق کم نہیں ہے ذرّہ بھر

طے کر کے پہاڑ اور صحرا | کترا کے چٹان اور ٹیلا
رہتا ہے پہونچ کے تا بمنزل | مانع نہیں اس کو کوئی مشکل
گر پڑ کے ہر ایک یوں ہی نالا | ہو جاتا ہے ہم کنار دریا
کس زور سے نالہ بہہ رہا ہے | کچھ اپنی زباں میں کہہ رہا ہے
گر ہو طلب کمال تجھ کو | گر کچھ ہو سر مآل بینی کو
مقصود اگر ہو کامرانی | کر میری طرح کلیجہ پانی
یوں چھاتی پہ تو بھی رکھ لے پتھر | ٹکرا یوں ہی کوہ و دشت سے سر
جنگل ہو پہاڑ ہو کہ صحرا | ہو دشت طلب میں بادہ پیما

مستی ہو جنوں ہو ہوش کے ساتھ
توفیق عمل ہو جوش کے ساتھ

ہے کتنا بلند ڈوڈا بیٹا | تا چرخ ہے جس کا ڈانڈا مینڈا
[illegible] تو حقیقتاً ملا دے | قلابے زمین و آسماں کے
ٹیلا کوئی نو ہزار فٹ ہے | آتی ہے نظر یہاں سے ہر شے
ندی وادی پہاڑ میداں | معمورہ خرابہ اور بیاباں
سب ہم بفلک جبل یہاں سے | دیتے ہیں دکھائی صرف ٹیلے
چھوٹا بڑا ادنیٰ اور اعلیٰ | باقی نہیں ان میں فرق اصلا
ارذل ہو کہ اشرف الخلائق | ادنیٰ ہے نہ وہ نہ یہ ہے فائق

کثرت کا یہ دیکھ کر تماشا
ہو جاتی ہے خیرہ چشم بینا

رہتی نہیں وقعت اپنی حاشا
اک گھاس کی پتی سے زیادہ

لو اُٹھے وہ وادیوں سے بادل
اور چھا گئے اُن کے چارسو دل

بادل ہیں کہ ہیں یہ بحر زخار
تاپو سا بنا ہوا ہے کہسار

ہے سارا جہاں نظر سے غائب
مغلوب ہیں سب اور ابر غالب

قدرت کا غرض ہر ایک ذرہ
ہے چشم خرد کے حق میں پردہ

اب ابر نیا یہ روپ لایا
ہے دھوپ کہیں کہیں ہے سایہ

تاریک کہیں کہیں اُجالا
ابرق ہے پہاڑ اب سراپا

یعنی کہ ہیں روز و شب ہم آغوش
ہیں ساری عداوتیں فراموش

دامن پہ بچھی ہے سبز مخمل
اور چوٹی پہ کھیلتے ہیں بادل

ایک دوسرے کو یہ ریلتے ہیں
یا آنکھ مچولی کھیلتے ہیں

یہ بچے ہیں تیز رو بلا کے
جب دیکھو گھومتے پر ہو لکے

چوٹی پہ کبھی ہیں جا دبکتے
دامن میں کبھی ہیں آ دبکتے

پیچھے سے پہاڑیوں کے جھانکیں
چپکے سے ہیں یہ آکے ڈھانکیں

بچوں کی طرح کبھی یہ مچلیں
ہر وقت نیا یہ رنگ بدلیں

اُجلے، نیلے، کبھی ہیں کالے
یہ روئی کے نرم نرم گالے

ہے سخت مزاج میں تلون   ق   چڑھ جائے ابھی کبھی اور اُتر دُھن

بن جاتے ہیں یہ بھولے بھالے بادل   متوالے سیاہ مست پاگل

ہیں کف بدہن گرجتے ہیں   یا جیسے فلک پہ چیخ رہے ہیں

اقلیم زمین پہ آسماں کی   ہوگی کوئی دم میں اب چڑھائی

وہ دینے لگی سنائی جھنکار   چلنے لگی بجلیوں کی تلوار

باڑیں بارش کی چل رہی ہیں   توپیں موتی اُگل رہی ہیں

یہ رعد، یہ برق اور بارش   دراصل ہے جنگ کی نمائش

یہ جنگ و جدل ہے کھیل گویا   ہے ان کا بگاڑ میل گویا

رشتہ ہے زمین و آسماں میں   کچھ باتیں ہیں حال کی زباں میں

یہ ابر نہیں پیامبر ہیں   اور وجہ وصال ہمدگر ہیں

ہے ارض و سما میں ساز ان ہی   مخفی نہیں کوئی راز ان سے

اقلیم زمین و آسماں میں   ہیں ایک سفیر درمیاں میں

ہے صلح و صلاح ان کے دم سے   عالم میں فلاح ان کے دم سے

یہ تفرقۂ بلند و پستی   سچ پوچھو تو ہے فریب ہستی

سمجھے ہوئے ہیں جنہیں ہم اضداد   رکھتے نہیں خارجی وہ بنیاد

ہے پست و بلند کہنے کی بات   ہے اصل میں سارا اتفاق

ہے زیر کوئی کوئی نہ بالا
بالا ہے فقط خدا تعالیٰ

مسلم

۲۱۔ کوہستان کا نظارہ

ہاں مبارک تجھے اے دیدۂ مشتاق نظر
قلۂ کوہ جو ابھرا ہے تو اک شان کے ساتھ
چوٹیوں اور کھڈوں پر جو ذرا کیجے نظر
سبزہ ہی سبزہ ہر اک سمت نظر آتا ہے
صفحۂ دل کش کہسار عجب گلشن ہے
نخلبند چمن دہر ہے مالی اس کا
یاں جو پودے ہیں وہ ہیں سرو کی صورت آزاد
پھول اک طرز دل آویز سے کھلتے ہیں یہاں
پہنی ہیں پیڑوں نے خوش رنگ قبائیں کیا کیا
دیکھنا اٹھتی ہوئی نیستریوں کے انداز
کس قدر حسن بکھیرا ہے یہاں قدرت نے
دیکھیے آسماں اک سمت سے وہ بادل اٹھا

ایک باغ گل نظارہ ہے شملہ کا سفر
کھڈ جو گہرائی میں اترا ہے تو اک آن کے ساتھ
اور روئیدگی کا دیکھیے منظر پہ اثر
ایک دریائے زمرد ہے کہ لہراتا ہے
سبزہ و گل سے جو مملو ہے سو اک خرمن ہے
گل سے رہتا نہیں دامن کبھی خالی اس کا
خوشنوایان چمن کو نہیں خوف صیاد
شجر اک جنبش مستانہ سے ہلتے ہیں یہاں
دل لبھاتی ہیں پرندوں کی صدائیں کیا کیا
گویا قدرت نے عطا کی ہے گلوں کو پرواز
کیا ویرانے کو فردوس نشاں قدرت نے
ایک علم ابر کا آکاش میں لہرانے لگا

اے لو! وہ اور بھی کچھ ابر کے پارے آئے ۔ سینکڑوں رنگ سے جوبن کو نکھارے آئے

نہیں بادل کے یہ ٹکڑے ہیں حسیں پریاں ۔ محو سیر کرہ باد ہیں رقصاں رقصاں

ان میں یہ ناز یہ چہل پہل یہ ادا یہ گھاتیں ۔ بادلوں کو کہیں آتی ہیں بھلا یہ باتیں؟

نیلی پوشاک کسی کی ہے کسی کی ہے ہری ۔ کوئی خیالی پری ہے تو کوئی شوخ پری

کیسی اٹھکیلیاں کرتی ہیں ہوا سے دیکھو! ۔ ناچتی پھرتی ہیں کیا پیاری ادا سے دیکھو!

آئے لو اب چھپ گئیں دامن میں گھٹا کے پریاں ۔ ہو گئے بارش باراں کے مہیا ساماں

لو برسنے کو ہی پانی وہ گھٹائیں آئیں ۔ مینہ کا پیغام لئے ٹھنڈی ہوائیں آئیں

ابر نے ڈھانپ لئے سب شجر و کوہ و زمیں ۔ گویا بجز ابر کے دنیا میں کوئی چیز نہیں

رعد نے آ کے جو احکام میں کچھ تیزی کی ۔ وہ لگی دینے گھٹا داد گہر ریزی کی

کھل گیا ابر فلک صاف نظر آنے لگا ۔ نیلگوں حسن کی نیرنگیاں دکھلانے لگا

واہ یہ صاف یہ شفاف یہ گہری نیلک ۔ نہ زمرد میں یہ رنگت نہ یہ نیلم میں چمک

دیکھتا ہی لے انساں تو کیا سوجھتی ہے ۔ طائر روح کو پرواز فضا سوجھتی ہے

سامنے دور افق تک جو نظر جاتی ہے ۔ دور تلک کوہ کی نیلک ہی نظر آتی ہے

نظر آتا ہے افق میں جو ذرا ابر سفید ۔ شوق نظارہ طلب کو ہی سحرگاہ امید

اک جھلک حسن ازل کی سی دکھا جاتا ہے ۔ دل کو مشتاق رخ یار بنا جاتا ہے

آبشاروں کا سر کوہ طرب خیز وہ شور! ۔ ہائے وہ نغمۂ مستانہ وہ رفتار وہ زور!

ندیاں دودھ کی بہتی ہیں یہاں بے منت ۔ دیکھے فرہاد تو حسرت سے کہے یا قسمت!

بحر کی تہ میں کوئی ہوگا پڑا مروارید
آبشاروں کو جو دیکھو تو ہمہ مروارید

آئی وہ دور سے سنانہ جھنجھوٹی کی صدا
گونج بھی ساتھ پیالو ہے بجاتی اپنا

آہ موسیقیِ جاں بخش! جہاں سوز آہنگ
تیری تاثیر سے ذی روح بنا تودۂ سنگ

گونج کیا ہے یہ ہے کہسار کی پُرزور صدا
اثر نغمہ سے ہے وجد میں پتھر گاتا

ہائے اس حسن کے مسکن میں بھی آفت ہوئی
اس گلستاں میں بھی انساں کی مصیبت ہوئی

پیش ہر وقت وہی پیٹ کا دھندا اس کو
جبر حالات کا ہر دم وہی رونا اس کو

وہی محنت وہی ذلت ہے مقدر اس کا
وہی حرماں وہی حسرت ہے مقدر اس کا

ورنہ یہ حصۂ کہسار عجب منظر ہے
دل کو فرصت ہو تو پوجا کو عجب مندر ہے

ذرّے ذرّے میں یہاں ہی نظر آتا موہن
نت نئے روپ میں درشن ہے دکھاتا موہن

نیرنگ

۲۲۔ جنگل

گرد جنگل بیچ جنگل میں فضا ہی باغ کی
دیکھ لیں جنگل کو پھر دل کو ہوا ہے باغ کی

پیڑ کچھ چھوٹے تو ہیں کچھ بڑے ہیں اُس طرف
کچھ ادھر لیٹے ہوئے ہیں کچھ کھڑے ہیں اُس طرف

کچھ ہیں ٹیڑھے کچھ ہیں سیدھے کچھ ہیں لٹکائے ہوئے
اُن کا سایہ ہر طرف دامن ہیں پھیلائے ہوئے

پتلی پتلی اُن کی شاخیں جن پہ ہیں جھومیں بیل
وہ ہی ساکھو وہ ہی شیشم وہ ہی ساگو ببول

کیا سہانی ہے فضا سبزے کی، بوٹوں کی بہار
پتیاں سرسبز اور اُن میں رنگیں پھولوں کی بہار

مختلف شکلوں کے طائر مختلف رنگوں کے پر
کچھ زمیں پر چن رہے ہیں کچھ ہیں بالائے شجر

چلتے پھرتے ہیں زمیں پر مور طنازی کے ساتھ
بلبلیں شاخوں پہ گاتی ہیں خوش آوازی کے ساتھ

ابلقہ کچھ پر سیاہ کچھ ہیں اور کچھ پر سپید
لال جن کے سرخ پر ہیں اور گلا اُن پر سپید

نغمہ پیرا شاخ پہ شیاما ہے، جیسر کہیں
طوطی خوش لہجہ بیٹھا ہے چھپائے پر کہیں

غل ہے میناؤں کا، ہیں شوخی میں چلاتی بھی ہیں
گھاس میں کترے ہیں یہ غنچے بھی یہ کھاتی بھی ہیں

قمریوں کا رنگ خاکی، طوق کالے، پاؤں لال
پھرتی ہیں ٹانگوں کو چمکائے ہوئے یہ خوش خصال

وہ ہے اک شیشم پہ کوا جس کا ہر انداز بد
سر سے پاؤں تک ہی کالا رنگ بد آواز بد

جابجا سبزہ زمیں پر، جابجا خالی زمیں
دھوپ سے زرد اور سائے سے کہیں کالی زمیں

جابجا خوش رنگ بوٹے جابجا بیلوں کے جال
پھول جن میں کاسنی اُودے گلابی زرد لال

اس طرف دیکھو نشیب اور اس طرف کچھ فراز
دوب ایسی سبز جس کے رنگ پہ فطرت کو ناز

خشک پتے جن کو پیڑ و ڈال سے گرتی ہے ہوا
اُن کو ٹکرا کر ہر جا جنھیں بجاتی ہے ہوا

مائل جنبش ہیں شاخیں نیم تر بھی ہر طرف
ہلتے ہیں پتے کہ جیسے ہاتھ اور سر بھی ہر طرف

دن ہی کو پیڑوں کے سائے کی اندھیری ہے کہیں
جھاڑیوں نے پھیل کر پیڑوں کو گھیرا ہے کہیں

کم سمجھتے جب صنعتیں فطرت کی اور انسان کی
تب ہوئیں پیدا زمیں پر خوبیاں اس شان کی

تیتر اور چکور کیا تیتے بنے خوش نما
پھر ہماری منزلوں پہ رنگ کے خوش نما

لوٹ لی صنعت کو سیکھ آئے ہمارے ملک سے
لاد کر کشتی کو بھی لائے ہمارے ملک سے

کوہ کی شان آملی سطح زمیں کی شان سے   تنگ کوہ و دشت کا پیدا ہوا میدان سے
چار پائے جانور چرتے ہوئے پالے ہوئے   چرگ کچھ بیٹھے ہیں چپکے گردنیں ڈالے ہوئے
چر رہے ہیں وہ ہرن وہ ہیں چکارے دیکھنا   وہ ادھر چیتل ہیں چشمے کے کنارے دیکھنا
سینگ سانبھر چیتلوں اور بارہ سنگے کے شاخیں ہیں چند   خوش نما ہیں سب مگر نیل ان سے ہیں قد میں بلند
پا کے آہٹ جھاڑیوں میں ہو گئے تیتر نہاں   رہتے ہیں خرگوش سارے خوف کے دن بھر یہاں
آ رہی ہے کس بلندی سے صدائے نغمہ زا   زمزمے چنڈول کے لاتی ہے کانوں تک ہوا
آ پڑا باشا طیوروں پر وہ کندھے جوڑ کر   کیا میں غل کر دوں کہ یہ اڑ جائے اس کو چھوڑ کر
لیکن اس کی تو غذا ہے یہ اسے کھانے بھی دو   منہ سے لقمہ کون چھینے چپ رہو جانے بھی دو
وہ تو پنجوں میں دبا کر لے گیا اس کو کہیں   اور چڑیاں بھی ہیں گم یا چھپ رہیں یا اڑ گئیں

نغمہ زا چڑیاں گئیں شیشم پہ صرف اک زاغ
اب تو اس جنگل سے چل کر شوق دیکھیں باغ

شوق قدوائی

۲۳۔ گنگا

اے دلفریب گنگا اے دختر ہمالہ   محبوبۂ بیاباں اے دلبر ہمالہ
رونق فضائے وادی رود گر ہمالہ   ہندوستان کی زینت تاج سر ہمالہ

آباد بستیاں ہیں فیضِ کرم سے تیرے
ہیں بیشمار جانیں وابستہ دم سے تیرے

عکسِ شفق کی بر میں پہنے قبائے رنگیں
اُف یہ جمالِ زیبا اس پر حسین تزئیں

موجوں کی گھونگھٹوں میں رخسار جب چھپایا
دل چھین لے نظارہ تیرا حجاب رنگیں

قربان اس ادا کے صدقے ستمگری کے
کس نے تجھے سکھائے انداز دلبری کے

تو جنگلوں کی دیوی کہسار کی پری ہے
تمثیل دلنوازی تصویر دلبری ہے

مانا کہ قید رسم الفت سے تو بری ہے
لیکن یہ بے نیازی واللہ خودسری ہے

بس میں اگر نہ آئے تو ہوش میں کسی کے
تھک کر کبھی تو گر جا آغوش میں کسی کے

کتنوں کو اپنی رو میں تو لے گئی بہا کر
چلتی بنی کسی کو یا ٹھوکریں لگا کر

پیغام مرگ دینا یہ تیوریاں چڑھا کر
پھر چومنا کسی کو آغوش میں بٹھا کر

مہر و عطا کبھی ہے جور و جفا کبھی ہے
رحمت کبھی خدا کی قہر خدا کبھی ہے

بے خود بنا رہا ہے تجھ کو فشار ساحل
تیرے شباب سے ہے رنگیں کنار ساحل

کس درجہ رحم دل ہے اے تاجدار ساحل
سینے سے تو ہی لپٹی بن کر غبار ساحل

تو مستیِ خراماں موسیقیِ مجمل ہے
کیوں مختصر نہ کر دوں نامِ خدا جل ہے

تجھ میں کوئی حسینہ جب پھول ڈالتی ہے　　غوطے لگا کے تہ سے پتھر نکالتی ہے
ہنس ہنس کے اپنے سر پہ پانی اچھالتی ہے　　پھر چونک کر ادا سے آنچل سنبھالتی ہے

اُس وقت آ کے دیکھے کوئی غرور تیرا
رقصِ نشاط تیرا وجدِ سرور تیرا

ہے اضطرابِ پیہم گنگا خرام تیرا　　حیرانیِ نگاہِ بسمل قیام تیرا
گو فہمِ عام سے ہی باہر کلام تیرا　　ہیں اہلِ دل سمجھتے لیکن پیام تیرا

گنگا تری روانی جذبات آفریں ہے
تو سازِ محویت ہے اک شعرِ دلنشیں ہے

رکھتی ہے تجھ کو بیکل کیا آرزو کسی کی　　تیرے دماغ میں بھی بستی ہے بو کسی کی
ہاں تجھ کو بھی گنگا ہے جستجو کسی کی　　ہے تیری چشمِ پرنم دیدار جو کسی کی

صحرا نوردِ الفت آوارہ وطن ہے
جس حال میں مگر ہے دلشاد ہے مگن ہے

جوگن ہے تو کوئی مستِ شرابِ الفت　　ہے نغمہ ریز پیہم جس کا ربابِ الفت
وارفتۂ محبت خانہ خرابِ الفت　　پیشِ نظر ہے جس کے ہر دم کتابِ الفت

ہے زندگی کو جس نے سوائے عشق سمجھا
اور وسعت جہاں کو صحرائے عشق سمجھا

خورشید چھپ چکا ہے آثار شب عیاں ہیں — اشیائے گرد و پیش پہ تاریکیاں ہیں
تجھ سے بچھڑنے والے ساحل کے آب جو ہیں — ہم گئے ہیں تشنہ سوز اور ناقابل ہیں

دامن میں اپنے لیے تجھ سی حبابہ ہونگے
ہنگامہ جہاں سے پھر آشنا نہ ہونگے

واقف بہاری

۲۴۔ دھرتی ماتا

یاد ہے مجھ کو جب میں چڑھ کر — ایک پہاڑی کی چوٹی پر
شاخ پہ ایک درخت کے بیٹھا — کرتا تھا میں تیرا نظارا
کوسوں تک وہ تیرا سبزہ — دھانی۔ماشی کاہی بھورا
کوسوں تک وہ تیرے میداں — سیدھے صاف چٹیلے میداں
چھنگی چھنگی جھاڑیاں اس پر — قدرت کی گلکاریاں اس پر
تال تلیاں، دریا، ریتی — باغ چمن، آبادی کھیتی
ایسے تھے سب میری نظر میں — پائیں باغ ہو جیسے گھر میں
جب تک میں سب دیکھ رہا تھا — خوش تھا دل اور ریکھتا تھا

حد نظر کو اور بڑھاؤں — ایسی بلندی پر چڑھ جاؤں
ایسی چوٹی پر جا بیٹھوں میں — صاف جہاں سے دیکھ سکوں میں
شہر اور صوبے گاؤں اور قصبے — بکھرے بکھرے چھٹکے چھٹکے
سارا قدرت کا فرنیچر — میرے آگے آئے سمٹ کر
ساری انسانی آبادی — یعنی دنیا کی آبادی
میرے آگے کھیل رہی ہو — روتی گاتی اور ہنستی ہو
اس محویت میں جب میں تھا — مجھ کو ہوا معلوم کہ گویا

کوئی مجھ کو کھینچ رہا ہے
چونک پڑا میں کون ہی کیا ہی

نادر کاکوروی

۲۵۔ اکبر آباد

شہر سخن میں اب جو ملا ہے مجھے مکاں — کیوں کر نہ اپنے شہر کی خوبی کروں بیاں
دیکھی ہیں آگرہ میں بہت ہم نے خوبیاں — ہر وقت اس سے شاد رہیں ہیں جہاں تہاں

رکھیو الٰہی اس کو تو آباد جاوداں

ہر صبح اس کی رکھتی ہے وہ نور گستری — شرمندہ جس کو دیکھ کے ہو عارض پری
ہر شام میں بادہ رشک ملاحت ہے بھری — لیلی کی جعد کر نہ سکے جس کی ہمسری

دن روئے مہر طلعت و شب زلف مہوشاں

باغات پُر بہار عمارات پُر نگار — بازار وہ کہ جس پہ چمن دل سے ہو نثار
محبوب دل فریب گل اندام و گل عذار — گلشن کہیں ہیں آپ کو گلزار پُر بہار
کہیے کہیں ہیں اپنے تئیں صحن گلستاں

آب و ہوا کے لطف کوئی کیا کیا اب کہے — دیکھو جدھر ادھر گل عشرت ہیں کھل رہے
ادھر کو مہکتے ہیں تو ادھر کو چہچہے — اشجار باغ و شہر وہ سرسبز لہلہے
سبزوں کو جن کے دیکھ کے حیراں ہو آسماں

ہر فصل میں وہ ہوتے ہیں پاکیزہ میوہ جات — دیکھے تو پھر نبات سے بن آئے کچھ نہ بات
شہد ان پہ آٹھ پہر لگائے ہے بے گھات — قند و شکر بھی دل سے فدا ہیں دن اور رات
رہتے ہیں اُن کے وصف میں ہر دم شکر فشاں

نہر چمن کو دیکھو تو جیسے چمن کی نہر — لاکھوں بہاریں رکھتی ہے ایک ایک جس کی لہر
کوئی نہاوے اور کوئی منہ دھووے شاد مہر — اس پر ہجوم رکھتے ہیں یوں ساکنان شہر
شمشاد و سرو ہوتے ہیں جو نہر پر عیاں

گریاں کے پیرنے کا کروں وصف میں رقم — تو بحر صفحہ بیچ لگے پیرنے قلم
پیرنے بس ہیں اس روش کی بہاریں ہی ہو بہم — سو سو چمن بھرے ہوئے شبنم کے دمبدم
آجاتے ہیں نظر وہیں دریا کے درمیاں

اہل شنا جو کرتے ہیں سو سو طرح شنا — لہریں نشاط و عیش کی اٹھتی ہیں دل میں آ

ملتا نہیں کنار کچھ عشرت کے بحر کا ساحل پہ جوش خلق سے ملتی نہیں ہی جا
ہوتا ہے وہ ہجوم بھی ایک بحر بے کراں

یارو عجب طرح کا یہ دلچسپ ہے مقام ہوتے ہیں ایسے کتنے ہی خوبی کے اژدہام
ہر طور خوش رہے دل اور طبع شاد کام میری نظیر دل سے یہی ہے دعا مدام
ہنستا رہے یہ شہر بصد امن اور اماں

نظیر

۲۶۔ روضۂ تاج گنج

یارو یہ تاج گنج جو یاں آشکار ہے مشہور اس کا نام بہ شہر و دیار ہے
خوبی میں سب طرح کا اُسے اعتبار ہے روضہ جو اس مکان میں دریا کنار ہے
نقشہ میں اپنے یہ بھی عجب خوش نگار ہے

روئے زمیں پہ یوں تو مکاں خوب ہیں میاں پر اس مکاں کی خوبیاں کیا کیا کروں بیاں
سنگِ سفید سے جو بنا ہے "قمر نشاں" ایسا چمک رہا ہے تجلّی سے یہ مکاں
جس سے بلور کی بھی چمک شرمسار ہے

گنبد ہے اس کا زور بلندی سے بہرہ مند گرد اس کے گمٹیاں بھی چمکتی ہوئی ہیں چند
اور وہ کلس جو ہے سر گنبد سے سر بلند ایسا ہلال اس پہ سنہرا ہے دل پسند
ہر ماہ جس کے خم پہ مہ نو نثار ہے

گنبد کے نیچے اور مکاں ہیں جو آس پاس — وہ بھی برنگ سیم چمکتے ہیں خوش اساس
برسوں تک اس میں رہئے تو ہووے نہ جی اداس — آتی ہے ہر طرف سے گل یاسمن کی باس
ہوتا ہے شاد اس میں جو کرتا گزر ہے

ہیں بیچ میں مکاں کہ وہ دو مقدیں جو یاں — گرد ان کے جالی او بحر ہے درفشاں
سنگین گل جو اس میں بنائے ہیں تہ نشاں — پتے گل ہماگ رنگ و رنگ ہے عیاں
جو نقش اس میں ہے وہ جواہر نگار ہے

دیواروں پر ہیں سنگ ہیں نازک عجب نگار — آئینے بھی لگے ہیں مجلیٰ و تابدار
دروازہ پر لکھا ہے خط طغرا طرفہ کار — ہر گوشہ پہ کھڑے ہیں جو مینار اس کے چار
چاروں طرف سے طرز اوج کی خوبی دکھا ہے

پہلو میں ایک برج بسی کہتے ہیں اسے — آتے نظر ہیں اس سے مکاں دور دور کے
مسجد ہے ایسی جس کی صفت کس سے ہو سکے — پھر اور بھی مکاں ہیں ادھر اور ادھر کھڑے
دروازۂ کلاں بھی بلند استوا ہے

جو صحن باغ کا ہے وہ ایسا ہے دلکشا — آتی ہے جس میں گلشن فردوس کی ہوا
ہر سو نسیم چلتی ہے اور ہر طرف ہوا — ہلتی ہیں ڈالیاں سبھی ہر گل ہے جھومتا
کیا کیا روش روش پہ ہجوم بہار ہے

سرو سہی کھڑے ہیں قرینے سے نسترن — کوکو کریں ہیں قمریاں ہو کر شکر شکن
ازبس بوٹی سے بھرے ہیں چمن چمن — گلنار لالہ و گل نسرین و نسترن

فوارے چھوٹ رہے ہیں رواں جوئبار ہے

وہ تاجدار شاہ جہاں صاحب سریر — بنوایا ہے انھوں نے لگا سیم و زر کثیر
جو دیکھتا ہے اس کے یہ ہوتا ہے دل پذیر — تعریف اس مکاں کی میں کیا کیا کروں نظیر
اس کی صفت تو شہرۂ روزگار ہے

نظیر

۲۷۔ محل سرا

آئی نظر جو مجھ کو وہ نادر محل سرا — دل میں پری کے باغ کا مجھ کو یقین ہوا
جب اس مکاں کے پاس میں ڈھونڈتا ہوا گیا — دیکھوں تو اس کا ہے در دولت سرا کھلا
آیا یہ دل میں دیکھئے چل کر کوئی گھڑی

پہونچا یونہیں میں اس چمن زرفشان میں — جھمکے مکاں جو اس کے ہری آن آن میں
عالم سنہرے پردوں میں اور سائبان میں — کیا دیکھتا ہوں جا کے میں ہر ایک مکان میں
سونے کی کھان ہو کے ہی پھرتی ہے پڑی

گلشن کہیں چمن کہیں شیشہ صراحی جام — فرش طلا بچھا کہیں پتھر جڑت کا کام
تھی نقرئی زمین تو سنہرے تمام بام — طاق و رواق اس کے جھمکتے تھے لعل فام
گویا کہ اینٹ اینٹ جواہر کی ہے جڑی

دیکھی جو میں نے واں یہ طلسمات کی ہوا — عالم جواہرات کا ہر جا چمک رہا

اس کی چمک دمک کی بھلا کیا کہوں میں کہا — چمکا جو وہ مکاں مری آنکھوں میں اوریا

حیرت سے عقل آن کے چکر میں جا پڑی

نظیر

۲۸ - قلعہ اکبر آباد

یا رب کیسی مشعل کشتہ کا دھواں ہے — یا گلشن برباد کی یہ فصل خزاں ہے

یا بزم کی فریاد و فغاں ہے — یا قافلۂ رفتہ کا پس خیمہ رواں ہے

ہاں دور گزشتہ کی رہائیت کا نشاں ہے — بانی عمارت کا جلال اس سے عیاں ہے

اُڑتا تھا یہاں پرچم جم جاہی اکبر

بجتا تھا یہاں کوس شہنشاہی اکبر

باہر سے نظر آتے ہیں یہ ایک چلہ — ہر پہلے لب آب جمن صورت الوند

گو یکہ ہے کہ اک سورا مفصول متنومند — یا ہند کا رجیوت ہے یا ترک سمرقند

کیا بارہ عملین کا پہنا ہے قبا اگند — ہے بیٹی کا قبر اگند یہ باندھا ہے کمر بند

محدود ہے خندق سے رہ فتنہ و آشوب

ارباب تمرد کے لیے برج ہیں سرکوب

تعمیر و قلعہ بس البتہ ہے موزوں — پرشوکت و ذی شان ہے اک کا شخیرون

گو ہم سر کیواں ہیں نہ ہم پلۂ گردوں | محراب کی ہیئت نے بچا لی ہے یہ مضمون

پیلان گراں سلسلہ با ہودج زریں

اس در سے گذرتے تھے بصد رونق و تزئیں

اکبر سا کبھی مخزن تدبیر یہاں تھا | یا طنطنۂ نور جہانگیر یہاں تھا

یا شاہ جہاں مرجع توقیر یہاں تھا | یا مجمع ذی رتبہ مشاہیر یہاں تھا

القصہ کبھی عالم تصویر یہاں تھا | دنیا سے سوا جلوۂ تقدیر یہاں تھا

بہتا تھا اسی کاخ میں دولت کا سمندر

تھے جشن ملوکانہ اسی قصر کے اندر

وہ قصر معلیٰ کہ جہاں عام تھا دربار | آئینہ نما تھے کبھی جس کے در و دیوار

اور سقف زر اندود پہ تھی خندہ چمن زار | اور فرش ہے مرمر کا کہ چشمۂ انوار

اب تک نصب اس میں ہے جہانگیر کی لکا | سہ سنگ کہ رستہ نہ دو مجمع حسن

کہتا ہے کبھی مرکز اقبال تھا میں بھی

ہاں قبلہ گہ عظمت و اجلال تھا میں بھی

جب تک کہ مشیت کو مرا توقیر تھا منظور | نافذ تھا زمانے پہ مری جاہ کا منشور

شاہان معاصر کا یہی تھا یہ دستور | کرتے تھے سفیران ذوی القدر سو حضور

تا میری زیارت سے کریں چشم کو پرنور | آوازۂ میری شان کا پہنچا تھا بہت دور

اکناف جہاں میں تھا مرا دبدبہ طاری
تسلیم کو جھکتے تھے یہاں ہفت ہزاری

وہ چتر وہ دیہیم وہ ساماں کہاں ہیں — وہ شاہ وہ فرزیں وہ خاقاں کہاں ہیں
وہ بخشی و دستور و دیوان کہاں ہیں — وہ منصب امرا وہ دربان کہاں ہیں
وہ دولت مغلیہ کے ارکان کہاں ہیں — فیضی و ابوالفضل سے ہمسایاں کہاں ہیں

سنسان ہیں وہ شاہ نشیں آج صد افسوس
جھکتے تھے جہاں خان و خواتین زمیں بوس

وہ بارگہ خاص کی پاکیزہ عمارت — تاباں تھی جہاں تیر شاہی و وجاہت
بڑھتی تھی جہاں نظم و سیاست کی مہارت — آتی تھی جہاں فتح ممالک کی بشارت
جس شخص نے منزل دیکھی ہو وہاں کارت — تنہا ہی کرتے ہیں اب اس کی زیارت

کہتا ہے سخن فہم سے یوں گنبد دوراں کا
تھا مخزن اسرار یہی تاج دوراں کا

اور گنبد سنگ جو قائم ہے لب بام — بوسے جسے دیتا تھا ہر اک بندۂ عظام
اشعار میں ثبت اس پہ جہانگیر کا ہے نام — شاعر کا قلم اس کی بقا لکھتا ہے مادام
پر صاف نظر آتا ہے کچھ اور ہی انجام — سالم نہیں چھوڑے گی اسے گردش ایام

افسردگی دہر نے شق اب تو کیا ہے
آئندہ کی نسلوں کو سبق خوب دیا ہے

تعمیر کے انداز کو دیکھو بہ تامل | تاتاری و ہندی ہیں بہم شان و تجمل

سیاح جہاندیدہ کے نزدیک یہ تعمیر
اکبر کے خیالات مرکب کی ہے تصویر

روشن کی جھروکے کی پڑی تھی یہیں بنیاد | ہوتی تھی تلاش اس میں کہ کیا کیا دہش و داد
وہ عدل کی زنجیر ہوئی تھی یہیں ایجاد | جو سمع شہنشاہ میں پہونچاتی تھی فریاد
وہ نور جہاں اور جہانگیر کی افتاد | اس کاخ ہمایوں کو بہ تفصیل ہے سب یاد

ہر چند کہ بے کار یہ تعمیر پڑی ہے
قدر اس کی مورخ کی نگاہوں میں بڑی ہے

اب دیکھیے وہ مسجد و حمام زنانہ | وہ نہر وہ حوض اور وہ پانی کا خزانہ
صنعت میں ہر اک چیز ہے یکتا و یگانہ | ہے طرز عمارت سے عیاں شان شہانہ
کیا ہو گئے وہ لوگ کہاں ہے وہ زمانہ | ہر سنگ کے لب پر ہے غم انگیز ترانہ

چغتائیہ گلزار کی یہ فصل خزاں ہے
ممتاز محل ہے نہ یہاں نور جہاں ہے

وہ قصر جہاں جودھپوری بیگم تھی بانی | تھی دولت و ثروت کی جہاں عام فراوانی
دیکھا اسے جا کر تو بری گت نظر آئی | صحنوں میں تھی گھاس تو دیوار پہ کائی
گویا در و دیوار یہ دیتے ہیں دہائی | ممکن نہیں طوفان حوادث سے رہائی

جس گھر میں تھے نسرین و سمن یاسمن و لالہ
اب نسل ابابیل میں ہے اس کا قبالہ

وہ مسجد زیبا ہے کہ اس نور کی دلہن — خوبی میں یگانہ ہے و لے سادہ و پرفن
محراب و در و بام ہیں سب نور کا مسکن — موتی سے ہیں دالان تو ہے صاف سا آنگن
کافور کا تودہ ہے کہ الماس کا معدن — یا فجر کا مطلع ہے کہ خود رفتہ ہے روشن

بلّور کا ہے قاعدہ یا نور کا ہے راس
باطل سی ہوئی جاتی ہے یاں قوت احساس

ہاتھوں نے ہنرمند کے اک سحر کیا ہے — سانچے میں عمارت کو مگر ڈھال دیا ہے
یا تار نظر سے کہیں پتھر کو سیا ہے — مرمر میں پرتو مہ کا سا نور و ضیا ہے
گو شمع نہ فانوس نہ بتی نہ دیا ہے — ہاں چشمۂ خورشید سے آب اس نے پیا ہے

چلئے جو یہاں سے تو نظر کہتی ہے لی العذر
نظارہ کی دو مجھ کو اجازت کوئی دم اور

مسجد نے اشارہ کیا پتھر کی زبانی — اس قلعہ میں ہیں شاہ جہاں کی ہی نشانی
کچھ شوکت ماضی کی کہی اس نے کہانی — کچھ حالت موجودہ بایں سحر بیانی
ان حجروں میں ہو شمع نہ اب حوض میں پانی — نولکھوں کے دل میں بھی ہے اک سوز نہانی

تسبیح نہ تہلیل نہ تکبیر و اذاں ہے
بس گوشۂ تنہائی ہے اور قفل گراں ہے

جمگھٹ تھا کبھی یہاں وزرا و امرا کا — مجمع تھا کبھی یہاں صلحا و علما کا
چرچا تھا شب و روز یہاں ذکرِ خدا کا — ہوتا تھا ادا خطبہ سدا حمد و ثنا کا
ایک قافلہ ٹھیرا ہوا تھا عز و علا کا — جو کچھ تھا گزر جانے میں جھونکا تھا ہوا کا

ہیں اب تو نمازی مرے باقی یہی دو تین
یا دھوپ ہے یا چاندنی یا سایۂ مسکین

وہ دور رہی باقی نہ وہ ایام دیالی — جو واقعہ حسّی تھا سو ہے آج خیالی
ہر کوشک و ایوان ہر اک منزلِ عالی — عبرت سے ہے بیٹھا ہوا مکینوں سے ہے خالی
آقا نہ خداوند۔ اہالی نہ موالی — جز ذاتِ خدا کوئی نہ وارث ہے والی

یہ جملہ محلات جو سنسان پڑے ہیں
پتھر کا کلیجہ کیے حیران کھڑے ہیں

اسمٰعیل

۲۹۔ ستارہ

قمر کا خوف کہ ہے خطرۂ سحر تجھ کو — مآلِ حسن کی کیا مل گئی خبر تجھ کو
متاعِ نور کے لٹ جانے کا ہے ڈر تجھ کو — ہے کیا ہراسِ فنا صورتِ شرر تجھ کو
زمیں سے دور دیا آسماں نے گھر تجھ کو — مثالِ ماہ اڑھائی قبائے زر تجھ کو

غضب ہے پھر تری ننھی سی جان ڈرتی ہے
تمام رات تری کانپتے گذرتی ہے

چمکنے والے مسافر! عجب یہ بستی ہے
جو اوج ایک کا ہے دوسرے کی پستی ہے

اجل ہے لاکھوں ستاروں کی اک ولادت مہر
فنا کی نیند مے زندگی کی مستی ہے

وداع غنچہ میں ہے راز آفرینش گل
عدم عدم ہے کہ آئینہ دار ہستی ہے

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں
ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

اقبال

۳۰۔ صبح کا ستارہ

لطف ہمسایگی شمس و قمر کو چھوڑوں
اور اس خدمت پیغام سحر کو چھوڑوں

عارضی حسن ہے دشمن ہے مرا نور سحر
یہ مرا خسرو خاور کا پیامی بن کر

میرے حق میں تو نہیں تاروں کی بستی اچھی
اس بلندی سے زمیں والوں کی پستی اچھی

آسماں کیا عدم آباد وطن ہے میرا
صبح کا دامن صد چاک کفن ہے میرا

میری قسمت میں ہے ہر روز کا مرنا جینا
ساقی موت کے ہاتھوں سے صبوحی پینا

نہ یہ خدمت نہ یہ رفعت نہ یہ عزت اچھی
اس گھڑی بھر کے چمکنے سے تو ظلمت اچھی

میری قدرت میں جو ہوتا تو نہ اختر بنتا
قعرِ دریا میں چمکتا ہوا گوہر بنتا

واں بھی موجوں کی کشاکش سے جو دل گھبراتا
چھوڑ کر بحر کہیں زیبِ گلو ہو جاتا

ہے چمکنے میں مزہ حسن کا زیور ہو کر
زینتِ تاجِ سرِ بانوئے قیصر ہو کر

ایک پتھر کے جو ٹکڑے کا نصیبہ جاگا
خاتمِ دستِ سلیماں کا نگیں بن کے رہا

ایسی چیزوں کا مگر دہر میں ہے کام شکست
ہے گہر ہائے گراں مایہ کا انجام شکست

زندگی وہ ہے کہ جو ہو نہ شناسائے اجل
کیا وہ جینا ہے کہ ہو جس میں تقاضائے اجل

ہے یہ انجام اگر زینتِ عالم ہو کر
کیوں نہ گر جاؤں کسی پھول پہ شبنم ہو کر

کسی پیشانی کے افشاں کے ستاروں میں ہوں
کسی مظلوم کی آہوں کے شراروں میں رہوں

اشک بن کر سرِ مژگاں سے اٹک جاؤں میں
کیوں نہ اس بیوی کی آنکھوں سے ٹپک جاؤں میں

جس کا شوہر ہو رواں ہو کے زرہ میں مستور
سوئے میدانِ وغا حبِ وطن سے مجبور

یاس و امید کا نظارہ جو دکھلاتی ہو
جس کی خاموشی سے تقریر بھی شرماتی ہو

جس کی شوہر کی رضا تابِ شکیبائی دے
اور نگاہوں کی حیا طاقتِ گویائی دے

زرد رخصت کی گھڑی عارضِ گلگوں ہو جائے
کششِ حسن غمِ ہجر سے افزوں ہو جائے

لاکھ وہ ضبط کرے پر میں ٹپک ہی جاؤں
دل سے مانندِ مئے تند چھلک ہی جاؤں

صبر کا خون نکل آیا ہو مل کر مجھ میں
ایک طوفان ہو افکار کا مضمر مجھ میں

خاک میں مل کے حیاتِ ابدی پا جاؤں
عشق کا سوز زمانے کو دکھاتا جاؤں

اقبال

۳۱۔ مرجھایا ہوا پھول

ہے عجب عالم فضائے باغ پر آیا ہوا
ہر طرف تصویر کا سا ہی سماں چھایا ہوا

جس شجر کو دیکھیے مست ہے اپنے حسن پر
پھول جو دیکھو جوانی پر ہی اترایا ہوا

سیدھے منہ سے بات تک کرتے نہیں غنچے ذرا
اُن کا غرّہ آج کل دوروں پہ ہے آیا ہوا

دیکھیے جو غنچہ یا گل کو کچھ اثر سی ہے اکثر
کہتی ہے سارا جہاں ہی میرا مہکایا ہوا

یہ سماں ہے دیکھتا ہوں پھر رہی گلزار میں
اک طرف اک شاخ پر اک پھول مرجھایا ہوا

اس سے جیسے چھپ لے چمن میں یا یہ گل پژمردہ ہے
یا کوئی حسرت کا پتلا عاشقِ دل مردہ ہے

کل اس گل کا عجب انداز تھا طرفہ بہار
تھی محبت سے لئے آغوش میں اُس کو بہار

لیتی تھی اس کی بلائیں گرد پھر پھر کر نسیم
چھڑکتی تھی اوس موتی اس کے اوپر وار وار

چاندنا سا مسکراہٹ سی تھا اس کی چار سو
تھیں ہوائیں اس کو دم سی مشک بیز و عطر بار

کس کے دل میں چٹکیاں لیتی نہ تھی اس کی ادا
دیکھ کر صورت کو اس کی کس کو آتا تھا نہ پیار

لونڈیوں کی طرح جھلتی تھی اسے پنکھا صبا
سر پہ چھتری اُس کی تھا کھولے ہوئی ابرِ بہار

نازپروردۂ عناصر تھا بجا کہنا اسے — دیکھ کر اس کو نہیں پھولی سماتی تھی بہار

دیکھ پاتا تھا ذرا اس کو جو کوئی گل عذار

چاہتا تھا جھٹ سے گلدستہ اپنے کر لے اس کو ہار

نام کو اس کی ہنسی میں تھا نہ غم کا شائبہ — کیا خبر تھی جل اُڑ جانے کو ہے رنگِ بقا

تھا رگوں میں اس کی دوڑا موجزن آبِ حیات — اس کو کیا معلوم تھا چلنے کو ہے بادِ فنا

گود میں بادِ بہاری نے کھلایا تھا اسے — چومتی تھی اس کا ماتھا پیار سے بادِ صبا

کی جو کچھ بادِ سحر نے اس سے آکر چھیڑ چھاڑ — گدگدانے سے یہ اس کے کھلکھلا کر ہنس پڑا

کچھ ہوا اٹکھیلیوں سے اس کی ایسا خفا یہ گلا — ہنستے ہنستے آنکھ میں شبنم کا آنسو آگیا

چومتی تھیں اس کا منہ جھک جھک کے شاخیں بار بار — سونگھنے کو ہتھیلی کا اک بہانہ تھی صبا

اس کی بو کی بادھنی تھی کل ہوا موجِ نسیم

انقلاب آیا ہے لیکن آج یہ کتنا عظیم

چاہتی تھی کل اسے جو شاخ اپنا تاجِ سر — آج ہے اس کے لیے یہ بارِ خاطر سے بتر

درد سے اس کی نہیں بھرتی ہے ٹھنڈی سانس تک — سرد مہری ایسی ہوئی ہے آج تو بادِ سحر

ڈھونڈھتی تھی کل بہانے اس سے رگ جلنے کے تو — آج کترانے لگی ہے اس سے تو کیوں اس قدر؟

آج آنکھیں پھیر لیں گلچیں نے گو اس سے تو کیا — رال اس کی ٹپکتی تھی اسے کل دیکھ کر

اپنے اپنے حال میں ہیں مست سکانِ چمن — کس کو پروا ہے کرے جو اس کی حالت پر نظر

کل اگر تر تھا تو تھا گلگونۂ روئے حسن — حرفِ تشبیہ عذارِ مہوشانِ سیمبر

تھی ہوا اس میں وہ کچھ خوبی بھری
جس طرح شیشے میں ہوتی ہے پری

کیا کہوں اس کی صفائی اور چمک
کاسۂ بلور جاتا تھا دمک

اب کہوں خوبی میں اس کی تا کجا
بندہ ہی تھی دور میں اس کی ہوا

نظیر

۳۴۔ کورا برتن

کورے برتن ہیں کیا رنگ گلشن کی
جس سے کھلتی ہے ہر کلی تن کی

بوند پانی کی ان میں ہر ہر کی
کیا وہ پیاری صدا ہے سن سن کی

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

پانی کا آپ ایک ہے ذات
قطرہ قطرہ ہے جس کا آب حیات

کورے برتن میں جب کیا بات
پھر تو آب حیات بھی ہے مات

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

وہ جو پانی کی کوری گولی ہے
وہی آنکھ کے موتی کو کولی ہے

کیا ہی ٹھنڈی دوا کی گولی ہے
کیا کہوں گول گول گولی ہے

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

یہ جو گولی کی بوبیاں باندھیں   ہم نے پانی کی گولیاں باندھیں
سوندھی سوندھی سی ٹوٹیاں باندھیں   دل نے پھولوں کی جھولیاں باندھیں

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

کورا پنہاری کا جو ہے مٹکا   اس کا جوبن کچھ اور ہی چٹکا
لے گیا جان پاؤں کا کھٹکا   دل گھڑے کی طرح سے ہی ٹپکا

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

کوری ٹھلیا پہ دیکھ کر لوٹا   دل لگا ہونے کچھ کھرا کھوٹا
گرچہ لوٹا وہ قد کا ہے چھوٹا   جس نے دیکھا اسی کا دل لوٹا

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

کورے کوزوں کو دیکھ عالم میں   کوزے مصری کی بھر گئے غم میں
یوں وہ رستے ہیں آب کے نم میں   جیسے ڈوبے ہوں پھول شبنم میں

تازگی جی کی اور تری برتن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

وہ جو کورا سفید جھجر ہے　　جس کی جاگیر ملک جھجر ہے
بیل بوٹے سی اس جھمک پر ہی　　تاش کمخواب یا مشجر ہے

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

جس صراحی میں سرد پانی ہے　　موتی کی آب پانی پانی ہے
زندگی کی یہی نشانی ہے　　دوستو یہی بات پانی ہے

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

جتنے نذر و نیاز کرتے ہیں　　اور جو پیروں سے اپنی ڈرتے ہیں
جب کہ وہ پھول پان دھرتے ہیں　　دہی کوروں ہی ٹھلیاں گنتی ہیں

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

خاک سی جب کہ ان کو گڑھتے ہیں　　بندگی سے یہ اپنی بڑھتے ہیں
کوروں پر پھول ہار چڑھتے ہیں　　حور و غلماں درود پڑھتے ہیں

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

کوؤں پہ جو نظیر جوبن ہے — جو جبے ہیں کہاں وہ کھن کھن ہے
جس گھڑونچی پہ کورا باسن ہے — وہ گھڑونچی نہیں ہے گلشن ہے

تازگی جی کی اور تری تن کی
واہ کیا بات کورے برتن کی

نظیر

۳۴۔ دال کی فریاد

ایک لڑکی بگھارتی ہے دال — دال کرتی ہے عرض یوں احوال
ایک دن تھا ہری بھری تھی میں — سارے آفات سے بری تھی میں
تھا ہرا کھیت میرا گہوارہ — وہ وطن تھا مجھے بہت پیارا
پانی پی پی کے تھی میں لہراتی — دھوپ لیتی کبھی ہوا کھاتی
مینہ برستا تھا جھونکے آتے تھے — گودیوں میں مجھے کھلاتے تھے

یہی سورج زمیں تھے ماں باوا
مجھ سے کرتے تھے نیک برتاوا

جب کیا مجھ کو پال پوس بڑا — آہ ظالم کسان آن پڑا

گئی تقدیر یک بیک جو پلٹ — کھیت کا کھیت کر دیا تلپٹ
خوب لوٹا دبڑی وتڑی کر کے — مجھ کو گونوں میں لے گئے بھر کے
ہو گئی دم کے دم میں بربادی — چھن گئی ہائے میری آزادی
کیا بتاؤں کہاں کہاں کھینچا — وال منڈی میں مجھ کو جا بیچا
ایک ظالم سے ول پڑا پالا — جس نے چکی میں مجھ کو دل ڈالا
ہوا تقدیر کا لکھا پورا — دونوں پاٹوں کے کر دیا چورا
نہ سنی میری آہ اور زاری — خوب بنیے نے کی خریداری
چھانا چھلنی میں چھاج میں پٹکا — قید خانہ بنا میرا مٹکا
پھر مقدر مجھے یہاں لایا — تم نے تو اور بھی غضب ڈھایا
کھال کھینچی الگ کئے چھلکے — زخم کیونکر ہرے نہ ہوں دل کے
نمک اور مرچ پر لٹایا خوب — رکھ کے چولہے پہ بھی جلایا خوب
اس پہ کفگیر کے ٹہوکے ہیں — اور ناخن کے بھی کچوکے ہیں
میرے گلنے کی لے رہی ہو خبر — دانت ہی آپ کا ہے اوپر
گرم گھی کر کے مجھ کو داغ دیا — ہائے تم نے بھی کچھ نہ رحم کیا
ہاتھ دھو کر پڑی ہو پیچھے تم — جان پر آ بنی حواس ہیں گم

اچھا بی بی تمہیں کرو انصاف
ظلم ہے یا نہیں قصور معاف

کہا لڑکی نے میری پیاری دال
مجھ کو معلوم ہے ترا سب حال

تو اگر کھیت سے نہیں آتی
خاک میں مل کے خاک ہو جاتی

یا کوئی گائے بھینس چر لیتی
پیٹ میں اپنے تجکو بھر لیتی

میں تو رتبہ ترا بڑھاتی ہوں
اب چباتی سے تجکو کھاتی ہوں

نہ ستانا نہ جی جلانا تھا
یوں تجھے آدمی بنانا تھا

اگلی بیتی کا تو نہ کر کچھ غم
مہربانی تھی سب نہ تھا یہ ستم

اسمعیل

۲۵۔ جیب گھڑی

ہے بڑی اچھی مری چھوٹی گھڑی
چلتی رہتی ہے یہ کٹ کٹ ہر گھڑی

گھومتی رہتی ہیں دونوں سوئیاں
ایک چھوٹی ہے تو ایک اس سے بڑی

اس کا ڈھکن کھول کر دیکھو ذرا
واہ وا اندر تو ہے جگمگ بڑی

پھر رہی ہیں پھرکیاں سی بیسیوں
کس صفائی سے ہر اک کل ہے جڑی

اس کے پرزے چلتے رہتے ہیں سدا
بس اسی سے نام ہے اس کا گھڑی

وجاہت

۷۵۔ عصا

ہوتی ہے دنیا میں جو کچھ تحفہ چیز — سب سے ہے سودا کو یہ لاٹھی عزیز

کوچ و مقام ان کا ہے سب اپنے ہاتھ — جب کہیں چلیے تو ہے بے عذر ساتھ

کس میں یہ توفیق ہے گو جو خیال — ہاتھ پکڑ گرتے کو لیوے سنبھال

اس کے گھرانے کو جو کیجے خیال — چھوٹے بڑے جتنے ہیں سب ذی کمال

کوئی تو ہے خامۂ معجز طراز — کوئی ستمگر ہے نئے نغمہ ساز

اس کے بڑوں کی ہی بڑائی قدیم — واں ہے اعجاز عصائے کلیم

گو کہ سخن گو نہیں یہ راست باز — تس پہ یہ سمجھا ہے نشیب و فراز

جو کوئی سمجھے ہے رموز و نکات — اس سے سدا کہتی ہے لاٹھی یہ بات

گو کہ ہوں اب نالہ گرہ در گلو — میں بھی تھی سرسبز جہاں میں کبھو

سحر ہے یا ساحری کی تقریر ہے — جس میں کہ عبرت کی یہ تاثیر ہے

لکڑی کی نسبت سے تو معذور ہے — آدمی ہونا تو بہت دور ہے

سودا

۳۷۔ بہشت کے پرند

بالائے شاخسار جو کی یک بیک نظر — ہوش اڑ گئے جو پھر گئے دیکھے وہ جانور
سرخ و کبود و سبز منقش ہر اک کا سر — شکلیں جو مختلف تو جداگانہ قسم کے پر

سرمایۂ جمال و محاسن متاع تھے
شہپر چمک میں رشک خطوط شعاع تھے

ترکیب سے ہر ایک کی عیاں شان داوری — لعلیں کسی کی چشم مگر جسم اخضری
بالکل بسان سنگِ ستارہ کوئی زری — یک رنگ کوئی غیرت یاقوت احمری

سادہ تھا اک تو رشک در شاہوار تھا
سر سے قدم تک ایک جواہر نگار تھا

زریں کسی کا سر تو متلون گلی گلی — مقیش کے کسی کے پروں میں جھلا جھلی
سر پر کسی کے نام محمدؐ لکھا جلی — سینے پہ بعض کے بخط سبز یا علیؑ

کتنوں کے جسم بھر پہ رقم پنجتن کے نام
اکثر کے بازوؤں پہ حسین و حسن کے اسم

پیاری ادا وہ انکی اک اک نظر کو بھائے — خوش غلغلوں پہ بلبل بستاں لوٹ جائے
پھولے بصد سرور کبھی گاہ چہچہائے — پلٹے کبھی ادھر کبھی ان ڈالیوں پہ آئے

پتی ہلی تو رہ گئے پر تولتے ہوئے
چٹکی کلی تو ملکے اُڑے بولتے ہوئے

انسؔ

۳۸ ۔ بہشتی پرند

جانور اِس کے وہ خوش وضع و خوش انداز حسین
آنکھیں ہر ایک کی یاقوت و زمرد کے نگیں

گل شکم پر ہیں کسی کے توبان پروں
صورتیں بہتر و خوشتر تو صدائیں رنگیں

زمزمے بھی ہیں ترانے بھی ہیں آہنگ بھی ہیں
ہیں اگر مختلف اللون تو یکرنگ بھی ہیں

ان کی خوش فعلیاں دلکش تو ادائیں پیاری
ہیئتیں وہ کہ عیاں شانِ جنابِ باری

سرخ کوئی کوئی زرد اور کوئی زنگاری
تن پہ بعضوں کے عجب حسن کی مینا کاری

عاشق آل ہیں شیدا شہ لولاک کے ہیں
نام سینوں پہ رقم پنجتن پاک کے ہیں

نقرئی سینکڑوں طائر ہیں بصد حسن حسن
بال و پر صاف چمکتے ہوئے سیماب سی تن

رنگ بعضوں کے طلائی کہ فدا ہو کندن
دمک ایسی کہ جہاں ماند ہی سورج کی کرن

ٹوٹتی ہے نہ کلی کوئی نہ پر جھڑتا ہے
بازوؤں کو جو کھجلاتے ہیں تو زر جھڑتا ہے

سادگی حسن میں سراپا ہی کچھ ایسے ہیں طیور — تن ہے شفاف پروں میں ہے چمک مثلِ بلور
دونوں پر پھول کے جیسے ہوں کبھی وقتِ سحر — ہاں ادھر سے ہو عیاں اس کا ادھر سے ہو ظہور

بیچ میں قلب و جگر رنگ جو دکھلاتے ہیں
ٹکڑے یاقوت کے شیشوں میں نظر آتے ہیں

غول سے اڑ کے کوئی جانبِ در جا بیٹھا — سب سے اونچا کوئی بالائے شجر جا بیٹھا
کوئی آیا ادھر اور کوئی ادھر جا بیٹھا — شوق میں کوئی قریبِ گلِ تر جا بیٹھا

سب نے اڑ کر کبھی چکر کیا گلزاروں پر
چھپا آئے کبھی باغ کی دیواروں پر

وحید

۳۹. تتلی

خوش نما حسن ترا او تتلی — دلربا تیری ادا او تتلی
جسم چھوٹا سا ہے نازک بازو — رنگ جیسے گلِ رعنا دل جو
صرف صورت تیری کیا پیاری ہے — تیرے اڑنے کی ادا پیاری ہے
جا کے ہر پھول پہ چالاکی سے — تو لپٹ جاتی ہے بےباکی سے
پیار کرتی ہے اسے چوم کے تو — لیتی ہے اس کی غذا جھوم کے تو
دی ہے فطرت نے نزاکت تجھ کو — کہ کسی پھول پہ تو بار نہ ہو

ننھی منھی سی ہی تتلی تری جان — تو خدا جانے ہے بچی کہ جواں
طرفہ خوش رنگ پروں پر جو ہیں خال — ان سے چمکا تری صورت کا جمال
چھوٹے چھوٹے ہیں ستارے روشن — یا پروں پر ہیں ستارے روشن
چمن و گلشن میں ادھر اور ادھر — پھول اڑتے ہوئے آتے ہیں نظر
تیری پرواز مجھے بھاتی ہے — مگر افسوس کہ ہرجائی ہے
گھومتی پھرتی ہے ڈالی ڈالی — جھومتی پھرتی ہے ڈالی ڈالی
باد صرصر کا چلے جب جھونکا — تب ہی دشوار ٹھہرنا تیرا
لوریاں تجھ کو ہوا نے دی ہیں — شوخیاں تجھ سے صبا نے کی ہیں
رنگ کچا ترا پیارا ہے مگر — گل ترے رنگ سے جلتی ہے نظر
دھوپ آنے سے نہ ہو تو مایوس — جب لگے پیاس تو رس پھول کا چوس
بھاگ اڑ بھاگ وہ بچے آئے — ان کے ہاتھوں سے نہ پکڑی جائے
بے سمجھ ہیں نہ تجھے چھوڑیں گے — تجھ کو پائیں گے تو پر توڑیں گے

ہے بہی خواہ ترا اے تتلی
مان محوی کا کہا اے تتلی

محوی لکھنوی

۴۰۔ اڑنے والے پھول

آؤ دکھلائیں اڑنے والے پھول
اس چمن میں ہیں یہ نرالے پھول

کوئی سبز اور کوئی گلابی ہے
آتشی کوئی اور کوئی آبی ہے

کوئی نیلا ہے اور کوئی پیلا
جس کو دیکھو غضب کا رنگیلا

چھڑکی قدرت نے ان پہ افشاں ہے
آنکھ صنعت پہ ان کی حیراں ہے

پتیاں دو ہیں کائنات ان کی
حد سے بڑھ کر مگر صفات ان کی

گھاس پر دیکھو ان کی آرائش
کیسی ہے دلفریب زیبائش

نرم نازک ہرے بھرے تنکے
تکیے جیسے بچھونے ہیں ان کے

دیکھنا تم بڑھا نہ دینا ہاتھ
کہیں ان کو لگا نہ دینا ہاتھ

یاں سے کر جائیں گے ابھی پرواز
ان کی ہستی کا ہوگا افشا راز

شاد ہو کر ہوا میں کھیلیں گے
اس چمن کی فضا میں کھیلیں گے

خوب اٹکھیلیاں کریں گے یہ
ناز سے شوخیاں کریں گے یہ

پھول سمجھے ہوئے تھے ہم جن کو
لوگ کہتے ہیں "تتلیاں" ان کو

مہر حسن امرتسری

۴۱۔ جگنو

جگنو کی روشنی ہے کاشانۂ چمن میں
یا شمع جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں

آیا ہے آسماں سے اڑ کر کوئی ستارہ
یا جان پڑ گئی ہے مہتاب کی کرن میں

یا شب کی سلطنت میں دن کا سفیر آیا
غربت میں آ کے چمکا گمنام تھا وطن میں

تکمہ کوئی گرا ہے مہتاب کی قبا کا
ذرہ ہے یا نمایاں سورج کے پیرہن میں

حسن قدیم کی یہ پوشیدہ اک جھلک تھی
لے آئی جس کو قدرت خلوت سے انجمن میں

چھوٹے سے چاند میں ہے ظلمت بھی روشنی بھی
نکلا کبھی گہن سے آیا کبھی گہن میں

پروانہ اک پتنگا جگنو بھی اک پتنگا
وہ روشنی کا جویا یہ روشنی سراپا

ہر چیز کو جہاں میں قدرت نے دلبری دی
پروانے کو تپش دی جگنو کو روشنی دی

رنگیں نوا بنایا مرغانِ بے نوا کو
گل کو زبان دے کر تعلیم خامشی دی

نظارۂ شفق کی خوبی زوال میں تھی
چمکا کے اس پری کو تھوڑی سی زندگی دی

رنگیں کیا سحر کو بانکی دلہن کی صورت
پہنا کے لال جوڑا شبنم کی آرسی دی

سایہ دیا شجر کو پرواز دی ہوا کو
پانی کو دی روانی موجوں کو بے کلی دی

اک مشتِ گل میں رکھا احساس کا شرارہ
انساں کو آگہی دی ظلمت کو چاندنی دی

یہ امتیاز لیکن اک بات ہے ہماری
جگنو کا دن وہی ہے جو رات ہے ہماری

حسن ازل کی پیدا ہر چیز میں جھلک ہے
انساں میں وہ سخن ہے غنچے میں وہ چٹک ہے

یہ چاند آسماں کا شاعر کا دل ہے گویا
واں چاندنی ہے جو کچھ یاں درد کی کسک ہے

انداز گفتگو نے دھوکے دیئے ہیں ورنہ
نغمہ ہے بوئے بلبل بو پھول کی چہک ہے

کثرت میں ہو گیا ہے وحدت کا راز مخفی
جگنو میں جو چمک ہے وہ پھول میں مہک ہے

یہ اختلاف پھر کیوں ہنگاموں کا محل ہو
ہر شے میں جب کہ پنہاں خاموشیٔ ازل ہو

اقبال

۴۲ ۔ بھونرا

طائر خوش خبر ہے نام مرا
الفت حسن ہے پیام مرا

مری بستی ہے پھول کی خوشبو
غنچہ و گل کی دید کام مرا

وادیٔ کوہ سیر گاہ مری
باغ مسکن ہے صبح و شام مرا

نہیں کس گل سے رسم و راہ مری
باغ مسکن ہی صبح و شام مرا

پھول پھولے نہیں سماتے ہیں
مسکراتے ہیں سن کے نام مرا

جتنے یہ کج کلاہ غنچے ہیں
جھک کے لیتے ہیں سلام مرا

مانتے ہیں صنوبر و شمشاد   سروِ آزاد ہے غلام مرا
بادۂ اُنس کا نشہ ہی مجھے   مئے الفت سے پر ہے جام مرا
حُسن کو ڈھونڈتا ہوں ہر گل میں   ذوقِ دید اس قدر ہے کام مرا

جستجوئے گل است ہستیِ من
ہوشیاری نثارِ مستیِ من

شاہدِ گل کا حسن جاں پرور   کوئی دیکھے گا مجھ سے کیا بڑھ کر
ابھی اس کے جمالِ رعنا تک   نہیں پہونچی نگاہِ ذوقِ نظر
ابھی اس بھینی بھینی خوشبو سے   نہیں مہکا مشامِ بادِ سحر
ابھی اس پیلے پیارے چہرہ کو   نہیں دھویا ہی اُس نے آ آکر
اس کی شہرت کا چار سو پیغام   نہیں لے کر گئی نسیمِ سحر
حال پر عندلیبِ نالاں کے   نہیں کی اس نے مسکرا کے نظر
اس دلاویز حسنِ زیبا کی   نہیں گلچیں کو خواب میں بھی خبر
میں ہوں اس حال میں بھی گل سے قریں   ہیں عنایات اس قدر مجھ پر
ہم نفس ہوں انیس و محرم ہوں   میری الفت میں اس قدر ہے اثر

مجلس آرائے خلوتستم من
بزم پیرائے جلوتستم من

داد گلگشت دے رہا ہوں میں   محو ہر رنگ و ہر ادا ہوں میں

پیار کرتا ہوں جا کے گینے کو　　منہ بنفشے کا چومتا ہوں میں

آنکھ نرگس سے جا لڑاتا ہوں　　مائل چشم فتنہ زا ہوں میں

تک چلا ہنس کے سیوتی میں کبھی　　کبھی چنپا سے جا ملا ہوں میں

کبھی جوہی سے چھیڑ کر بیٹھا　　دل لگی میں کوئی بلا ہوں میں

یاسمن سے ہے میری سرگوشی　　موتیا سے سخن سرا ہوں میں

ہے نسیم سحر سے یارانہ　　رازدار دل صبا ہوں میں

دل دکھاتا نہیں کسی کا بھی　　ابروئے جادۂ صفا ہوں میں

سبق خُذ ما صَفا سے واقف ہوں　　علم دع ما کدر پڑھا ہوں میں

دلم از نور مہر معمور است
سیہ بیگانگی زمن دور است

نیر فلک

۴۳. بھونرے کی بیقراری

نہ وہ کیتکی کی پھبن رہی　　نہ وہ موتیا کی ادا رہی

نہ وہ نسترن نہ سمن رہی　　نہ وہ گل رہے نہ فضا رہی

نہ گلوں کے اب ہیں وہ قہقہے　　نہ وہ بلبلوں کے ہیں چہچہے

نہ غزل سرا وہ کوئی رہے　　نہ وہ قمریوں کی صدا رہی

نہ وہ سرو ہے نہ آب جو — نہ وہ ہم صفیر ہیں خوش گلو
نہ بنفشہ ہے نہ وہ نازبو — نہ وہ جعفری نہ حنا رہی
نہ وہ صبح کی ہیں تجلیاں — نہ شفق کی آہ! وہ جھلکیاں
نہ وہ اودی اودی ہیں بدلیاں — نہ وہ بھینی بھینی ہوا رہی
نہ اُمنگیں ہیں وہ شباب کی — نہ وہ پتیاں ہیں گلاب کی
نہ ہوائیں بوے شراب کی — مجھے مست تھی جو بنا رہی
وہ کنول غضب کے تھے دلربا — جہاں اُلٹے تھے مرے ہم نوا
مگر اب نہ اُن کی ہے وہ ادا — نہ وہ بو رہی نہ صفا رہی
لب آب جو تھی فضا غضب — وہ بہار کی تھی ہوا عجب
مرے کنج میں مجھے روز و شب — مے بیخودی تھی پلا رہی
وہ غضب کی کوکو تھی زمزمہ — وہ سریلی درد بھری صدا
مرے غم میں درد پہ فاختہ — مجھے لوریاں تھی سنا رہی
ہیں کنول کی خشک جو پتیاں — مری خواب گہ تھی کبھی یہاں
یہیں شب کو دے دے کے تھپکیاں — تھی نسیم مجھ کو سلا رہی
یہاں نظمی جوہی کی اک کلی — جو بہار کے نالوں کی گونج تھی
مجھے لگتی جس کی ادا بھلی — مجھے کنج میں تھی بلا رہی
یہاں گل شگفتہ تھے جا بجا — یہیں نغمہ ریز تھا ہنس رہا

یہاں مسکراتی تھی موتیا — یہاں چمپا اداسی دکھا رہی
نہ گلوں میں بو ہے وفا رہی — نہ وہ دل فروز ادا رہی
نہ چمن رہا نہ فضا رہی — نہ وہ دل رہی نہ ہوا رہی
نہ روش ہے اب وہ سپہر کی — نہ گلوں میں بو ہے وہ قہر کی
کہ ہوا ہے گلشن دہر کی — مجھے سبز باغ دکھا رہی

سرور جہاں آبادی

۴۴ ۔ نغمہ

مرے قلب کو زندگی دو جاؤ — حقیقت کی محفل سے پردہ اٹھاؤ
میں قطرہ ہوں مجھ کو سمندر بناؤ — کچھ اس طرح تا دیر نغمہ سناؤ

یوں ہی پیاری چڑیو! ابھی اور گاؤ

مہکتے ہوئے پھول کے پاس جاؤ — لچکتی ہوئی شاخ پہ بیٹھ جاؤ
ہواؤں میں کبھی اُنکے بازو ہلاؤ — کبھی صاف چشموں میں غوطہ لگاؤ

یوں ہی پیاری چڑیو! ابھی اور گاؤ

ٹھمک کر ادھر سے اُدھر دوڑ جاؤ — چہک کر ادھر سے اُدھر پر ہلاؤ
چمک کر کبھی شاخ پہ چہچہاؤ — اچھل کر کبھی نہر پر گنگناؤ

یوں ہی پیاری چڑیو! ابھی اور گاؤ

کبھی برگِ تازہ کو منہ میں دباؤ | کبھی کنج میں بیٹھ کر پھڑپھڑاؤ
کبھی گھاس پر لوٹ کر دل لبھاؤ | کبھی جا کے بیلوں کو جھولا بناؤ

یوں ہی پیاری چڑیو! ابھی اور گاؤ

نہیں جاگتی روح میری جگاؤ | میں غفلت میں ہوں دل پہ چرکا لگاؤ
کوئی سرمدی ساز کی گت بجاؤ | مجھے اپنے نغموں کے معنے بتاؤ

یوں ہی پیاری چڑیو! ابھی اور گاؤ

میں بیتاب ہوں مجھ کو جلوہ دکھاؤ | میں گمراہ ہوں مجھ کو رستہ بتاؤ
نہ جھجکو نہ سمٹو نہ کچھ خوف کھاؤ | مرے پاس آؤ مرے پاس آؤ

یوں ہی پیاری چڑیو! ابھی اور گاؤ

شبیر حسین

۴۵۔ مرغی اور اس کے بچے

شام ہے اور اندھیرے کا وقت | ہے پرندوں کے بسیرے کا وقت
اب ہے پانی کی نہ دانہ کی تلاش | جس کو دیکھو ہے ٹھکانے کی تلاش
رات پھر جب کہ گذر جائے گی | اور اُجالے کی گھڑی آئے گی
سنیو تم اُٹھ کے سویرے ہی ذرا | یہ جو ہے گھر میں تمہارے مرغا
پھڑپھڑاتا ہے پر و بال کو کیا | جھاڑ دیتا ہے وہ سستی گویا

اور سمجھتا ہے کہ میں بھی کچھ ہوں | چیختا زور سے ہے ٹکڑوں کاٹن

دن نکلتے ہی ادھر مرغی بھی | فوج بچوں کی لئے نکلے گی
تاکہ وہ صبح کا کھائیں کھانا | رات بھر کے ہیں بے آب و دانہ
چونچ سے دیگی وہ منہ میں ان کی | جو پڑے پائے گی دانے ڈنکے
ٹکڑے روٹی کے ہوں یا ہو دلنہ | ہے غذا اُن کی یہی روزانہ

مینہ برستا ہے تو بچے سارے | آ دبکتے ہیں پروں میں سارے
چین سے اُن میں چھپے رہتے ہیں | ماں کی چھاتی سے لگے رہتے ہیں
مرغی جس طرح کہ ان بچوں کی | کرتی ہے شام و سحر رکھوالی
بس اسی طرح سمجھ لو کہ خدا | ہے ہماری بھی حفاظت کرتا

حالی

۴۶۔ تلاش محبت

(ایک بلی کے بچے کو دیکھ کر)

اس قدر بے چین کیوں پھرتی ہے اے ننھی سی جان | شور سے سر پر اُٹھا رکھا ہے کیوں سارا مکاں
دودھ پینے کے لئے بھوک نے تجھ کو ستایا ہے اگر | وہ دھرا ہے دودھ چھوٹی سی پیالی میں ادھر

دودھ بھی پیتی نہیں تو اے خیر لے تیرے لئے — گوشت تھوڑا سا منگا رکھا ہی ہے بازار سے

گوشت کو بھی تو نہیں چھوتی ؟ تو کوئی کیا کرے ؟ — ہاں اِستایا ہے کہیں سردی کی شدت نے تجھے

آ زمانے میں تجھے اپنی بٹھا لیتا ہوں میں — آ تجھے سردی کے حملے سے بچا لیتا ہوں میں

پر یہ اس پر بیٹھ کر تجھ کو کہاں آرام ہے — تلملانے سے تڑپنے سے یہاں ہی کام ہے

بیٹھ کر گھٹنے پہ غرغر کرنے لگتی ہے کبھی — سر کو میرے پاؤں سے تو دھرنے لگتی ہے کبھی

پیار کرتا ہوں تو اس پر بھی نہیں تجھ کو قرار — ناشکیبائی ہی تیری حرکتوں سے آشکار

کس قدر الفت ٹپکتی ہے نگاہوں سے تری — ہائے کیا حسرت ٹپکتی ہی نگاہوں سے تری

ہائے لے نادان اب سمجھا میں تیرا مدعا — تو تلاشِ مہر و الفت میں ہے آشفتہ زیبا

ڈھونڈتی پھرتی ہے ہاں وہ گوہرِ نایاب تو — جس کی ہے انساں کو ہمیشہ سے ناحق جستجو

نیرنگ

۴۷۔ گھوڑا

جولانیِ سمند سے بجلی تھی شرمسار — ہر دم تھی جست و خیز طرارے تھے بار بار

تنگی سے وحشتِ ظلم کے دل تھا جو بیقرار — گھبرا کے چاہتا تھا کہ ہو آسماں کے پار

جاتا عدم میں اُڑ کے حدِ کائنات سے

لیکن نہ زور چلتا تھا قیدِ حیات سے

گذرے چمن میں گر یہ سبک سیر راہوار — شبنم کی طرح صحن میں سبزے پہ ہو نہ بار

سمجھے صبا کہ راز ہے گلشن کا آشکار   بلبل کہے کہ از سر نو آگئی بہار
ہر گل کو ہو یقین کہ چمن کی نسیم ہے
دھوکا نسیم کو ہو کہ گل کی شمیم ہے

انیس

۴۸۔ گھوڑا

(۱) زور آور و قوی و توانا و سر بلند   نازک مزاج و خود سر و طناز و دلپسند
بانکی کنوتیاں تھیں تھنادر تھے جوڑ بند   سیرت میں شیر نر تھا تو صورت میں تھا سمند
بُو تھا ہوا تھا۔ باد بہاری شمیم تھا   صرصر تھا دوڑ میں تو قدم میں نسیم تھا

(۲) منزل تمام کرتا تھا یکدم میں راہوار   چلنے کا عزم کرتے ہی ہوتا تھا وہ فرار
کودا تو پہنچا قلعہ کی چوٹی پہ ایک بار   جاتا تھا آسماں پہ۔ اگر ہو کوئی سوار
دریا بھی پیچھے رہتا تھا اس کی روانی میں   جوہر دکھائی دیتے تھے گھوڑے کے پانی میں

(۳) کبک دری نثار تھا گھوڑے کی چال پر   اڑکر اسی نے ماری تھی ٹھوکر ہلال پر
ریشم کے لچھے صدقے ہوئے بال بال پر   سلک گہر نثار تھی اس کی ایال پر
سُم اس فرس کا تخت سلیماں کا پایہ تھا   خورشید اس کے پیکر زیبا کا سایہ تھا

(۴) سرعت میں برق و باد کا منہ اس نے موڑا تھا   جنبش لبوں کی اس کے لئے ایک کوڑا تھا
نادر تھا لاجواب تھا نایاب گھوڑا تھا   یکتا تھا پر غزال ختن کا وہ جوڑا تھا

اس کو قدم میں کوئی پرندہ نہ پاتا تھا
سرعت میں وہ خیال سی بھی آگے جاتا تھا
پھرتا تھا ایک آن میں شہر و دیار وہ (۵)
طائر کی طرح کرتا تھا طے کوہسار وہ
پانی میں کاٹتا تھا سمندر کی دھار وہ
ایک ہی زقن میں جاتا تھا دریا کے پار وہ
کاوے میں گھوم کر ادھر آیا اُدھر گیا
دوڑا تو پھر نہ آیا نظر وہ کدھر گیا

گوپال جی سہائے

۴۹۔ شیرنی اور اُس کے بچے

بچوں کے آنے آنے کے جب غل ہوئے کروڑ
وہ شیرنی بھی تکنے لگی اپنے منہ کو موڑ
جب لا کے اُس کے سامنے بچے دیئے وہ چھوڑ
یوں خوش ہو چاٹنے لگی الفت کی کر جھنجوڑ
انسان جیسے کرتا ہے بچوں کو اپنے پیار
بچے بھی دوڑ ماں کے گلے سے لپٹ گئے
یوں جیسے کوئی دور کا بچھڑا ہوا ملے
چھاتی پہ لوٹ لوٹ کے جا دودھ پی لگے
اس شیرنی کے جیسے کلیجے میں داغ تھے
ویسے ہی اس کے منہ پہ خوشی کی ہوئی بہار

نظیر

۵۰۔ ہاتھی کی تعریف

شان و شکوہ تیرے ہاتھی کا کیا کہوں میں — چرخی بجا ہے اس کی گر چرخ آسماں ہو
ہے سربلند اتنا یہ بھی عجب نہیں ہے — آنکس پہ ماہ نو کے گر دست پیلباں ہوں
مستک پہ رنگ اس کے جس طرح جلوہ گر ہے — گو سانجھ لاکھ پھولے پر لطف یہ کہاں ہو
اس قد و قامت اوپر یہ حسن ہے کہ اس کی — زنجیر پا بجا ہے گر زلف مہوشاں ہو
پائل نجھول سا یہ کیا کہوں میں اس کی — اصلا کہیں جو اس میں شوخی کا کچھ نشاں ہو
کجباک تک مہاوت چھیڑے تو یوں چلے ہے — عاشق کے وصل کی شب جس طرح سے رواں ہو
ہاتھی میں یہ چلاوہ کب ہے سوائے اس کے — تشبیہ یاب جس سے رفتار خوش قداں ہو
جس وقت تھان پر سے کھولے اسے مہاوت — ہمت سے تیری اس کو خطرہ یہ ہر زماں ہو

دیویں گے بخشش مجھ کو ناحق کہیں صلے میں
یا رب حضور جاؤں تو دل نہ ہیچ خواں ہو

سودا

۵۱۔ یاد طفلی

کدھر گیا آہ میرا بچپن۔ نجات تھی جب غم جہاں سے
نہ دل تھا حسرت کش تمنا نہ تھی زباں آشنا فغاں سے

کہاں گئی وہ بہار۔ کدھر گئے وہ نشاط کے دن
گلاب سا آہ! میرا چہرہ۔ نہ زرد تھا جب غم خزاں سے

کبھی تھا کوئل کا ہم نوا میں کبھی تھا میں ہم سرو و قمری
چمن میں کرتا تھا چہچہے سیر گل میں جا کے مرغانِ نغمہ خواں سے

میں دل میں خوش تھا کہ گا رہی ہے مری محبت کا یہ ترانہ
کھلا نہ تھا رازِ عشقِ گل کا جو مجھ کو بلبل کی داستاں سے

بہت دنوں مصبقر تیرا رہا ہوں بچپن کی صحبتوں میں
ہزار نغمہ سنا کیا ہوں میں او پپیہے تری زباں سے

بہا ہیں کاغذ کی میں نے ناویں بہت لب جو بنا بنا کے
برس گئی کوئی ٹھنڈی ٹھنڈی جھڑی جو ساون کی آسماں سے

کبھی شگوفوں کو چومتا تھا کبھی تھا کلیوں کو پیار کرتا
نثار میں بھی تھا آہ! ملبس ادائے گل پر ہزار جاں سے

کبھی تمنا کہ چاند کو میں گھر اپنے لاؤں بنا کے ہالہ
کبھی یہ حسرت کہ توڑ لاؤں میں جا کے تاروں کو آسماں سے

وہ شوق افزا عجب تھیں راتیں ہیں جب چمکتا تھا تو ٹوٹنے کو
اگرچہ اونچے بہت ستارے تھے دسترس بازوئے ناتواں کو

کبھی جو آئینہ میں یکایک نظر پڑی مجھ کو اپنی صورت
رہا ہوں پہروں میں محو حیرت کہ پیاری شکل آ گئی یہ کہاں سے

لبوں پہ بچپن کی کیا نہ آئے گی اب وہ معصوم مسکراہٹ
ادھورے الفاظ اے جوانی! وہ کیا نہ نکلیں گے اب زباں سے

نسیم وینے کو مجھ کو لوری نہ شام فرقت میں آئے گی کیا
جگر کے ٹکڑے اڑیں گے کب تک ہوا میں آہ شرر فشاں سے

تبھی کی تیر نظر کا بسمل نہ تھا ذخ شار روزگار طفلی
نہ لاگ شہ رگ کو نیشتر سے نہ چھیڑ پہلو کو تھی سناں سے

نہ دل کو فکر معاش کا غم نہ مرگ احباب کا تھا ماتم
لہو کے آنسو نہ آہ راتوں کو تھے رواں چشم خوں فشاں سے

نہ تھی گرانباری مشاغل نہ تھی یہ پابندی علائق
اسیر زنجیر غم نہ تھا میں نجات تھی شورش جہاں سے

مرا ہنڈولا تھا عرش اعظم مرے کھلونے تھے چاند سورج
اتار لاتا تھا جا کے تارے زمیں پہ راتوں کو آسماں سے

مرا گھروندا تھا گھر کا آنگن اسی میں مہماں تھا میرا بچپن
تجھے بلایا تھا کس نے ظالم شباب تو آ گیا کہاں سے

رہے جو تو اے شباب مہاں بایں غم و رنج و یاس و حرماں
نہیں ہے یہ بھی بجا مجھے تو توقع طلسم نیرنگ آسماں سے
ابھی ہے تیر افشار باقی۔ ابھی بڑھاپا ہے آنے والا
فلک کو لینا ابھی ہے بدلے بہت سی اک جزو ناتواں سی
ہزار جھگڑے ہیں زندگی کے ہزار دنیا کے ہیں بکھیڑے
سرور صدمے اٹھیں تو کیوں کر اٹھیں یہ اک مشت استخواں سی

سرور جہان آبادی

۵۲۔ شوخ چنچل

نظر آیا مجھے اک شوخ ایسا نازنیں چنچل
کہ حسن کی دیکھ کر سج دھج مرا دل ہو گیا پاگل
ادا بھی چلبلی اور آن میں بھی کچھ عجب چلبل
فسونگر انکھڑیاں ظالم کی اور جس پر لگا کاجل
کبھی نظریں لڑائے اور کبھی منہ پر لیے آنچل
پڑا در کان میں جھمکے گلے میں سج رہی ہیکل
نگارے گلعذارے نوجوانے نازنینے
دلارامے پری شکلے تبے شوخے دلارامے

نظیر

۵۲۔ پیاری بچی

سیدہ کیسی پیاری بچی ہے — صورت اچھی، سمجھ لو اچھی ہے
ذرا دیکھو تو اس کی صورت کو — بچی چینی کی جیسی مورت ہو
ہے ابھی دو برس کی خیر سے جاں — پر سب اچھے بُرے کی ہے پہچاں
ماں نے جو کچھ اُسے سکھایا ہے — جو ادب قاعدہ بتایا ہے
وہ سبق سارے اس کو ہیں ازبر — نقش ایک ایک بات ہے دل پر
ہے ادب سے بڑوں کا لیتی نام — سب کو کرتی ہے ہاتھ اُٹھا کے سلام
پھر ادب سے وہیں سلام کے ساتھ — پوچھتی ہے مزاج جوڑ کے ہاتھ
جھوٹ موٹ اس کو گر ڈراتے ہیں — بات ڈر کی کوئی سناتے ہیں
بچے پن سے یقین نہیں کرتی — دیر تک ہے "نہیں نہیں" کرتی
وہ کسی بات پر مچلتی نہیں — اپنی عادت کبھی بدلتی نہیں
ایک بیماری سے تو ہے لاچار — ورنہ روتی نہیں کبھی زنہار
ایسی کم عمر، بے سمجھ ہو کر — دودھ بھی مانگتی نہیں رو کر
بے پیے دودھ جب نہیں سرتی — ہے وہ ماں کی خوشامدیں کرتی
کبھی کہتی ہے پیار سے "اماں" — اور کبھی ڈالتی ہے گل بیاں
کوٹ کوٹ اس میں ہے بھری عزت — اُس کو کوئی کھٹک دے کیا طاقت

ماں نے بھولوں کبھی جو گھور دیا — اس نے بیچ ہی وہیں بسور دیا
ماں کی خفگی سے ہے بہت ڈرتی — اُس کے تیور سے دیکھتی رہتی
جب ذرا دیکھتی ہے چپ ماں کو — بار بار اُس کو کہتی ہے "بو بو"
ماں یہ سن کر اگر ذرا ہنس دی — پھر کوئی دیکھے اُس کی آکے خوشی
ہنستی ہے اور کھلکھلاتی ہے — بچی پھولی نہیں سماتی ہے
چاہنے والے اُس کے ہیں جو جو — خوب پہچانتی ہے اک اک کو
پھوپھیوں سے تو ہے لگاؤ بہت — گھر کا خالاؤں کے ہے چاؤ بہت
ہے چچاؤں کے نام کی عاشق — اُن کے کلمہ کلام کی عاشق
غور سے اُن کا پڑھنا سنتی ہے — اور سن سن کے سر کو دھنتی ہے
ختم ہو چکتے ہیں جب اُن کے بول — کہتی ہے بار بار "آبّا اوُل"
آرزو تو بہت ہے بولنے کی — پر نہیں اٹھتی ہے زبان ابھی
یوں تو تھا جب ہی پیاری اُس کی زبان — جب کہ کرنے لگی تھی وہ غوں غاں
پھر تو آتا ہی اُس پہ اور بھی پیار — ہوتی جاتی ہے جس قدر ہوشیار
نہیں منہ سے نکلتے پورے بول — بولتی ہے سدا ادھورے بول
لوٹ جاتے ہیں سنتے ہنستے سب — زرگری اپنی بولتی ہے جب
نئے آتے ہیں گھر میں جب مہماں — دیکھ دیکھ اُن کو ہوتی ہے خنداں
پا کے بیٹھا اِدھر اُدھر سب کو — دیکھتی ہے منہ منہ سب کو

اُوپری شکل سے ہے گھبراتی ہے مگر جلد سب سے ہل جاتی
ہیں جہاں جائے بھائی اور بہن یوں تو ہے سب کی اُسکے طالب نگن
پر خدا بھائی سے ہی لاگ اِس کو کیوں کہ اوپر تلے کے ہیں دونوں
پس جہاں بھائی ماں کی پاس آیا اور وہیں اُس نے ہاتھ پھیلایا
جا لپٹتی ہے دوڑ کے ماں سے بھائی سے کہتی ہے "ہٹو یاں سے"
عمر اُس کی خدا دراز کرے علم سے اس کو سرفراز کرے

جنھیں ماں باپ کی سلامتی ہیں
سارے پروان ۔ بھائی اور بہنیں

حالی ۔

۵۴ ۔ پدمنی

عندلیبوں کو ملی آہ و بکا کی تعلیم اور پروانوں کو دی سوز وفا کی تعلیم
جب ہر ایک چیز کو قدرت نے عطا کی تعلیم آئی حصے میں ترے ذوق فنا کی تعلیم

نرم و نازک تجھے اعضا دئے جلنے کے لئے
دل دیا آگ کے شعلوں پہ پگھلنے کے لئے

رنگ تصویر کے پردہ میں جو چمکا تیرا خود بخود لوٹ گیا جلوۂ رعنا تیرا
ڈھال کر کالبد نور میں پتلا تیرا ید قدرت نے بنایا جو سراپا تیرا

بھر دیا کوٹ کے سوزِ غمِ شوہر دل میں
رکھ دیا چیر کے اِک شعلۂ مضطر دل میں

تو وہ تھی شمع کہ پروانہ بنایا تجھ کو — تو وہ لیلیٰ تھی کہ دیوانہ بنایا تجھ کو
رونقِ خلوتِ شاہانہ بنایا تجھ کو — نازشِ ہمتِ مردانہ بنایا تجھ کو

ناز آیا ترے حصّے میں۔ ادا بھی آئی
جاں فروشی بھی محبت بھی وفا بھی آئی

آئی دنیا میں جو تو حسن میں یکتا بن کر — چمنِ دہر میں پھولی گلِ رعنا بن کر
رہی ماں باپ کی آنکھوں کا جو تارا بن کر — دلِ شوہر میں رہی خالِ سویدا بن کر

حسنِ خدمت سے شگفتہ دلِ شوہر رکھا
کہ قدم جادۂ طاعت سے نہ باہر رکھا

تیری فطرت میں مروت بھی تھی غمخواری بھی — تیری صورت میں ادا بھی تھی طرحداری بھی
جلوۂ حسن میں شامل تھی نکوکاری بھی — درد آیا ترے حصّے میں تو خودداری بھی

آگ پر بھی نہ تجھے آہ! مچلتے دیکھا
تپشِ حسن کو پہلو نہ بدلتے دیکھا

تو وہ عصمت کی تھی او آئینہ سیما تصویر — حسنِ سیرت سے تھی تیری مجلّا تصویر
لاکھ تصویروں سے تھی اک تُو ہی زیبا تصویر — تجھ کو قدرت نے بنایا تھا سراپا تصویر

نور ہی نور ترے جلوۂ مستور میں تھا
انجمِ ناز کا جھرمٹ رخِ پُر نور میں تھا

لب میں اعجاز جیا چشم فسوں ساز میں تھی
کہ قیامت کی ادا تیرے ہر انداز میں تھی
شکل پھرتی جو تری دیدۂ غماز میں تھی
برقِ بیتاب تری جلوہ گہ ناز میں تھی

یہ وہ بجلی تھی قیامت کی تڑپ تھی جس میں
شعلۂ ناز عقوبت کی تڑپ تھی جس میں

یہ وہ بجلی تھی جو تیغِ شرر افشاں ہو کر
کوندا اُٹھی قلعۂ چتوڑ میں جولاں ہو کر
یہ وہ بجلی تھی جو سوزِ غمِ حرماں ہو کر
خاک سے لوٹ گئی تیری پشیماں ہو کر

یہ وہ بجلی تھی تجھے جس کے اثر نے پھونکا
رفتہ رفتہ تپشِ سوزِ جگر نے پھونکا

آہ! او عشوہ و انداز و ادا کی دیوی
آہ! او ہند کے ناموسِ وفا کی دیوی
آہ! او پرتوِ انوار صفا کی دیوی
اور زیارت کدۂ شرم و حیا کی دیوی

تیری تقدیس کا قائل ہے زمانہ ابتک
تیری عفت کا زباں پر ہے فسانہ ابتک

آفریں ہے تری جاں بازی ہمت کیلئے
آفریں ہے تری عفت، تری عصمت کیلئے
کیا مٹائے گا زمانہ تری شہرت کیلئے
کہ چلی آتی ہے اک خلق زیارت کیلئے

نقش اب تک تری عظمت کا ہے بیٹھا دل میں
تو وہ دیوی ہے ترا لگتا ہے میلا دل میں

سرور جہان آبادی

۵۵۔ خوشی کی پری

فجر ہوتے جو گئی آج مری آنکھ جھپک
دی رو ہیں آ کے خوشی نے در دل پر دستک

پوچھا میں کون ہے، بولی کہ وہ میں ہوں غافل
نہ لگے شوق میں جس کے کبھو مشتاق کی پلک

ہے پری نام مرا میں ہوں عزیز دلہا
زندگانی کی حلاوت ہے جہاں میں مجھ تک

کھول آغوش دل اور لے مجھے جلدی ناداں
پھر خدا جانے یہ دن کب تجھے دکھلائے فلک

آنکھیں مل کر کے جو دیکھوں تو ہے اک بادل پوش
سر سے لے غرق جواہر میں ہے وہ پاؤں تک

زلفیں یوں بکھری ہوئی چہرہ پہ لٹکیں تھیں یہ دل
جس طرح ایک کھلونے پہ ہیں بیٹھیں دو بالک

حسن سے کان کے آویزے میں یہ لطف کہ جو با
مستعد قطرۂ شبنم کہ پڑے گل سے ٹپک

مسی آلودہ لب، انگارے تھے تہ خاکستر
کہ ہوا سے وہ سخن کہنے کی جاتے تھے دہک

سلک گوہر نے صفا وام لی ان دانتوں سے
برق بدریزہ کرے موج تبسم کی چمک

قامت ایسا ہے کہ ہنگام خرام اس کے اگر
آگے آ جائے قیامت تو یہ بولے کہ سرک

ناگہاں شوخ نے مجھ سے یہ کہا اے سودا
اب تجھے شیشہ سے اندوہ کا پھوڑے ٹپک

یہ کوئی طرز ہے رہنے کا زمیں پر ناداں
یہ کوئی طور ہے جینے کا ترے زیر فلک

نہ کبھی گھر میں ترے ناچ ہیں ہوتے دیکھا
نہ ترے صحن پہ سنی آکے کبھی ونج کی گمک

آج وہ دن ہے کہ جس گھر بیچ دیکھو اس میں
کہیں ہوتی ہے بھگت اور کہیں ہے ناٹک

یاں تلک شیخ برہمن ہیں طرب کے مصروف
دیر میں بجتی ہے مردنگ حرم میں ڈھولک

سن کے میں نے یہ کہا اس سے کہ اے مایۂ ناز
خیر ہے بات سمجھ کر تو کہ اتنا نہ بہک

ہے سبب کیونکہ میں اندوہ کی الفت چھوڑوں
کس طرح دوستیٔ غم کروں دل سے منفک

کر کے دریافت یہ مجھ سے کہا اس نے کہ مگر
سمع میں تیرے یہ مژدہ نہیں پہونچا ابتک

آج اس شخص کی ہے سالگرہ کی شادی
کہ بصورت ہے وہ انسان بسیرت ہی ملک

سودا

۵۶۔ مہ لقا

دیکھی پھر اس میں اک ستم ایجاد مہ لقا
اوپر نظر گئی جو مری سر سے تا بپا

صورت وہ قہر چاند کا ٹکڑا سا بے بہا
اور حسن کا بیان تو جاتا نہیں کہا

نقشہ وہ جس کے پاؤں پہ لوٹے پری پری

خونریز ابرو جان کی قاتل ہر اک نگاہ
مژگاں وہ برچھیوں کو لئے تل رہی سیاہ

مہندی سے انگلیوں نے کئے خون بیگناہ
آنکھوں میں کھنچ رہا تھا وہ کاجل غضب سیاہ

پڑ جائے جس سے دل میں فرشتوں کے ہڑبڑی

زلفیں وہ مشک ناب سی چہرہ وہ چاند سا جگنو رہا گلے میں ستارہ سا جگمگا
گہنے کا وصف یا کہ بدن کی کہوں صفا جاتا تھا سرخ جوڑے میں تن یوں جھمک دکھا
گویا شفق میں آن کے بجلی چمک پڑی

کیا کیا کہوں میں شوخ کے عالم بناؤ کا تصویر بن رہی تھی لٹا سر سے تا بہ پا
اس دم بندھی تھی اس کی غضب آن کو ہوا کافر کھڑی ہوئی تھی عجب چھب سی بن بنا
اک ہاتھ میں لے آئینہ اک ہاتھ میں چھڑی

نظیر

۵۷۔ موتی

رہے ہیں اب تو پاس اُس شوخ کے شام و سحر موتی
جبیں پہ موتی اور بیسر میں موتی مانگ پر موتی
ادھر جگنو ادھر کچھ بالیوں میں جلوہ گر موتی
بھرے ہیں اس پری میں یارو اب تو سر بسر موتی
گلے میں کان میں نتھ میں جدھر دیکھو ادھر موتی

کوئی اس چاند سے ماتھے کے ٹیکے میں اچھلتا ہے
کوئی بندوں سے مل کر کان کی نرموں میں ہلتا ہے

پست کردھانگی میں کوئی سینہ پر مچلتا ہے
کوئی جھکوں میں جھولے پہ کوئی بالی میں ہلتا ہے
یہ کچھ لذت ہے جب اپنا چھداتے ہیں جگر موتی

کبھی وہ ناز میں ہنس کر جو کچھ باتیں بناتی ہے
تو اک اک بات میں موتی کو پانی میں بہاتی ہے
اداؤ ناز میں چنچل عجب عالم دکھاتی ہے
وہ سمرن موتیوں کی انگلیوں پر جب پھراتی ہے
تو صدقے اس کے ہوتے ہیں ترے ہر لڑیہ ہر موتی

غلط ہے اس لب رنگیں کو برگ گل سے کیا نسبت
کہ جن کی ہے عقیق اور پنے اور یاقوت کو حسرت
اداہٹ کچھ مسی کی اور کچھ اس پر پان کی رنگت
وہ ہنستی ہے تو کھلتا ہے جو اہر خانۂ قدرت
ادھر لعل اور ادھر نیلم ادھر مرجاں ادھر موتی

کبھی جو بال بال اپنے میں وہ موتی پروتی ہے
نزاکت سے عرق کی بوند بھی گھڑے کو دھوتی ہے
بدن بھی موتی سفر نا پاؤں سے پہنے بھی موتی ہے
سراپا موتیوں کا پھر تو اک گچھا وہ ہوتی ہے

کہ کچھ وہ خشک موتی کچھ پسینے کے وہ تر موتی

گلے میں اس کے جس دم موتیوں کے ہار رہتے ہیں
چمن کے گل سب اس کے وصف میں موتی پروتے ہیں
نہ تنہا رشک سے قطراتِ شبنم دل میں روتے ہیں
فلک پر دیکھ کر تارے بھی اپنا ہوش کھوتے ہیں
پہن کر جس گھڑی بیٹھے ہے وہ رشکِ قمر موتی

وہ زیور موتیوں کا واہ اور کچھ تن وہ موتی سا
پھر اس پر موتیا کے ہار بازوبند اور گجرا
سراپا زیب و زینت میں وہ عالم دیکھ کر اس کا
جو کہتا ہوں ارے ظالم ٹک اپنا نام تو بتلا
تو ہنس کر مجھ سے یوں کہتی ہے وہ جادو نظر موتی

کنٹھے پازیب توڑے جس گھڑی آپس میں لڑتے ہیں
تو بہ جھنکار میں کس کس طرح باہم جھگڑتے ہیں
کسی دل سے بگڑتے ہیں کسی کے جی پہ اڑتے ہیں
کڑے سونے کے کیا موتی بھی اس کے پاؤں پڑتے ہیں
اگر باور نہیں دیکھو جی اس کی کفش پر موتی

خفا ہو اِن دنوں کچھ روٹھ بیٹھی ہے جو ہم سے وُو
تو اس کے غم میں جو ہم پر گذرتا ہے سو مت پوچھو
چلے آتے ہیں آنسو دل پڑا ہے ہجر میں غش ہو
وہ دریا موتیوں کا ہم سے روٹھا ہو تو پھر یارو
بھلا کیوں کر نہ برساوے ہماری چشم تر موتی

شفق میں اتفاقاً جیسے سورج ڈوب کر نکلے
و یا ابرِ گلابی میں کہیں بجلی چمک جائے
بیاں ہو کس طرح سے آہ اس عالم کو کیسا کہئے
تبسم کی جھلک میں یوں چمک جاتے ہیں دانت اُس کے
کسی کے یک بیک جس طور جاتے ہیں بکھر موتی

ہمیں کیوں کر پریزادوں سے بوسوں کے نہ ہوں لہنے
جڑاؤ موتیوں کے اس غزل پر وارے گہنے
سخن کی کچھ جو اس کے دل میں ہے الفت لگی سہنے
نظیر اس ریختہ کو سُن وہ ہنس کر یوں لگی کہنے
اگر ہوتے تو میں دیتی تجھے اک تھال بھر موتی

نظیرؔ

۵۸۔ ادھر آ تو پھول والے

یہ صدا کسی کی سن کر کہ یہ ہار بیچ ڈالے
وہ کھڑے پکارتے ہیں ادھر آ تو پھول والے

وہ زمانہ کمسنی کا وہ بناؤ سادگی کا
کہ پڑے ہیں کانوں میں بھی ابھی سلونے بالے

وہ رنگ ارغوانی وہ اٹھان پہ جوانی
وہ شریر چتونیں ہیں کہ ہیں جی کے لالے

وہ ادا ادا میں مستی وہ حیا حیا میں شوخی
وہ نظر نظر میں جادو جو چاہے سو جگا لے

وہ متانت اور تمکیں وہ لب ان کے کتنے شیریں
مژہ میں بال آئے جو بل ابروؤں میں ڈالے

وہ مژہ کے تیر آفت وہ نگاہیں اک قیامت
جو لوٹ لے وہ نئی ہی جو چلن ہیں وہ نرالے

مجھے کس نہ دیں پریشاں کہیں گھر سے بکھری ہوتی
مرے دل کے ہوں نہ گاہک کرے دل لبھانے والے

یہی راز دار دل ہیں یہی پردہ دار دل ہیں
جنہیں چلمنوں سے دیکھا ابھی ہم نے سر نکالے

نہ تو شوق دلربائی نہ تو ذوق خود نمائی
کشش ایسی حسن کی ہے کہ کھچی ہیں کھینچنے والے

کوئی شیخ مبتلا ہے کوئی برہمن فدا ہے
کوئی کھینچتا ہی آہیں کوئی کر رہا ہے نالے

تری شوخیوں کے صدقے تری اس ادا کے قرباں
کہ تڑپ تڑپ گئے ہیں جو بھی سن کے سننے والے

مرے دل کو ہے یہ حسرت کہ وہ مست ناز الفت
پھر اسی ادا سے کہہ دے ادھر آ تو پھول والے

صفدر۔ مرزاپوری

۵۹۔ شریف بیبیاں

اے ماؤ! بہنو! بیٹیو! دنیا کی زینت تم سے ہے
ملکوں کی بستی ہو تمہیں قوموں کی عزت تم سے ہے

تم گھر کی ہو شہزادیاں شہروں کی ہو آبادیاں
غمگیں دلوں کی شادیاں دکھ سکھ میں راحت تم سے ہے

تم ہو تو غربت ہے وطن تم بن ہے ویرانہ چمن
ہو دیس یا پردیس۔ جینے کی حلاوت تم سے ہے

نیکی کی تم تصویر ہو۔ عفت کی تم تدبیر ہو
ہو دین کی تم پاسباں! ایماں سلامت تم سے ہے

فطرت تمہاری ہے حیا۔ طینت میں ہے مہر و وفا
گھٹی میں ہے صبر و رضا۔ انسان عبارت تم سے ہے

مردوں میں ست والے تھے جو سب بیٹھے اپنا کیا کھو
دنیا میں اے ستونتیو۔ لے دے کی اب ست تم سے ہے

مونس ہو خاوندوں کی تم غمخوار فرزندوں کی تم
تم بن ہے گھر ویران سب گھر بھر میں برکت تم سے ہے

تم آس ہو بیمار کی۔ ڈھارس ہو تم بیکار کی
دولت ہو تم نادار کی عسرت میں عشرت تم سے ہے

آئی ہو اکثر بے طلب۔ دنیا میں جب آئی ہو تم
پر موہنی سی اپنے یہاں گھر بھر پہ چھا جاتی ہو تم

حالی

۶۰۔ غریب ماں

یہ کھلاتے ہو جو تم ہر روز روٹی
بتاؤ کیونکہ ہے تیار روٹی؟

اگر آٹے کی چکی ہے تو آٹا
بتاؤ ہے کہاں سے روز آتا

تمہارا باپ ہے جو کچھ کماتا
اناج اُس کا ہی وہ ہی مول لاتا

تمہاری ماں کو دیتا ہے لاکر
وہ اُن کو چن پھٹک کر اور بنا کر

خود اپنے ہاتھ سے ہے پیس لیتی
لگا رکھی ہے اُس نے گھر میں چکی

اُسی چکی کا پیسا تھا وہ آٹا
چڑھے پروان ہو تم جس کو کھا کھا

وہ بیچاری ہمیشہ صبح ہوتے
کہ جب تم بے خبر ہوتے ہو سوتے

جھٹ آٹا پیسنے جا بیٹھتی ہے
عجب بندی خدا کی محنتی ہے

وہ ہے اس ہاتھ سے چکی چلاتی
اور اُس سے گیہوں ڈالے جاتی

جب اس کا ہاتھ تھک جاتا ہے دایاں
بدل لیتی ہے تب وہ ہاتھ بایاں

کبھی گھبرا کے دل ہی دل میں اپنے
خدا کا نام وہ لگتی ہے جپنے

کبھی دل کو خدا سے لو لگا کر
تسلی دیتی ہے وہ گیت گا کر

جب آٹا پیس چکتی ہے تو گویا
سمجھتی ہے بڑا گڑھ میں نے جیتا

پھر آٹا چھان کر بھوسی جدا کر
اُسے بھرتی ہے مٹکے میں اٹھا کر

پکانے کا جو نہیں وقت اس کا آیا
سنبھالا اُس نے جھٹ آٹے کا کونڈا

لگی پھر گوندنے آٹا جھپا جھپ
اور اس میں مارنے مکی شپاشپ

وہ یوں آٹے کو ہے دے دے پٹختی
کہ گویا لڑ رہی ہے اس سے کشتی

جب آٹا گوندھ چکتی ہے تو لے کر
توا دیتی ہے رکھ چولہے کے اوپر

بناتی ہے گندھے آٹے کے پیڑے
کہ ہو جس طرح سے جلدی نبیڑے

وہ جب جب پھر پکاتی ہے روٹی — چپاتی خواہ پتلی۔ خواہ موٹی

ذرا دیکھو تو کوئی اُس کی پھرتی — تو ہے پردم میں ڈالی اور اُلٹی

پکا کر۔ ریندھ کر۔ کھا کر کھلا کر — ہوئے چھوٹے جو باسن دھو جلا کر

لیا کچھ اور گھر کا کام دھندا — یہی ہے اُس کا صبح و شام دھندا

وہ کرتی رہتی ہے تم سب کی خدمت — نہیں ملتی اُسے مرنے کی فرصت

یہی رہتا ہے دن رات اُس کو رونا — پکانا۔ ریندھنا۔ سینا پرونا

کُرندھی رہتی ہے تم بچوں میں دن رات — کرے بھی تو کسی سے کیا کرے بات

نہ بھلے کا اس کو اور بُرے کا — نہ بہتر پہننے اور اوڑھنے کا

کہیں پڑ رہنا فارغ جب کہ ہونا — کوئی سونے میں مخل ہے یہ سونا

ڈھلا دن اور چڑھا سر کھانے کا فکر — تمہارے باپ کے گھر آنے کا فکر

سویرے کو وہ نکلا نکلا گھر سے — پھر آئیگا شام کو جب کام پر سے

تو اُس کو دیکھتے ہی آپ سے آپ — بڑے اور چھوٹے ہو جائینگے چپ چاپ

قدم رکھے گا جونہیں گھر کے اندر — سنبھل بیٹھو گے تم سب اس کے ڈر کر

اور اپنا چھوڑ کر پھر سوئی تاگا — لگے گی لینے اُس کا آگا تاگا

وہ سستانے نہیں پاتا کہ لا کے — بچھا دیتی ہے دسترخوان آگے

گھڑی تم کو گھڑی کرتی ہے پنکھا — گھڑی پانی پلاتی ہے وہ لا لا

دیئے جاتی ہے تم سب کو وہ سالن — ہے اپنے لئے تو کچھ نہ لاوے

جو بچ رہتی ہے پیچھے ہنڈیا بوٹی — لگا کر اس سے کھاتی ہیں روٹی
اُسے تم کو کھلانے سے ہے مطلب — نہیں کچھ اپنے کھانے سے ہے مطلب
اگر کھانے میں آئی تم کو لذت — تو سمجھو لگ گئی نیگ اُس کی محنت
نہ پکا گر مزے کا تو نگوڑی — ہوئی جاتی ہے دل میں تھوڑی تھوڑی
بھلا ماں کے سوا کس کی بن آئے؟ — نہ کھائے آپ اور تم کو کھلائے
تمہیں کیا فکر ان جھگڑوں کا بھائی — دھری ہے تمہیں پکی پکائی
پکانے سے نہ پکوانے سے مطلب — اگر ہے تم کو تو کھانے سے مطلب
ذرا ہوتی دیر کھانے میں اگر ہو — تو تم رو رو کے گھر سر پر اُٹھا لو
نہ الفت باپ کی تم جانتے ہو؟ — نہ ماں کی مامتا پہچانتے ہو؟
نہ اُن کی محنتوں کی ہے خبر کچھ؟ — نہ اُن کی جانفشانی پر نظر کچھ؟
نہیں کر سکتے حق اُن کا ادا تم — کرو اُن پر سے گر جاں بھی فدا تم
دل و جاں سے کرو تم انکی عزت — بجا لاؤ ادب سے اُنکی خدمت
سمجھ لو اس سے ماں کی قدر و عظمت — کہ اُس کے پاؤں کے نیچے ہے جنت

حالی

۶۱۔ جوگی کا بھیس

یہ کہتا تھا میں۔ جی میں عشق نے یہ بات لا ڈالی
منگا تھوڑا سا گیرو اور وہیں کفنی رنگا ڈالی
اُٹھا مُندرے گلے کے بیچ سے لی بر ملا ڈالی
لگا مُنہ سے بھبوت اور شکل جوگی کی بنا ڈالی
ہوا سر پاؤں سے اودھوت جوگی جوگ کا گیانی

بنا بالوں کا انڈوا کھول بال اور ہو کے متوالا
چھپا آنکھ اور دھتورا کر دیا آنکھوں کا گل لالا
اُٹھا تونبی کو اور کاندھے کے اوپر رکھ مرگ چھالا
پھرا ہاتھوں میں سمرن اور گلے میں ڈال کر مالا
چلا پڑھتا ہوا گرو کا سبد اور ناتھ کی بانی

نظیرؔ

۶۲۔ موچی

چمڑا مول منگاتا ہوں دھوکے اُسے سکھاتا ہوں
مل کر نرم بناتا ہوں یوں چمڑے کو کماتا ہوں
میں موچی کہلاتا ہوں

پنّے ونے کاٹ کتا کرتا ہوں خوب ان کو صفا
پھر لے پتا اور تلا سیتا ہوں دونوں کو ملا
یوں کام اپنا بناتا ہوں

پھر جوتی قالب پہ چڑھاتا ہوں ٹھونک ٹھکا اور کوٹ کٹا
رانپی سے بُرشا کے تلا سیتا ہوں دونوں کو ملا
پھر کام اور لگاتا ہوں

چاہئے گر اندھا گھوڑا میری دُکان سے لو جوڑا
پھر درکار نہیں کوڑا جتنا چلاؤ ہے تھوڑا
مضبوط ایسا بناتا ہوں

اوروں کی سی یہاں نہیں لوٹ جانیو میری بات نہ جھوٹ
سال کے اندر میرا بوٹ میں ضامن جو جائے ٹوٹ
اس کی شرط لگاتا ہوں

بالو ہو یا ہو لالا — گورا ہو یا ہو کالا
بوڑھا ہو یا۔ ہو بالا — ادنیٰ ہو یا ہو اعلیٰ
سب کا حکم بجا لاتا ہوں

حالی

۶۳۔ چٹھی رساں

(منقول از "اطوار بازیچہ")

لو وہ دیکھو آرہا ہے ڈاکیا — منتظر تھا جس کا ہر چھوٹا بڑا
ہے اسی جانب کو سیدھا اس کا رُخ — خط تمہارا ہو گا یا شاید مرا
پوچھتا ہی اس سے ہر ایک اپنا خط — نام بتلاتا ہے اور اپنا پتا
دیکھتا ہے وہ لفافے غور سے — دیتا ہی پڑھ پڑھ کے ہی لکھا پڑا
یہ تو بتلاؤ خطوں کا اتنا ڈھیر — اس کو کیوں کر اور کہاں ہی مل گیا؟
دیکھتے ہو روز کیفیت یہ تم — پر نہیں رکھتے خبر اس کی ذرا
رات کو سوتے تھے جب ہم ایک شخص — جا رہا تھا اس طرف سی دوڑتا
تھے کمر سے اس کے کچھ گھنگرو بندھے — تاکہ سب جانیں کہ ہی یہ ڈاکیا
ہر قدم پر دوڑتا تھا جبکہ وہ — گھنگرؤں کی اس کے آتی تھی صدا
کہتے ہیں ہرکارہ جس کو تھا وہی — تم نے بھی یہ نام شاید ہو سُنا

وہ چلا تھا لے کے ڈاک اس شہر سے | آکے ہم یاں نے اک خانے میں لیا
تھیلیاں تھیں ایک تھیلے میں کئی | جن سے تھا وہ ڈاک کا تھیلا بھرا
تھیلیوں میں تھے بھرے پیکٹ تمام | تھا کوئی ڈھولا تو کوئی زر تھا
تھا غرض جو بوجھ اس کے پاس سب | ڈاک منشی کے حوالے کر دیا
شام تک اب اس کو ہوش آئی تو آئے | وہ تو ایسا ہو کے بیدم جا پڑا
اور ادھر وہ تھیلیاں جھٹ پٹ سنبھال | ڈاک منشی نے سنواب کیا کیا
کھول کر سب کر لیے پیکٹ الگ | اور خط بھی رکھ لیے کر کے جدا
بانٹنے کو ڈاک پھر دیدی تمام | ڈاک چٹھی رسانوں کو بلا
ڈاک میں آیا ہے اک میرا بھی خط | او ہو یہ تو خط ہے میرے دوست کا
پڑھ کے خط تو ہو گی جو ہو گی خوشی | پہلے آنکھوں سے تو لوں ہی لگا
دوست کی پاس آئے نامہ دوست کا | اس خوشی سے ہے زیادہ اور کیا

اب پڑھوں گا جا کے اطمینان سے
گھر میں اپنے بیٹھ کر سب سے جدا

حالی

۶۴ و ۶۵ ۔ آدمی آدمی

دنیا میں بادشاہ ہے سو ہے وہ بھی آدمی　　اور مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
زردار بے نوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی　　نعمت جو کھا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے جو مانگتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

ابدال و قطب غوث و ولی آدمی ہوئے　　منکر بھی آدمی ہوئے اور کفر کے بھرے
کیا کیا کرشمے کشف و کرامات کے کیے　　حتیٰ کہ اپنے زہد و ریاضت کے زور سے
خالق سے جا ملا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

فرعون نے کیا تھا جو دعویٰ خدائی کا　　شداد بھی بہشت بنا کر ہوا خدا
نمرود بھی خدا ہی کہاتا تھا برملا　　یہ بات ہے سمجھنے کی آگے کہوں میں کیا
یاں تک جو ہو چکا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی پہ نار ہے اور آدمی ہی نور　　یاں آدمی ہی پاس ہے اور آدمی ہی دور
کل آدمی کا حسن و قبح میں ہے یاں ظہور　　شیطان بھی آدمی ہی ہے جو کرتا ہے مکر و زور
اور ہادی رہنما ہے سو ہے وہ بھی آدمی

مسجد بھی آدمی نے بنائی ہے یاں میاں　　بنتے ہیں آدمی ہی امام اور خطبہ خواں
پڑھتے ہیں آدمی ہی قرآن اور نمازیاں　　اور آدمی ہی ان کی چراتے ہیں جوتیاں
جو ان کو تاڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی پہ جان کو وارے ہے آدمی　　اور آدمی کو تیغ سے مارے ہے آدمی
پگڑی بھی آدمی کی اتارے ہے آدمی　　چلا کے آدمی کو پکارے ہے آدمی
اور سن کے دوڑتا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

چلتا ہے آدمی ہی مسافر ہو لے کے مال　　اور آدمی ہی مارے ہے پھانسی گلے میں ڈال
یاں آدمی ہی صید ہے اور آدمی ہی جال　　سچا بھی آدمی ہی نکلتا ہے میرے لال
اور جھوٹ کا بھرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی شادی ہے اور آدمی بیاہ　　قاضی وکیل آدمی اور آدمی گواہ
تاشے بجاتے آدمی چلتے ہیں خواہ مخواہ　　دوڑے ہیں آدمی ہی مشعلیں جلا کے واہ
اور بیاہنے چڑھا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی نقیب ہو بولے ہے بار بار　　اور آدمی ہی پیادے ہیں اور آدمی سوار
حقہ صراحی جوتیاں دوڑیں بغل میں مار　　کاندھے پہ رکھ کے پالکی ہیں دوڑتے کہار
اور اس پہ جو چڑھا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

بیٹھے ہیں آدمی ہی دکانیں لگا لگا　　اور آدمی ہی پھرتے ہیں رکھ سر پہ خونچا
کہتا ہے کوئی لو کوئی کہتا ہے لا رے لا　　کس کس طرح سے بیچے ہیں چیزیں بنا بنا
اور مول لے رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی قہر سے لڑتے ہیں گھور گھور　　اور آدمی ہی دیکھ انہیں بھاگتے ہیں دور

چاکر غلام آدمی اور آدمی مزدور — یاں تک کہ آدمی ہی اُٹھاتے ہیں جا ضرور
اور جس نے وہ پھرا ہے سو ہی وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی لعل و جواہر ہیں بے بہا — اور آدمی ہی خاک سے بدتر ہی ہو گیا
کالا بھی آدمی ہے کہ الٹا ہے جوں توا — گورا بھی آدمی ہے کہ ٹکڑا سا چاند کا
بدشکل و بدنما ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اک آدمی ہیں جن کی یہ کچھ زرق برق ہیں — روپے کے اُن کے پاؤں ہیں سونے کے فرق ہیں
جھمکے تمام غرب سے لے تا بہ شرق ہیں — کمخواب تاش شال دوشالوں میں غرق ہیں
اور چیتھڑوں لگا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

مرنے میں آدمی ہی کفن کرتے ہیں تیار — نہلا دھلا اُٹھاتے ہیں کاندھے پہ کر سوار
کلمہ بھی پڑھتے جاتے ہیں روتے ہیں زار زار — سب آدمی کرتے ہیں مردے کا کاروبار
اور وہ جو مر گیا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

اشراف اور کمینہ سے لے شاہ تا وزیر — ہیں آدمی ہی صاحب عزت بھی اور حقیر
یاں آدمی مرید ہیں اور آدمی ہی پیر — اچھا بھی آدمی ہی کہاتا ہے اے نظیر
اور سب میں جو بُرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

نظیر

۶۶ - بہرام پہلوان

خود سر کا سر ہے آٹھ پہر مسکن غرور نارِ حسد سے سینہ دہکتا ہوا تنور
کجرو کے ذہن میں ہے کجی عقل میں فتور پہلو میں دل ہے خانۂ بغض و عناد و زور
نخوت میں ہر کلام بھی بھیجا لعین کا ہے
سینے میں سنگ لاخ کلیجا لعین کا ہے

جو کچھ ہے فن سپاہگری کے وہ سب ہیں یاد لاکھوں کو نیزہ بازی میں ہے اس پہ اعتقاد
تیر افگنی میں ثانیٔ ارجن ہے بد نہاد حاصل کمال تیغ زنی حد سے ہے زیاد
ہمراہ گرز بھی ہے سناں بھی تبر بھی ہے
رومی کماں بھی تیغ دو دم بھی سپر بھی ہے

اس درجہ ہے جسیم سیہ مست و سخت جاں ہیں فیل جس کے سامنے اک مور ناتواں
سر پر ہے خود سنگ وہ بھاری کہ الاماں فولاد کی زرہ میں تن نحس ہے عیاں
پنہاں جھلم میں چہرۂ بدعت پسند ہے
پھنس جائے جس میں دیو وہ محکم کمند ہے

انس

۶۷- پیٹ کا بندہ

ہے عجیب و غریب زر پیدا ایک یاں صوت آشنا اپنا
آدھ سیر آٹے کا خدا سے کفیل پیٹ اس کا ہے عمرو کی زنبیل
گھر میں اب جب کے دیگچہ کھڑکے زیر اس کے یہ بیٹھے یوں اڑ کے
گو اسے پھر جو رستم اٹھ کر آئے میٹ اس کی اٹھائے یا نہ اٹھائے
خوردنی کی بو جب نہیں پر باس جمع واں کر کے اپنے ہوش حواس
بیٹھ مکھی کی طرح چپے در پے دونو ہاتھوں سے سر کو پیٹے ہے
ہر کسی بنئے کی دوکاں پر جا اپنی باتوں میں اس کو لے ہی لگا
کام ہو جو اپنا کر لیوے کلّے بندر کی طرح بھر لیوے
نان بائی محلّہ یوں فریاد کرے ہے یارو دیکھو بیداد
چاٹے ہے چوزی سے رکیبی کو مار ڈالوں گا اس ندیدے کو
جو اسے میہماں بلاوے ہے آفت اپنے وہ گھر پہ بلاوے ہے
کھانا آوے تو اس طرح ٹوٹے جیسے کوئی کسی کا گھر لوٹے
مارنے لقمے تو اس طرح بد ذات جیسے جھاڑے کوئی پتا کے پات
ایک تھا اس کا آشنا دل سوز وارد اس کے یہ گھر ہوا اک روز
قضارا اس کے گھر تھی کچھ شادی سر مجلس بلا اسے جا دی

نہ تھی اس کو کسی سے بات آ و بیت　　بھوک سے اس کی لگ رہی تھی بیت
گاہ امنگے تھا گاہ چونکے تھا　　گاہ مطبخ کی باس سونگھے تھا
جاوے بازار کو اگر وہ لئیم　　خلق سمجھے کہ پہنچی فوج غنیم
بھوک میں جب ادھر یہ آتا ہے　　لوگوں کو کاٹ کاٹ کھاتا ہے

چار کے کاندھے جب یہ جاویگا
توشہ کی روٹی کو بھی کھاویگا

سودا

۶۸۔ حافظ اکول

اک حافظ ہم سے آشنا ہے　　کھانے کا جی سے مبتلا ہے
ہر لحظہ ہے اس کو پیٹ کا فکر　　کچھ کھائے ہی یا ہی کھانے کا ذکر
موقوف طعام پہ مدارات　　کچھ اس کی نہیں ہو گھاس یا پات
جو آگے تم اس کے دھر دو کھا جائے　　بکری کی طرح سے منہ چلا جائے
حتیٰ کہ جو وقت کھانے کے آئے　　کھانا نہ ملے تو مار ہی کھائے
از بسکہ یہ پیٹ کا ہے بندا　　کھانے ہی کا نت اسے ہے دھندا
ممکن نہیں جب جواب جیں آئے　　گو بھول کے پیٹ دم نکل جائے
فاقوں سے زبس ہے بے مضطر　　موت اپنی وہ مانگتا ہے اکثر

پر شرط کرے ہے یہ خدا سے — مر جائیے بھی تو درد ابتلا سے

حسرت سے غرض کہ بھر کے وہ آہ — پڑھتا ہے یہ شعر گاہ بے گاہ

خوش زیست بسر وہ کر گئے ہیں — ہیضہ سے جو لوگ مر گئے ہیں

دیکھے ہے اگر کہیں بھری مشک — کھاتا ہی یہ بکریوں پہ اس رشک

کہتا ہی خوشا نصیب ان کے — مر کر بھی بھرے ہیں پیٹ جن کے

کاش اپنے گلے پہ بھی چھری ہو — پر کیوں ہی شکم کی تو پری ہو

جاتا ہی جو نان پز کے یہ گھر — وہاں بیٹھے ہی جوں تنور گر کر

کھاتا ہے اگرچہ واں یہ بدذات — آٹے کی طرح سے مکی اور لات

پر چھوڑے ہے روٹی کی یہ کب دھن — گو نکلے ہے مار سے پلیتھن

ہو آتش معدہ جی پر پائے — جوں آگ یہ جتنی لکڑیں کھائے

ہوتا ہے کبھو جو کچھ میسر — یوں ہوئے ہی اس کو کھاتے مضطر

چاہے ہی کہ وہ وہیں سب نگل جائے — گو دست و دہان کچھ بھی جل جائے

قد سے بھی غرض کہ کچھ دوبالا — جوں چیونٹی اٹھائے ہی نوالا

دیکھا اس کا سلوک ہانڈی کے ساتھ — نت زیر زنخ ہی ڈوئی کا ہاتھ

جو علم کیا تھا ان نے تحصیل
سو بھوک میں ہو گیا وہ تحلیل

قائم

۶۹۔ کوتوال بدخصال

شہر میں کیا رہے تھا امن داماں
تھا نہ رشوت سے کوتوال کو کام
اب جہاں دیکھو واں جھمکا ہے
دمڑی کے سودے کو جو واں جاوے
کس طرح شہر کا نہ ہو یہ حال
اُن سے رشوت لیے یہ بیٹھا ہے
کتنے نوکر ہیں اس کے خدمت گار
شہر کے بیچ کیا کہوں میں اب
بزم میں شب ہر ایک پیر و جواں
شام سے صبح تک یہی ہے شور
رات جو اپنے گھر میں کنکارے
ہوگی کب تک بچا خبرداری
خلق جب دیکھ کر کے یہ بیداد
بولے ہے وہ کہ میں بھی ناچار

کیسی کرتی تھی خلق خوش گزراں
شہر میں تھا نہ چوٹّے کا نام
چور ہے ٹھگ ہے اور اُچکا ہے
پگڑی کو سر کو پیٹتا آوے
شیدی فولاد اب جو ہے کوتوال
اس کے دل میں یہ چور بیٹھا ہے
فن دزدی میں سب ہیں بانی کار
روز محشر کی دھوم ہے ہر شب
بیٹھے ہیں کر کے رزم کا ساماں
دوڑیو گٹھری لے چلا ہے چور
چور دروازہ پر یہ نکارے
چور جاتے رہے کہ اندھیاری
کرتی ہے کوتوال سے فریاد
گرم ہے چوٹّوں کا اب بازار

کرتے ہیں مجھ سے اب بجا کر ڈھول
میری پگڑی کا میرے سر پر مول

سودا

خسیس مکھی چوس

ہے خدا کا یہ ایک شمۂ نور — جس سے روشن ہے آسماں کا تنور
کرنے اس لگے نہ ذرہ دیر — مہر و مہ کو بشکل نان و پنیر
کیا اس نے بعرصۂ اک آن — نقل اختر سے پر سپہر کا خوان
وہ کروروں نعم کو لذت دے — ذائقہ میں زبان انساں کے
کس زباں سے ہو اس کا شکر ادا — نعمتیں کیا کیا ان نے کیں پیدا
میوے ہیں باغ میں زمانے کے — واسطے کھانے اور کھلانے کے

فضل سے اس کے کچھ نہیں ہے کمی
لیک وہ کیا کرے جو ہم ہوں دنی

سنیو یارو کروں ہوں میں اک نقل — جس کو باور کرے نہ ہرگز عقل
اتفاقاً اک آشنا میرے — گئے تھے اک عمدہ کے ڈیرے
جوں ہی وارد ہوئے یہ واں ناگاہ — اٹھا چاروں طرف سے ابر سیاہ
ان کے ہوتے جو ابر گھر آیا — صاحب خانہ سخت گھبرایا

نہ خبر پوچھی ان کی نے احوال | بیٹھتے ہی کیا یاں سے سوال
کچھ ہوا پر کبھی ہے تمہاری نگاہ | گھونگری پٹو کچھ بھی ہے ہمراہ
بولے یہ بیٹو نہ تھا مجھے معلوم | ورنہ لاتا میں ساتھ لے مخدوم
جب نہ سمجھا وہ اتنے رمز کتیں | سوجھی یہ بات اس کے تئیں وو ہیں
جوں لگی ہونے قطرہ افشانی | لا رکھی اس کے آگے بارانی
پھر لگا کہنے یہ بھی اپنا نصیب | آوے مدت کے بعد اپنا حبیب
اور مینہ آسمان برساوے | بھیگتا اپنے گھر کو وہ جاوے
یہ تو ساوے غریب کیا جانے | اس مزور کو کیوں کہ پہچانے
بولا یہ سادگی سے کیا ہی ضرور | بھیگتا جاؤں گا میں اتنی دور
رکھے خالق سلامت آپ کی ذات | نہ کھلے گا تو میں رہوں گا رات
یہ سخن جوں ہی پہنچا اس کے کان | لگی اس کی وہیں نکلنے جان
سنتے ہی اس کے یوں ہوا مضطر | اپنے بیگانے کی رہی نہ خبر
جس کے منہ کی طرف کرے تھا نگاہ | یہی کہتا تھا اس سے بھر کر آہ
کیوں میاں ابر اس قدر چھایا | حرف رہنے کا درمیاں آیا
مضطرب برق سے نہ ہو یوں حال | بادلوں سے جو اس کا تھا احوال
کبھی کہتا تھا یارو تیل جلاؤ | کبھی کہتا تھا شیخ ڈھونڈو بناؤ
گاہ بولے تھا دیکھیو اوپر | آوے ہی آسمان کہیں سے نظر

گاہ بوسے تھا مہر ہو جو بدید ۔۔۔ کیسی ہو جاوے لے اپنے گھر میں عید
ناگہاں بولا ایک یعنی فی الفور ۔۔۔ کچھ نظر آئے ہے جیسے غور
کہا اس نے یہ سچ ہی ہے مری جان ۔۔۔ لے میں تیری زبان کے قربان
لیک پڑنا ہے جب لگے بہنے ۔۔۔ تب تو جھنجلا کے یوں لگا کہنے
کیا برستا ہی یوں برس کم بخت ۔۔۔ گھر سے ڈوب جائیں لے کے درخت
غصے غرق بنے بہ ہے اب شفق ۔۔۔ چاہیے ہو تمام عالم غرق
لے کے ماہی سے او تا مہتاب ۔۔۔ کاش ہو جائے ایک قطرۂ آب
غرض اپنی سی وہ تو کر گزرا ۔۔۔ ہو گئی رات اور مینھ نہ کھلا
آخر الامر کر کے دل کو کرخت ۔۔۔ لگا کہنے کہ سنگ آمد و سخت

کر چکا اپنے جب جو حال شروع ۔۔۔ کیا مہماں سے اختلاط شروع
یہ نہ تھا یہ کچھ اور ذکر و سخن ۔۔۔ واں بغیر از حدیث زر جو نیا
وقت آیا جب اس کے کھلنے کا ۔۔۔ مرتکب ہو کے اس بہلنے کا
لگا کہنے کہ کوئی ہے حاضر ۔۔۔ بولا اس وقت ڈیوڑھی کا ناظر
کہا اس سے کہ بھر کے آفتابہ ۔۔۔ محل کے جا ضرور میں رکھوا
غرض اٹھ کے چلا یعنب وہاں سے ۔۔۔ کہہ گیا کان میں یہ مہماں سے
چاہو جو کچھ کہ اب تناول کو ۔۔۔ کہہ دو بلوا کے تم بکاول کو
انہوں نے اس کے موجب ارشاد ۔۔۔ کی بکاول کے تئیں وہیں فریاد

آیا بعد از ساعت بسیار — انھوں نے پوچھا کچھ ہوا تیار

بولا تیار تو نہیں ہے کچھ — جاؤں ڈھونڈھوں اگر کہیں ہے کچھ

تو تو لاؤں ابھی آپ کی خاطر — ورنہ کھاؤ مجھے میں ہوں حاضر

بولے بیچے اگر نہیں تیار — دیکھو بھوکے مرے گا سو دی سرکار

اس سے تم جا کے جنس منگواؤ — واسطے میرے کچھ تو پکواؤ

لگا کہنے وہ کوئی مانع ہے — آپ ہی بھڑوا خاک چھانے ہے

جب کہ اس کا حساب ہوتا ہے — جان کو وہ بڑوں کی روتا ہے

اور قصاب بھی جو آوے ہے — چھری بغدا مجھے بتاوے ہے

کیا کہوں تجھ سے میں غرض اے یار — دے کے خدمت کیا ہے مجھ کو خوار

بس کہ مطبخ میں سردی رہتی ہے — ناک باورچیوں کی بہتی ہے

ان کے مطبخ سے دود اٹھے اگر — سقے لے دوڑتے ہیں مشکیں بھر

الغرض مطبخ اس گھرانے کا — اشک ہی آب دار خانے کا

جس سے طوفان نے کیا تھا ظہور
ان کی نانی کے گھر کا تھا وہ تنور

سودا

۱۷۔ جھوٹا امیر

آہ کیا ہو گئے وہ لیل و نہار / کہ کہ و مہ کو جھوٹ سے تھا عار

یا اب اک وقت یہ انوکھا ہے / جو ہے اس وقت میں سو جھوٹا ہے

سیٹھا اس گروہ کا سردار / جس کی ماتحن فیسر ہے تکرار

جھوٹ سے بس کہ ہے مزہ پاتا / جھوٹے باسن نہیں یہ دھلواتا

ہے یہ وہ جھوٹ بولنے والا / جھوٹوں کا سب جہاں کے ہے سالا

اک مصاحب سے اس کے دوشینہ / پوچھا میں کا سے محب دیرینہ

کچھ میں سمجھا نہ اس سخن کو ہنوز / جھوٹ کیوں بولتا ہے یہ شب و روز

مجھ سے اس نے کئے ہیں جو اقرار / سینکڑوں ہی ہیں کیجئے جو شمار

لیک ہے یہ زباں کا کچّا / ایک دیکھا نہ اس سے میں سچّا

بولا کہتا ہے بات تو کس کی / بولنا جھوٹ ارث ہے اس کی

باپ اس کا جو تھا بڑا نواب / تھا وہ نسلِ مسیلمِ کذّاب

کل ہی زیور جو اس کا ٹوٹا تھا / خوب دیکھا تو سب وہ جھوٹا تھا

روپئے کے جو عصا رکھے ہیں غلام / خول کا ان پہ سب ہے جھوٹا کام

کفش زردوزی پہرے ہے یہ گر / ہے وہ جھوٹا کلابتوں یکسر

ایسے جھوٹے کی باتوں پر تو نہ جا
ہو جلد رخصت ہی یہاں سے تو بچا

قائم

۲۷ ۔ مُسرف مقروض

پھر رہے ہیں اب تو بغلیں جھانکتے
دل ہے سینہ میں نہایت بیقرار

بات بھی کوئی نہیں اب پوچھتا
چند دن پہلے جمے رہتے تھے یار

دوستوں کو روز دیتے تھے ڈنر
وعدے ہوتے تھے پئے سیر و شکار

جمگھٹے باغوں میں تھے احباب کے
ناچ گانے میں کٹے لیل و نہار

تھاپ طبلے پر پڑا کرتی تھی روز
قصر میں ہر روز بجتا تھا ستار

ہارمونیم، ارغنوں، فونوگراف
دل کے بہلانے کے تھے سامان ہزار

تھی بٹیروں کی کسیں پالی جمی
جنگ جو مرغوں کی تھی اک سو قطار

روز اڑاتے تھے کبوتر شام کو
تھے کبوتر باز نوکر بے شمار

بچپنے سے تھا جو کنکوے کا ذوق
بے بدے میداں نہ آتا تھا قرار

گھر کی دولت اور اثاثہ پھونک کر
رہ گیا تھا قرض ہی پر بس مدار

تھا نہ لینے کے سوا دینے کا نام
اک خزانہ غیب کا سمجھے ادھار

شاپ والوں نے بھی دعوے کر دیئے
قرقیاں آنے لگیں انجام کار

تھی جو مرہونہ بکی وہ جائداد — پھر قرضہ رہ گیا ہے بے شمار
کون ہے ڈھارس جو دے اس وقت میں — قرض خواہوں کا ہے فرقہ بے شمار
روزِ بد آخر دکھایا قرض نے
قعرِ ذلت میں گرایا قرض نے

یاور

۷۳۔ نسیم حکیم

صدر کے بازار میں ہے اک دبنگ — عار اطبا و طبابت کا تنگ
مملکت ہند میں اب گھر بہ گھر — ہے ملک الموت سے مشہور تر
تنگ و دہن اس کا ہے بدبو و قیر — جیسے کہ جلاب کا دست اخیر
صاحب ہچکی کو بتایا کٹول — واسطے ہیضہ کے لکھا اسپغول
لکھ دیا مجنوں کو شیر شتر — کہہ دیا مستسقی کو جا فصد کر
پوچھا جواں نے تو غذا کیا کہی — ساتھ بگولیتی کے کہا کھا دہی
یہ کہا اس کو جسے تھی آتشک
موضع مخصوص پہ چھڑکو نمک

سودا

۴۷ ۔ بھنگ نوش

تھے اک بھنگی لیکن نو آموز سے — کچھ افراط اُنھوں کی ہر روز سے
کہیں جس جگہ پر یہ بیٹھے تھے وہاں — تحائف کا ہر صنف کے تھا بیاں
جو کھجلوں کا آیا بنارس کے ذکر — لگے کہنے یہ کر کے دل بیچ فکر
کہ کھجلے یہ کس شکل سے کھائیے — مگر کوٹھے بنئے اور اڑ جائیے
چلے یاں سے اٹھتے یہ اس لہر میں — گئے بار کوٹھے ہو اس شہر میں
اتر کر انہوں نے زروئے ہوا — لیا واں جو ہیں مُنہ میں کھجلا اُٹھا
کی حلوائی نے ان پہ جیسے کہ چوٹ — یہ قیں دیئے کر ہو گئے لوٹ پوٹ
زبس نار و مجروح پایا اُنہیں — اچبلنے مل کر اُٹھایا اُنہیں
یہ گودی میں تھے دوستوں کی نڈھال — کرے تھا ہر اک ان سے تفتیش حال
یہ ثابت ہوا بعد چندیں درنگ — کہ آج آپ نے پی تھی تھوڑی سی بھنگ

جو رکھتا ہے کچھ بھی تو عقل و حواس
تو مت ہو گدھا کھا کے ہر ایک گھاس

قائم

۷۵۔ حجّام نافرجام

اب جو حجّام اپنے ساتھ ہی یہاں
سو یہ بھرتا پلشت گندہ وہاں

سر تراشی کو جس کسی کی یہ آئے
استرا سر پہ اس طرح سے چلائے

درد کے مارے ہووے بے احوال
پکنے پھوڑے سے جیسے نوچئے بال

غرض اک دن تھی میری بدبختی
جائے کیدھر نصیب کی سختی

ساتھیوں سے کہا میں اپنے تمام
لائیں اصلاح کو میرے حجّام

جوں ہی کوئی اسے بلا لایا
لوگ بولے کہ ہائے وہ آیا

جب گلوبند اس نے باندھ دیا
پھر تو گویا گلے میں پھاندا دیا

رو کے دم بولتا تھا ہچر ہوں
جیسے ڈمری کے لڑکے کی چوں چوں

اک گلے پر تھا ایک سر پہ ہاتھ
ہو کے مضطر کہے تھا اس کے میں ساتھ

ہوئی اُستاد شرط ہم تم میں
بس کر اس اگلے اب جنم میں

گو مرے یا جیے کوئی کچھ ہو
کام سے اپنے کام تھا اس کو

آ پڑے ہاتھوں جو ان نے سر کو لیا
سرنوشت ازل کو میٹ دیا

زخموں کی زیادتی جو تن پہ ہوئی
ہر جگہ پر چپکی ان نے روئی

بس کہ تن پر ہوا روئی کا وفور
ہولی کا تھا یہ روسیاہ لنگور

فصد جانے کا جب لگا کرنے
حق خدمت طلب لگا کرنے

میں نفر سے کہا جو ہے معتاد — دے وہی چار پیسے کم نہ زیاد
بولا بس یہ بھی مسخری ہی ہوئی — اس سے دمڑے کی تو لگی ہی رہی
خوب اک شخص سے لیا نہ لیا — مفت ہی ایک سر میں مونڈ دیا
میں جو دیکھا بگاڑ کا اسلوب — جی میں سوچا کہ ہے مصالحہ خوب

جوں توں راضی کیا میں اس کے تئیں
کہ ٹلے سر سے یہ بلا تو کہیں

قائم

۷۶۔ مفلسی کے احوال

جب آدمی کے حال پہ آتی ہے مفلسی — کس کس طرح سے اس کو ستاتی ہے مفلسی
پیاسا تمام روز بٹھاتی ہے مفلسی — بھوکا تمام رات سلاتی ہے مفلسی
یہ دکھ وہ جانے جس پہ کہ آتی ہے مفلسی

کہیے تو اب حکیم کی سب سے بڑی ہے شان — تعظیم جس کی کرتے ہیں نواب اور خان
مفلس ہوئے تو حضرت لقمان کیا ہیں یاں — عیسیٰ بھی ہو تو کوئی نہیں پوچھتا میاں
حکمت حکیم کی بھی ڈباتی ہے مفلسی

جو اہل فضل عالم فاضل کہاتے ہیں — مفلس ہوئے تو کلمہ تلک بھول جاتے ہیں

پوچھے کوئی الف تو اسے بے بتاتے ہیں　　وہ جو غریب غربا کے لڑکے پڑھاتے ہیں

ان کی تو عمر بھر نہیں جاتی ہے مفلسی

مفلس کرے جو آن کے مجلس کے بیچ حال　　سب جانیں روٹیوں کا یہ ڈالا ہے اس نے جال

گر گر پڑے تو کوئی نہ لیوے اسے سنبھال　　مفلس میں ہوویں لاکھ اگر فضل اور کمال

سب خاک بیچ آ کے ملاتی ہے مفلسی

جب روٹیوں کے بٹنے کا آ کر پڑے شمار　　مفلس کو دیویں ایک تو نکر کو چار چار

گر اور مانگے وہ تو اسے جھڑکیں بار بار　　اس مفلسی کا آہ بیاں کیا کروں میں یار

مفلس کو اس جگہ بھی جباتی ہی مفلسی

مفلس کی کچھ نظر نہیں رہتی ہے آن پر　　دیتا ہے اپنی جان وہ ایک ایک نان پر

ہر آن ٹوٹ پڑتا ہے روٹی کے خوان پر　　جس طرح کتے لڑتے ہیں اک استخوان پر

ویسا ہی مفلسوں کو لڑاتی ہی مفلسی

کرتا نہیں حیا سے جو کوئی وہ کام آہ　　مفلس کرے ہی اس کے تئیں انصرام آہ

سمجھے نہ کچھ حلال نہ جانے حرام آہ　　کہتے ہیں جس کو شرم و حیا ننگ و نام آہ

وہ سب حیا و شرم اٹھاتی ہی مفلسی

یہ مفلسی وہ شے ہی کہ جس گھر میں بھر گئی　　پھر جتنے گھر میں ست تھی اسی گھر کی دو گئی

زن بچے روتے ہیں گویا نانی گزر گئی　　ہمسائے پوچھتے ہیں کہ کیا دادی مر گئی

بن مردے گھر میں شور مچاتی ہے مفلسی

لازم ہے گر غمی میں کوئی شور غل مچائے
مفلس بغیر غم کے ہی کرتا ہے ہائے ہائے
مر جائے گر کوئی تو کہاں سے اٹھا کے لائے
اس مفلسی کی خواریاں کیا کیا کہوں میں ہائے
مردے کو بن کفن کے گڑاتی ہے مفلسی

کیا کیا میں مفلسی کی کہوں خواری پھکڑیاں
جھاڑو بغیر گھر میں بکھرتی ہیں جھکڑیاں
کونوں میں جالے لپٹے ہیں چھپر میں مکڑیاں
پیدا نہ ہوویں جن کے جلانے کو لکڑیاں
دریا میں ان کے مردے بہاتی ہے مفلسی

بی بی کی نتھ نہ لڑکوں کے ہاتھوں کڑے رہے
کپڑے میاں کے بنئے کے گھر پڑے رہے
جب کڑیاں بک گئیں تو کھنڈر میں پڑے رہے
زنجیر نے کواڑ نہ پتھر گڑے رہے
آخر کو اینٹ اینٹ کھداتی ہے مفلسی

جب مفلسی سے ہووے کلاونت کا دل اداس
پھرتا ہے لے طنبورے کو ہر گھر کے آس پاس
اک پاؤ سیر آٹے کی دل میں لگائے آس
گوری کا وقت ہووے تو گاتا ہے وہ بیاس
یاں تک حواس اس کے اڑاتی ہے مفلسی

مفلس جو بیاہ بیٹی کا کرتا ہے بول بول
پیسا کہاں جو جا کے وہ لائے جہیز مول
جورو کا وہ گلا ہے کہ پھوٹا ہو جیسے ڈھول
گھر کی حلال خوری تلک کرتی ہے ٹھٹھول
ہیبت تمام اس کی اٹھاتی ہے مفلسی

بیٹے کا بیاہ ہو تو نہ بھائی نہ ساتھی ہے
نے روشنی نہ باجے کی آواز آتی ہے

ماں پیچھے ایک میلی چدر اوڑھے جاتی ہے　　بیٹا بنا ہے دولھا تو باوا براتی ہے

مفلس کی یہ برات چڑھاتی ہے مفلسی

چولھے توا نہ پانی کے مٹکے میں آبی ہے　　پینے کو کچھ نہ کھانے کو اور نے رکابی ہے

مفلس کے ساتھ سب کے تئیں بے حجابی ہے　　مفلس کی جورو سچ ہے کہ یاں سب کی بھابی ہے

عزت سب اس کے دل کی گنواتی ہے مفلسی

کیسا ہی آدمی ہو پر افلاس کے طفیل　　کوئی گدھا کہے اسے ٹھہرا دے کوئی بیل

کپڑے پھٹے تمام بڑھے بال پھیل پھیل　　منہ خشک دانت زرد بدن پر جما ہے میل

سب شکل قیدیوں کی بناتی ہے مفلسی

جب مفلسی ہوئی تو شرافت کہاں رہی　　وہ قدر ذات کی وہ نجابت کہاں رہی

کپڑے پھٹے تو لوگوں میں عزت کہاں رہی　　تعظیم اور تواضع کی بابت کہاں رہی

مجلس کی جوتیوں پہ بٹھاتی ہے مفلسی

رکھتی نہیں کسی کی یہ غیرت کی آن کو　　سب خاک میں ملاتی ہے حرمت کی شان کو

سو محنتوں میں اس کی کھپاتی ہے جان کو　　چوری پہ آکے ڈالے ہے مفلس کے دھیان کو

آخر ندان بھیک منگاتی ہے مفلسی

دنیا میں لے کے شاہ سے اے یارو تا فقیر　　خالق نہ مفلسی میں کسی کو کرے اسیر

اشراف کو بناتی ہے اک آن میں حقیر　　کیا کیا میں مفلسی کی خرابی کہوں نظیر

وہ جانے جس کے دل کو جلاتی ہے مفلسی

فقط

۷۷. جاہل ماں

عروسی کی محمد میرزا نے — دیا اک چاند سا بیٹا خدا نے

محمد میرزا ہیں صاحبِ جاہ — بڑھایا تھا جنہیں بخت رسا نے

بڑا معروف تھا ان کا گھرانا — بہت کم ہوتے ہیں ایسے گھرانے

امارت ان کی تھی مشہور عالم — تجارت کے تھے کارخانے

سب اچھا تھا مگر بیوی تھی جاہل — وہ کیا جانے کسی کے گھر بنانے

ہوئی فرزند ہونے کی وہ شادی — بجے گھر میں کئی دن شادیانے

ادھر اٹھا مبارک باد کا غل — ادھر مطرب لگے گانے بجانے

جگر ٹھنڈا ہوا محفل ہوئی گرم — کھنچے تنبو قنات اور شامیانے

کھلے توڑوں کے منہ فرطِ خوشی سے — لگے خوش ہو کے سب دولت لٹانے

کئی دن تک رہا شادی کا عالم — مگر کچھ دن میں رخ بدلا ہوا نے

یکایک اڑ گئی دولت وہاں کی — دکھائی ذات اپنی بے وفا نے

غنی سے ہوگئے محتاج مرزا — گئے باہر کہیں کھانے کمانے

اکیلی رہ گئی وہ نامبارک — لگی اپنے چلن سے گھر چلانے

کبھی کاجل کبھی تیل اور ابٹنا — لگی بچے کو تتے دن لگانے

نہ سمجھا فائدہ نقصان اپنا — لگی ہر چیز بچے کو کھلانے

بڑھی بچے کی جب بے اعتدالی | خلل بھی پھر لگا صحت میں آنے
کھلائیں اس کو چیزیں ناموافق | نکل آئے بدن میں اس کے دانے
پڑا بیمار بچہ ماں کے ہاتھوں | بخار اس کو لگا شدت سے آنے
دوا پرہیز سے بچتا وہ بچا | مگر مارا اُسے اس نا سمجھ نے
جہالت کا برا ہو وہ محبت | عداوت تھی محبت کے بہانے
دوا دینے کو لوگوں نے کہا جب | لگی نادان ناک اور بھوں چڑھانے
لیا نام حکیم نے ڈاکٹر کا | لگی وہ گالیاں اس کو سنانے
لگی کہنے یہ کوئی اور شے ہے | نگوڑا انگریز کیا اس کو جانے
مرا ننھا کہیں نظر آ گیا ہے | اسے صورت ہی دی ایسی خدا نے
پڑوسن اس کی تھی اک عقل سے کُل | ملائی ہاں میں ہاں خوب اس دوانے
پلائیں گھٹیاں بے سمجھے بوجھے | لگیں پھر منتیں دونوں منانے
مزاروں پر لونگی چل کے رکھیں | چلوں گی قبر پر چادر چڑھانے
گئی رمّال، نالائق نجومی | سب آئے قسمتیں اپنی لڑانے
منگائے مولوی تمّا سے جنتر | بلائے دیس کے عامل سیانے
کبھی جب شاہ جی مسجد میں آئے | چلی خود پھونک بچے پر دلانے
کئی تعویز سیّد سے منگائے | وہ سیّد جس نے دیکھے تھے زمانے
خدا کا نام تھا مشکل اُن میں | جنہیں وہ بیچتے تھے آنے آنے

کسی سے کوئی حکمت بن نہ آئی
ہوئے مایوس سب اپنے بگانے

ہوا آرام بیٹے کو نہ زنہار
گئی محنت نہ ماں کی ٹھکانے

کوئی اس بات کی تہ کو نہ پہنچا
یہ کیا اسرار تھا اللہ جانے

شکم کا عارضہ تھا بے زباں کو
مگر ماں نے دیا اس کو نہ جانے

دوا کا نام جو لیتا تھا کوئی
اسی کو دوڑتی تھی کاٹ کھانے

جہالت کی پکا کر ڈھائی چاول
لگی نادان دال اپنی گلانے

زمانہ لاکھ سمجھاتا تھا اس کو
مگر اس کی جہالت کس کو مانے

میرا بچہ مرا جاتا ہے تو تو
جلے پر اور تم آئے جلانے

کھڑا رہنے نہ دوں گی ڈاکٹر کو
یہی ٹھہری تھی اپنے دل میں ٹھانے

خبر گیری نہ اس کی ہو سکی جب
خبر لی آکے بچے کی قضا نے

وہ بچہ چل بسا الجھنوں سے
لگی ماں پیٹنے اُدھم اُٹھانے

سنا یہ حال جب تو فرط غم سے
کہا چلا کے اک مرد خدا نے

جو چاہو خیر لڑکوں کی تو پہلے
بٹھاؤ لڑکیاں اپنی پڑھانے

کھلی ہے نیند کچھ فضل خدا سے
کچھ اب بدلی ہے کروٹ انڈیا نے

غضب تھا یہ جہالت کا نتیجہ
ستم ہے جان لی بچے کی ماں نے

غالب بنارسی

۷۸۔ عیدگاہ اکبرآباد

ہے دھوم آج مدرسہ و خانقاہ میں ۔ تلتے بندے ہیں مسجد جامع کی راہ میں
گلشن سے کھل رہی ہیں ہر اک کج کلاہ میں سو سو چمن جھمکتے ہیں اک اک نگاہ میں
کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عیدگاہ میں

جھمکا ہے ہر طرف کو جو آباد لا زری پوشاک میں جھمکتے ہیں سب تن زری زری
گلرو چمکتے پھرتے ہیں جوں ماہ و مشتری ہے سب کے عید۔ عید کی دل بیچ خوشی بھری
کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عیدگاہ میں

آتے ہیں گھر سے اپنے جو بن بن کے کج کلہ صحن چمن ہی جتنا ہے سب صحن عیدگاہ
چھاتی سے لپٹے جاتے ہیں ہنس ہنس کے خواہ مخواہ دل باغ سب کے ہوتے ہیں فرحت سے واہ واہ
کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عیدگاہ میں

کچھ بھیڑ سی ہے بھیڑ کر بعید و بے شمار خلقت کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ ہیں جمعے ہر طرف ہزار
ہاتھی و گھوڑے بیل و رتھ و اونٹ کی قطار غل شور بلبلے بھونپے کھلونوں کی ہے پکار
کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عیدگا میں

پہنے پھرے ہیں شوخ کڑے اور ہنسلیاں پھولوں کی پگڑیوں میں ہیں شاخیں اڑس لیاں
کمریں سبھوں نے ملنے کی خاطر ہیں کس لیاں ملتے ہیں یوں کہ چھاتی کی کڑکے ہیں پسلیاں
کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عیدگاہ میں

آتے ہیں ملتے ملتے جو عاجز پری رخاں — دیتے ہیں ملنے والوں کو گھبرا کے گالیاں
کچھ لپٹے جاتے ہیں جوں گُڑ پہ مکھیاں — دامن کے ٹکڑے اڑتے ہیں پھٹتی ہیں چولیاں
کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عیدگاہ میں

ہیں ملتے ملتے تن جو پسینوں میں تر بتر — ملنے کے ڈر سے پھرتے ہیں چھپتے ادھر ادھر
چھپتے پھرے ہیں لوگ بھی جاتے ہیں وہ جدھر — ٹھٹا ہنسی و سیر تماشے جدھر تدھر
کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

ہیں کرتے وصل شہر کے سب خورد اور کبیر — ادنیٰ غریب امیر سے لے شاہ تا وزیر
ہر دم گلے لپٹ کے مرے یار دل پذیر — ہنس ہنس کے مجھ سے کہتا ہے یوں کیوں میاں نظیر
کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

نظیر

۷۹۔ عید الفطر

ہے عابدوں کو طاعت و تجرید کی خوشی — اور زاہدوں کو زہد کی تمہید کی خوشی
رند عاشقوں کو ہے کئی امید کی خوشی — کچھ دلبروں کے وصل کی کچھ دید کی خوشی
ایسی نہ شب برات نہ بقرید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

روزے کی خشکیوں سے جو ہیں زرد زرد گال — خوش ہو گئے وہ دیکھتے ہی عید کا ہلال

پوشاکیں تن میں زرد سنہری سفید لال — دل کیا کہ ہنس رہا ہے پڑا تن کا بال بال

ایسی نہ شب برات نہ بقرعید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

پچھلے پہر سے اٹھ کے نہانے کی دھوم ہے — شیر و شکر سویاں پکانے کی دھوم ہے
پیر و جواں کو نعمتیں کھانے کی دھوم ہے — لڑکوں کو عید گاہ کے جانے کی دھوم ہے

ایسی نہ شب برات نہ بقرعید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

محبوب دلبروں سے ہے جن کی لگی لگن — ان کے گلے سے آن لگا ہے جو گلبدن
سو سو طرح کے چاؤ سے مل مل کے تن بہ تن — کہتے ہیں تم کو عید مبارک ہو جان من

ایسی نہ شب برات نہ بقرعید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

کیا ہی معانقے کی مچی ہے الٹ پلٹ — ملتے ہیں دوڑ دوڑ کے باہم جھپٹ جھپٹ
پھرتے ہیں دلبروں کی گلیوں میں غٹ کے غٹ — عاشق مزے اڑاتے ہیں ہر دم لپٹ لپٹ

ایسی نہ شب برات نہ بقرعید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

روزے کی سختیوں میں نہ ہوتے اگر اسیر — تو ایسی عید کی نہ خوشی ہوتی دل پذیر
سب شاد ہیں گدا سے لگا شاہ تا وزیر — دیکھا جو ہم نے خوب تو سچ ہے میاں نظیر

ایسی نہ شب برات نہ بقر عید کی خوشی
جیسی ہر ایک دل میں ہے اس عید کی خوشی

نظیر

۸۰. عید الفطر میں گڑبڑ

اب کے رویت میں آگیا ہے خلل — رمضان ایک اور عید ڈبل
یعنی انتیس تیس اٹھائیس — کیا الوار بیچ میں پڑا ہے بل
آج بھی کسی نے افطاری — کوئی روزہ ہی کو گیا ہے نگل
دی کسی نے شہادت کا کل — کوئی سمجھا اسے کہ ہے یہ زٹل
نو بجے دن کے بج گیا ڈھولنہ — روزہ داروں میں پڑ گئی ہلچل
خشکی روزہ شدتِ گرمی — کر رہی ہے دماغ کو مختل
آج برپا ہے عالم جوش و خروش — ہوئی آپس میں خوب رد و بدل
جا پڑا دیو بند میں پہلے — چاند کا بھی گیا تھا پاؤں پھسل
ایک دن تک عدم میں رہا ناچار — سب کی آنکھوں سے ہو گیا اوجھل
نہیں جھگڑا کہیں لڑائی ہے — ایک کو غصہ ایک کو جھنجھل
کوئی سمجھا رہا ہے ملا جی — کس لئے کرتے ہو جنگ و جدل
[illegible] میں چھپ گیا فتویٰ — علما کا نہیں ہے اس پہ عمل

بست و ہفتم کو چاند دیکھ لیا
خود غلط تھی شہادت اوّل
دیکھ کر اختلاف دُنیا کا
یاد آئی مجھ کو ایک مثل
"کونسی ہے مجھے بتا تو سہی
اونٹ رے اونٹ تیری سیدھی کل"
چاند کے اختلاف نے اب کے
میری عید کو کر دیا مہمل

اسمٰعیل

۸۱۔ شب برات کا حلوا

ملّا جو دیئے فاتحہ گھر گھر میں جاتے ہیں
حلوا کہیں کہیں وہ چپاتی اڑاتے ہیں
مفلس کوئی پلا دے تو منہ کو چھپاتے ہیں
شکر کا حلوا سنتے ہی بس دوڑے جاتے ہیں
کہتے ہوئے یہ دل میں اہا ہا ری شب برات

دنیا کی دولتوں میں جو زردا ہیں پڑے
قندوں کی حلوے رغنی نانیں لئے کھڑے
پہونچاتے خوان پھرتے ہیں نوکر کئی بڑے
نندے بھی راہ تکتے ہیں مردے بھی ہیں کھڑے
ان خوبیوں کی رکھتی ہے طیاری شب برات

ٹھلیا چپاتی حلوے کی تو سب یہ چال ہے
اور غریب کے تئیں یہ بھی محال ہے
کالے سے گڑ کی لپٹی کڑھی کی مثال ہے
پانی کی ہانڈی گیہوں کی روٹی بھی لال ہو
کرتی ہے آپ دکھیا پسنہاری شب برات

نظیر

۸۲۔ شب برات کی آتشبازی

چھوڑیں لٹو تو بزہی ہر دم بنا کے جو حاکم کا پیادہ کہتا ہے یوں ان سے تلخ ہو
کپڑے بدن بچا کے جو چاہو سو چھوڑ دو پھر جلاؤ گے تو دلا دے گی صبح کو
تم سے چھوترے میں گنہگاری شب برات

ٹھنکرا اپنی دم میں کہیں چرخ کھاتے ہیں ٹوٹتے ہوائی سنگ کہیں قہقہاتے ہیں
زنبیٹ زیت پٹاخے کہیں غل مچاتے ہیں لڑکوں کے غول باندھ کہیں لڑنے جاتے ہیں
کرتی ہے پھر تو ایسی دھواندھاری شب برات

آکر کسی کے سر پہ چھچھوندر لگی کرڑی اوپر سے اور ہوائی کی آکر پڑی چھڑی
ہو گی گلے کا ہار پٹاخے کی ہر لڑی پاؤں سے لپٹی شور مچا کر قلم نرڈی
کرتی ہے پھر تو ایسی ستمگاری شب برات

چہرہ کسی کا جل گیا آنکھیں جھلس گئیں چھاتی کسی کی جل گئی بانہیں جھلس گئیں
ٹانگیں بھی کسی کی تو رانیں جھلس گئیں مونچھیں کسی کی پھنک گئیں پلکیں جھلس گئیں
دیکھے کسی کی داڑھی پہ چنگاری شب برات

کوئی دوستوں کو دل میں سمجھتا ہے اپنے غیر کوئی دشمنوں سے دل کا نکالے ہے اپنا بیر
کہتا ہے واں نظیر بھی آتش کی دیکھ سیر یارب تو سب کی کیجیو برسا برس کی خیر
بے طرح کر رہی ہے نموداری شب برات

نظیر

۸۳ ۔ برسات کی شب برات

بگڑی ہی کیا انار پٹاخوں کی اب کے بات — ساون میں اتفاق سے آئی شب برات

بارود ہے خراب پٹلتے ہیں پھسپھسے — کمزور ہیں انار چھچھوندر ہے واہیات

مہتاب میں مزا ہے نہ کچھ پھلجڑی میں لطف — پیسے ہمارے مفت گئے یونہی آٹھ سات

پیسے گئے فضول تو خیر اس کا غم نہیں — ہی سال بھر کے کھیل کی گویا یہی زکواۃ

پاتا ہی اس جہان میں کچھ کھو کے آدمی — آئندہ ایسے کھیل پہ ماریں گے ہم بھی لات

بس چھوڑ کھیل کود کر حلوا ہے گرم گرم — شامل ہی جس میں ذائقہ قند اور نبات

شیریں ہی خوش قوام ہے چٹ کیجیے اسے — حلوہ کی چاشنی سے ہی مصری بھی آج مات

بدعت کہو گناہ کہو یا حضور رہن — اچھا نہیں سمجھتا اسے زمرۂ ثقات

بچوں کے واسطے ہی خور و نوش کھیل کود — اصحاب اتقا کے لئے صوم اور صلوٰۃ

جاگیں گے آج اہل عبادت تمام رات
درگاہ کبریا سے کریں گے طلب نجات

اسمٰعیل

۸۴۔ حضرت سلیم چشتی کا عرس

ہے یہ مجمع نکو سرشتی کا | ذکر کیا یاں گنہ کی زشتی کا
بحر ہے عارفوں کی کشتی کا | فخر ہے حرف سرنوشتی کا

رشک ہے گلشنِ بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتی کا

باغ جنت ہے آج یہ درگاہ | پھول پھولے ہیں فیض کے دلخواہ
دیکھ رضوان بہاریاں کی واہ | دل میں کہتا ہے دمبدم واللہ

رشک ہے گلشن بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتی کا

یہ تجلی نہ سیم و زر سے ہے | ابر رحمت کا نور برسے ہے
حور و غلماں کی روح ترسے ہے | اور اشارہ یہی نظر سے ہے

رشک ہے گلشن بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتی کا

صحن درگہ ہے باغ او گلستاں | اور ہیں زوار سب گل و ریحاں
جی میں سب کے پھول پھول ہو شاداں | یہی کہتے ہیں ہر گھڑی ہر آں

رشک ہے گلشنِ بہشتی کا
عُرس حضرت سلیم چشتی کا

بسکہ خلقت بھری ہی لالوں لال — گھر مکاں ہی گلوں سے مالا مال
حُسن راگ اور مشائخوں کی حال — بھیڑ غل شور اور یہ قیل مقال

رشک ہے گلشنِ بہشتی کا
عُرس حضرت سلیم چشتی کا

کھل رہا ہی چمن جو فیض بھرا — جھرنا گویا ہے حوضِ کوثر کا
قدسیاں دیکھ وہ بہشت سرا — سب پکاریں ہیں یوں آہا ہاہا

رشک ہے گلشنِ بہشتی کا
عُرس حضرت سلیم چشتی کا

کتنے درگہ میں فیض اٹھاتے ہیں — کتنے جھرنے میں جا نہاتے ہیں
کتنے نذر و نیاز لاتے ہیں — کتنے خوش ہو یہی سناتے ہیں

رشک ہے گلشنِ بہشتی کا
عُرس حضرت سلیم چشتی کا

ہے بہم وہ در دور کا عالم — سبز سرخ و سفید و زرد بہم
سب خوشی ہوکے جوں گل شبنم — دیکھ سیریں یہ کہتے ہیں پیہم

رشک ہے گلشن بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتی کا

بھیڑ انبوہ خلق کی تکثیر
بادشاہ و گدا و میر و وزیر
طفل و پیر و جوان غریب و فقیر
پر سبھوں کی زباں پہ یہ تقریر
رشک ہے گلشن بہشتی کا
عرس حضرت سلیم چشتی کا

نظیر

کرشن جی کی بانسری

جب مرلی دھر نے مرلی کو اپنی ادھر دھری
کیا کیا پریم پیت بھری اس میں دھن بھری
لے اس میں رادھے رادھے کی ہر دم بھری کھری
لہرائی دھن جو اس کی ادھر اور ادھر ذری
سب سننے والے کہہ اٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کرشن کنہیا نے بانسری

جس آن کانھ جی کو وہ منبی بجاؤنی
جس کان میں وہ آدنی واں سدھ بھلاؤنی

ہر من کی ہو کے موہنی اور چت لبھاؤنی
نکلی جہاں دھن اس کی وہ میٹھی سہاؤنی

سب سننے والے کہہ اٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنہیا نے بانسری

گوالوں میں نند لال بجاتے وہ جس گھڑی
گوئیں دھن اس کی سننے کو رہ جاتیں سب کھڑی

گلیوں میں جب بجاتے تو وہ اس کی دھن بڑی
لے لے کے اپنی لہر جہاں کانوں میں پڑی

سب سننے والے کہہ اٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنہیا نے بانسری

بنسی کو مرلی دھر جی بجانے لگے جدھر
پھیلی دھن اس کی زور ہر اک دل میں کر اثر

سنتے ہی اس کی دھن کی حلاوت ادھر ادھر
منہ چنگ اور نے کی دھنیں دل سے بھول کر

سب سننے والے کہہ اٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنہیا نے بانسری

بن میں اگر بجاتے تو واں بھی یہ اُس کی چاہ
کرتی دھن اُس کی پنچھی پکھیرو کے دل میں راہ
بستی میں جو بجاتے تو کیا شام کیا پگاہ
پڑتے ہی دھن وہ کان میں بھاری ہوکے واہ

سب سننے والے کہہ اٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنہیا نے بانسری

کتنے تو اس کی دھن کے لئے رہتے بے قرار
کتنے لگائے کان ادھر رکھتے بار بار
کتنے کھڑے ہو راہ میں کر رہتے انتظار
آئے جدھر بجاتے ہوئے شیام جی مرار

سب سننے والے کہہ اُٹھے جے جے ہری ہری
ایسی بجائی کشن کنہیا نے بانسری

نظیر

۸۶۔ آنند بدھاوا

تھی نوسے کو سنے خوش وقتی اور طبلے تال کھٹکتے تھے
کوئی ناچ رہی کوئی کود رہی کوئی ہنس ہنس کے کچھ روپ سجے
ہر جا پر طرف آنندیں تھیں واں گھر میں نند جسودا کے
کچھ آنگن بیچ بر اجے تھیں کوئی بیٹھی کوٹھے اور چھجے
سو خوبی اور خوش حالی سے دکھلاتی تھیں سامان کھڑی
سچ بات ہے بالک ہونے کی ہے دنیا میں آنند بڑی
پھر اور خوشی کی بات ہوئی جب ریت ہوئی دو کاندوں کی
رکھوائی دودھ کی مٹکی بھر اور ڈالی ہلدی بہتیری
یہ اس پہ پھینکے بھر بھر کر وہ اس پر ڈالے کھڑی گھڑی
کوئی پونچھے مکھ اور باہن کو کوئی سگری بھیگی اور نتھری
اس دودھ کی بھی رنگ رلیوں میں روپ اور ہوا ہر آنند کا
اور تن کے ابرن یوں بھیگے جو رنگ ہو کیسر کیاری کا
شکھ منڈل میں یہ دھوم مچی اور باہر نسنگی جوگی بھی
کچھ ناچیں بھانڈ بھگیتے بھی کچھ ہیجڑے پا دیں بیل پڑی

آنند بدھاوے باج نبے نرسنگے برنا اور تُرئی

رنگین سُنہرے پالنے بھی لے ہاتھ کٹہرے کتنے برتی

ہر آن اُچھلتے تھے مانک کیا گنتی سونے روپے کی

نند اور جسوداؔ نے ایسی کی شادی بالک ہونے کی

جو بھگی جوگی تھے ان کو اس آن نپٹ خوش حال کیا

پھر آئے بانگے ریشم کے اور زر بھی بخشا بہتیرا

اور جتنے ناچنے والے تھے اسباب انہیں بھی خوب دیا

مہمان جو گھر میں آئے تھے سب ان کا بھی ارمان رکھا

دن رات چھٹی کے ہونے تک من خوش کیا لوگ لگائی کا

پھر تھال روپے اور مہریں دیں جب نیگ چکایا دائی کا

نند اور جسودا بالک کو واں ہاتھوں چھاؤں میں تھے رکھتے

نت پیار کریں من واریں ستھری ابرن گھنے بنتے

جی بہلاتے من پرچاتے اور خوب کھلونے منگواتے

ہر آن جھلاتے پلنے میں ادھر اور اُودھر ٹہلاتے

کر یاد نظیرؔ اب ہر ساعت اس پالنے اور اُس جھولے کی

آنند سے بیٹھو چین کرو جے بولو کان جھنڈولے کی

نظیر

۸۷۔ ہولی

آ جھمکے عیش و طرب کیا کیا جب حُسن دکھایا ہولی نے
ہر آن خوشی کی دھوم ہوئی یوں لطف جتایا ہولی نے
ہر خاطر کو خرسند کیا ہر دل کو لُبھایا ہولی نے
دف رنگیں نقش سُنہری کا جس وقت بجایا ہولی نے
بازار گلی اور کوچوں میں غل شور مچایا ہولی نے

یا سوانگ کہوں یا رنگ کہوں یا حُسن بتاؤں ہولی کا
سب ابرن تن پر جھمک رہا اور کیسر کا ماتھے ٹیکا
ہنس دینا ہر دم ناز بھرا دکھلانا سج دھج شوخی کا
ہر گالی مصری قند بھری ہر ایک قدم اٹکھیلی کا
دل شاد کیا اور موہ لیا یہ جوبن پایا ہولی نے

کچھ طبلے کھٹکے تال بجے کچھ ڈھولک اور مردنگ بجی
کچھ ضربیں بین ربابوں کی کچھ سارنگی اور چنگ بجی
کچھ تار طنبوروں کے جھنکے کچھ ڈھمڈھی اور مُنہ چنگ بجی
کچھ گھنگرو کھٹکے جھم جھم جھم کچھ گت گت پر آہنگ بجی
ہے ہر دم ناچنے گانے کا یہ تار بندھایا ہولی نے

ہر جا گہ تھال گلالوں سے خوش رنگت کی گلکاری ہے
اور ڈھیر عبیروں کے لاگے سو عشرت کی تیاری ہے
ہیں راگ بہاریں دکھلاتے اور رنگ بھری پچکاری ہے
منہ سرخی سے گلنار ہوئے تن کیسر کی سی کیاری ہے
یہ روپ جھمکتا دکھلایا یہ رنگ دکھایا ہولی نے

پوشاکیں چھڑکی رنگوں کی اور ہر دم رنگ فشانی ہے
ہر وقت خوشی کی جھمکیں ہیں پچکاری کی زرشانی ہے
کہیں ہوتی ہے دھینگا مشتی کہیں ٹھٹھری کھینچا تانی ہے
کہیں لٹیاں جھمکیں رنگ بھری کہیں عجب کیچڑ پانی ہے
ہر چار طرف خوش حالی کا یہ جوش بڑھایا ہولی نے

ہر آن خوشی سے آپس میں سب ہنس ہنس رنگ چھڑکتے ہیں
تن رنگ گلالوں سے گلگوں کپڑوں سے رنگ ٹپکتے ہیں
کچھ آگ اور رنگ بھڑکتے ہیں کچھ مے کے جام چھلکتے ہیں
کچھ کودیں ہیں کچھ اچھلیں ہیں کچھ ہنستے ہیں کچھ بکتے ہیں
یہ طور یہ نقشہ عشرت کا ہر آن بنایا ہولی نے

محبوب پری رو پیاروں کی ہر جانب نوکا جھونکی ہے
کچھ آن رنگیلی بلتی ہے کچھ بان ادھر سے روکی ہے

کچھ سینیں ترچھی سحر بھری کچھ گھات لگاوٹ خو کی ہے

کچھ شور ہا ہا ہا ہا کا کچھ دھوم اُہو ہو ہو کی ہے

یہ عیش یہ خوبا یہ کام یہ ڈھب ہر آن جتایا ہولی نے

معجونوں سے رنگ لال ہوئے کہیں چلتی مے کی پیالی ہے

کہیں ساز طرب کے بجتے ہیں دل شاداں مُنہ پہ لالی ہے

سو کثرت عیش و مسرت کی خوش وقتی اور خوش حالی ہے

کچھ بولی ٹھٹولی پیار بھری کچھ گالی ہے کچھ تالی ہے

ان چرچوں کا ان چہلوں کا یہ بار لگایا ہولی نے

ہیں کیا کیا ہر میں رنگ بھرے اور سوانگ بنا کیا کیا آتے ہیں

کر باتیں ہر دم چہل بھری خوش ہنستے اور ہنساتے ہیں

کچھ جوگی چیلے بیٹھے ہیں کچھ کامینوں کے گاتے ہیں

کچھ اور طرح کے سوانگ بنیں کچھ ناچتے اور کچھ گاتے ہیں

ہر آن نظیر اس فرحت کا سامان دکھایا ہولی نے

نظیر

۸۸۔ ہولی کی بہار

جب پھاگن رنگ جھمکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی
اور دف کے شور کھڑکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی
پریوں کے رنگ دمکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی
خُم شیشے جام چھلکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی
محبوب نشے میں چھکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

ہو ناچ رنگیلی پریوں کا بیٹھے ہوں گل رو رنگ بھرے
کچھ بھیگی تانیں ہولی کی کچھ ناز و ادا کے ڈھنگ بھرے
دل بھولے دیکھ بہاروں کو اور کانوں میں آہنگ بھرے
کچھ طبلے کھڑکیں رنگ بھرے کچھ عیش کے دم منہ چنگ بھرے
کچھ گھنگرو تال چھنکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

سامان جہاں تک ہوتا ہے اس عشرت کے مطلوبوں کا
وہ سب سامان مہیّا ہو اور باغ کھلا ہو خوبوں کا
ہر آن شرابیں ڈھلتی ہوں اور ٹھٹھ ہو رنگ کے ڈوبوں کا
اس عیش و مزے کے عالم میں اک غول کھڑا محبوبوں کا
کپڑوں پر رنگ چھڑکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

اس رنگ رنگیلی مجلس میں وہ رنڈی ناچنے والی ہو
مُنہ جس کا چاند کا ٹکڑا ہو اور آنکھ بھی مے کی پیالی ہو
بدمست بڑی متوالی ہو ہر آن بجاتی تالی ہو
مے نوشی ہو بے ہوشی ہو بھڑوے کے منہ میں گالی ہو
بھڑوے بھی بھڑوا بکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

اور ایک طرف دل لینے کو محبوب بھوّیوں کے لڑکے
ہر آن گھڑی گت بھرتے ہوں کچھ گھٹ گھٹ کے کچھ بڑھ بڑھ کے
کچھ ناز جتاویں لڑ لڑ کے کچھ ہولی گاویں اڑ اڑ کے
کچھ لچکے شوخ کمر پتلی کچھ ہاتھ چلے کچھ تن پھڑکے
کچھ کافر نین مٹکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

یہ دھوم مچی ہو ہولی کی اور عیش مزے کا جھکڑ ہو
اس کھینچا کھینچ گھسیٹی میں بھڑوا رنڈی کا پھکڑ ہو
معجون شرابیں ناچ مزا اور ٹکیا سلفا لکڑ ہو
لڑ بھڑ کے نظیر بھی نکلا ہو کیچڑ میں لتھڑ پتھڑ ہو
جب ایسے عیش مہکتے ہوں تب دیکھ بہاریں ہولی کی

نظیر

۸۹۔ دوالی کے جواری

ہر اک مکاں میں جلا پھر دیا دوالی کا ہر اک طرف کو اُجالا ہوا دوالی کا
سبھی کے دل میں سماں بھا گیا دوالی کا کسی کے دل کو مزا خوش لگا دوالی کا
عجب بہار کا ہے دن بنا دوالی کا

صرف حرام کی کوڑی کا جن کا ہے بیوپار انہوں نے کھایا ہے اس کے واسطے ہی اُدھار
کہے ہیں ہنس کے قرض خواہوں سے ہر اک ایک بار دوالی آئی ہے سب دیں چلائیں گے اے یار
خدا کے فضل سے ہے آسرا دوالی کا

مکان لیپ کے ٹھلیا جو کوری رکھوائی جلا چراغ کو کوڑی وہ جلد جھنکائی
اصل جواری تھے ان میں تو جان سی آئی خوشی سے کود اچھل کر پکارے او بھائی
شگون پہلے کرو تم ذرا دوالی کا

شگن کی بازی لگی پہلے بار گنڈے کی پھر اس سے بڑھ کے لگی تین چار گنڈے کی
پھری جو ایسی طرح بار بار گنڈے کی تو آگے لگنے لگی پھر ہزار گنڈے کی
کمال نرخ لگا پھر تو آ دوالی کا

کسی نے گھر کی حویلی گرو رکھا ہاری جو کچھ تھی جنس میسّر بنا بنا ہاری
کسی نے چیز کسی کی چرا چھپا ہاری کسی نے گٹھری پڑوسن کی اپنی لا ہاری
یہ ہار جیت کا چرچا پڑا دوالی کا

کسی کو داؤ پہ لا نکّی موٹھ نے مارا   کسی کے گھر پہ دھرا سوختہ نے انگارا
کسی کو نرد نے چوپڑ کے کر دیا زارا   لنگوٹی باندھ کے بیٹھا ازار تک ہارا
یہ شور آ کے مچا جا بجا دوالی کا

کسی کی جورو کہے ہے پکار دے بھڑوے   بہو کی نوگری بیٹے کے ہاتھ کے کھڑوے
جو گھر میں آوے تو سب مل کے ہیں سو گھڑوے   نکل تو یاں سے ترا کام یاں نہیں بھڑوے
خدا نے تجھ کو شہدا کیا دوالی کا

وہ اس کے جھونٹے پکڑ کر کہے ہے ماروں گا   ترا جو گہنا ہے سب تار تار تاروں کا
حویلی اپنی تو اک داؤ پر میں ہاروں گا   یہ سب تو ہارا ہوں خندی تجھے بھی ہاروں گا
چڑھا ہے مجھ کو بھی اب تو نشا دوالی کا

تجھے خبر نہیں خندی یہ لت وہ پیاری ہے   کسی زمانہ میں آگے ہوا جو جواری ہے
تو اس نے جورو کی نتھ اور ازار اتاری ہے   ازار کیا ہے کہ جورو تلک بھی ہاری ہے
سنا یہ تو نے نہیں ماجرا دوالی کا

یہ باتیں سچ ہیں نہ جھوٹ ان کو جانیو یارو   نصیحتیں ہیں انہیں دل میں ٹھانیو یارو
جہاں کو جاؤ یہ قصہ بکھانیو یارو   جو جواری ہو نہ برا اس کا مانیو یارو
نظیر آپ بھی ہے جواریا دوالی کا

نظیر

۹۰. سلونوں کی راکھی

چلی آتی ہے اب تو ہر کہیں بازار کی راکھی
سنہری سبز ریشم زرد اور گلنار کی راکھی
بنی ہے گو کہ نادر خوب ہر سردار کی راکھی
سلونوں میں عجب رنگیں ہے اس دلدار کی راکھی
نہ پہنچے ایک گل، لو یار جس گلزار کی راکھی

عیاں ہے اب تو راکھی بھی چمن بھی گل بھی شبنم بھی
جھمک جاتا ہے موتی اور جھلک جاتا ہے ریشم بھی
تماشا ہے اہا ہا ہا غنیمت ہے یہ عالم بھی
اٹھانا ہاتھ پیارے واہ وا ٹک دیکھ لیں ہم بھی
تمہاری موتیوں کی اور زری کے تار کی راکھی

مچی ہے ہر طرف کیا کیا سلونوں کی بہار اب تو
ہر اک گل رو پھرے ہے راکھی باندھے ہاتھ میں خوش ہو
ہوس جو دل میں گزرے ہے کہوں کیا آہ میں تم کو
یہی آتا ہے جی میں بن کے باہمن آج تو یارو
میں اپنے ہاتھ سے پیارے کے باندھوں پیار کی راکھی

ہوئی ہے زیب و زینت اور خوباں کو تو راکھی سے
ولیکن تم سے اے جاں اور کچھ راکھی کے گل پھولے

دوانی بلبلیں ہوں دیکھ، گل چننے لگیں تنکے
تمہارے ہاتھ نے مہندی نے انگشتوں نے ناخن نے

گلستاں کی چمن کی باغ کی گلزار کی راکھی

ادا سے ہاتھ اٹھنے میں گل راکھی جو ہلتے ہیں
کلیجے دیکھنے والوں کے کیا کیا آہ چھلتے ہیں

کہاں نازک یہ پہنچے اور کہاں یہ رنگ ملتے ہیں
چمن میں شاخ پر کب اس طرح کے پھول کھلتے ہیں

جو کچھ خوبی میں ہے اس شوخ گل رخسار کی راکھی

پھریں ہیں راکھیاں باندھے جو ہر دم حسن کے مارے
تو ان کی راکھیوں کو دیکھ اے جاں چاؤ کے مارے

پہن زنار اور قشقہ لگا ماتھے اوپر بارے
نظیرؔ آیا ہے باہمن بن کے راکھی باندھنے پیارے

بندھا لو اس سے تم ہنس کر اب اس تیوہار کی راکھی

نظیرؔ

۹۱۔ طرزِ جنگ

خوف غالب تھا مگر شرم سے خونخوار بڑھا
ڈھال ہٹ کے ہوئے تورے ہوئے تلوار بڑھا
فن پھکیتی کا دکھاتا ہوا مکار بڑھا
ہٹ گیا موڑ گیا دو بار تو اک بار بڑھا
ڈر کبھی تھا کبھی جرأت تھی دلِ بدخو میں
سامنے تھا کبھی نامرد کبھی پہلو میں

تن کے بڑھتا تھا کبھی جھک کے دبکتا تھا کبھی
ہٹ کے پیچھے بغضب شیر کو تکتا تھا کبھی
نیمچہ دیکھ کے بڑھنے میں جھجکتا تھا کبھی
سر کو شعلے کی طرح دھن کے لپکتا تھا کبھی
یہاں سے نعرہ تھا کہ افسوں نہ یہ بیکار دکھا
پھرتیاں دیکھ چکے وار بھی دو چار دکھا

وحید

۹۲۔ ارزق پہلوان اور حضرت قاسم کا مقابلہ

صدا یہ دلبرِ شبّر نے دی کہ او بے دیں
زمیں سے چار دن کے مُردے اُٹھائیگا کہ نہیں
اب آ دلیر سے لڑنے کو او شقی و لعیں
جہاں اسیر ہیں تیرے بھیج دیں تجھے بھی وہیں
یہ دیر تشنہ دہانوں پہ شاق ہے اب تو
وغا کا تجھ سے ہمیں اشتیاق ہے اب تو

چلے حُسام زباں کے جو وہ لد پھر دو چار — خفیف اور ہوا دل میں ازرق غدار

چڑھا فرس پہ جفا جو سجے ہوئے ہتیار — چلا وہیں سے وہ سرکش علم کئے تلوار

شمال گرد یمین و یسار تکتا تھا

نظر سے قہر تو آنکھوں سے خوں ٹپکتا تھا

سیاہ قلب فساد و عناد پہ گرم — حیا نہ آنکھ میں ذرہ نہ مطلقاً آزرم

شقی شریر جفا کیش سنگدل بے شرم — وہ استخواں کہ ہو فولاد جس کے سامنے نرم

کسی کو روم میں اور شام میں نہ مانتا تھا

وہ اپنے زعم میں رستم کو زال جانتا تھا

وہ نحس ہد کہ ڈرے جس کا سایہ دیکھ کے بوم — وہ تیرہ رنگ کہ جس سے سواد شام ہو روم

گریز دیو بھی جس سے کرے وہ قحبہ شوم — سیہ کلائی تھی یا پیل مست کی خرطوم

گڑھے زمیں پہ جہاں پاؤں بے ادب جائے

وہ قد کا بار کہ جس سے پہاڑ دب جائے

وہ عضو عضو کی سختی وہ فربہی تن کی — نہ جس کے سامنے کچھ اصل تھی تہمتن کی

وہ چار آئینہ کڑیاں کڑی وہ جوشن کی — [illegible] بپر سپر کیسی [illegible] کی

وہ تیغ جس کا نہ سنگر ہزار سے اُٹھے

وہ نیزہ جو کہ نہ اسفندیار سے اُٹھے

تنی ہوئی تھی [illegible] طرح سے گردن کی — [illegible]

درہ تھا کوہ کا جو شان صدر دشمن کی فرس نے جست جو کی ہل گئی زمیں اون کی
عقب میں اس کے جو ہیں جمع تھے گرجنے لگے
ادھر سپاہ میں طنبور و طبل بجنے لگے

مقابلہ کو بڑے طنطنے سے آ پہنچا اکڑ کے سامنے غازی کے بے جبا پہنچا
اٹھائی تیغ دو دم دشمن خدا پہنچا ملا کے آنکھ قریب یہ اسد بھی جا پہنچا
فلک پہ اٹھ کے سم اسپ سے غبار چلا
جدل سے پہلے حسام مظفر کا وار چلا

رجز کے بعد شقی مثل فیل چنگھارا اوٹھا کے سر کبھی ترچھا ہوا کبھی آڑا
زمیں سے نیزہ اکھاڑا کبھی کبھی گاڑا غبار راہ کو پونچھا کبھی کبھی جھاڑا
کبھی بڑا تو کبھی پاؤں تھرتھرانے لگا
فرس پہ جھوم کے نوشا مسکرانے لگا

ڈریں یہ جس سے تو بادل کی طرح پھر گرجا کہا کہ زور کا میرے ہے غلغلہ ہر جا
پہاڑ کو جو ہٹاؤں سد ہے نہ وہ برجا مرا ہے نام وروں میں بڑھا ہوا درجا
مقابلہ مرا جس نے کیا وہ ہارا ہے
اسد کی اصل ہے کیا اژدروں کو مارا ہے

پکارا دلبر شبیر کہ تو عبث گرجا ہماری تیغ کی بجلی کا شور ہے ہر جا
رہیں گے ہوش نہ ڈر سے مرے تو بے برجا یہ تیغ تیز کرے گی ترا برا درجا

کھلے ہوئے تھے خاطر عدم کے رستے ہیں
زیادہ جو ہیں گرجتے وہ کم برستے ہیں

کہا شقی نے ڈریں جن جو میری تیغ چلے
پکڑ لوں شبر کی گردن اگر تو سانس نہ لے
جسے میں غیظ سے دیکھوں نہ موت سر سے ٹلے
جری وہ میں ہوں کہ کاٹے ہیں سیکڑوں کے گلے
وہ تھا یہ مجھ سے کوئی بیل زور تل نہ سکا
کسی سے اک مرے نیزہ کا بند کھل نہ سکا

پکارا ابڑھ کے جگر بند سید والا
زباں کو بند کر اب ہاتھ میں اٹھا بھالا
وہ میں ہوں ضیغم رسب سے زور میں بالا
علیؓ کے شیروں نے آغوش میں جسے پالا
لہو بہا کے تجھے اب جہاں سے کھوتا ہوں
حسینؓ کا ہوں بھتیجا علیؓ کا پوتا ہوں

کسی سے شیر خدا کے پسر نہیں ڈرتے
شریر لاکھ کریں شور و شر نہیں ڈرتے
تعلیوں سے تری پُر جگر نہیں ڈرتے
سگوں کے بھونکنے سے شیر نر نہیں ڈرتے
ہماری ضرب سے جبراں فوج والے ہوئے
سکے بیکس کے پڑے ہیں زباں نکالے ہوئے

بتا کہ زیر کیا ہم نے فوج کو کیسا
نہ دیکھا ایک کو غضب طہ تھا سنا جیسا
وہ چاروں جیسے تھے نامرد تو بھی ہی ویسا
رہے گا شور ہم اس ساہیں میں لڑے ایسا

اسد کو زور میں کم وقت جنگ جانتے ہیں
ہم ایسے بودوں سے لڑنے کو ننگ جانتے ہیں

وغا کے جوش میں لو دو طرف کھنچی تلوار — سنبھل کے لیں سپریں ہاتھ اٹھے بڑھے رہوار
ادھر سے سب سمٹ آئے پیادہ و سوار — چار سمت سے ہے اک غل بگیر و بدار
مگر یہ ڈر بھی کہ ایسا نہ ہو کہ پسپا ہو
لڑی ہوئی ہیں نگاہیں کہ دیکھئے کیا ہو

کبھی ہے خود پہ یہ تیغ اور سپر پہ کبھی — ملی ہوئی ہے گلے سے کبھی کمر پہ کبھی
کبھی کلائی پہ ہے دوش فتنہ گر پہ کبھی — کبھی بغل کی طرف صدر اہل شر پہ کبھی
مجال و تاب نہیں آنکھ چار کرنے کی
شقی کو بار نہیں ملتی وار کرنے کی

چمک کے تیغ دو دم سے کبھی جھجکتا ہے — کبھی زبان کبھی دست قوی بھکتا ہے
کبھی ادھر تو کبھی اس طرف بھٹکتا ہے — جھکا کے سر کبھی پیچھے قدم سرکتا ہے
امید فتح نہیں زندگی کی آس نہیں
تھکا نے ہوش نہیں ہیں بجا حواس نہیں

بڑھا سنبھل کے ادھر سے شقی و ظلم پسند — قریب آ گیا شبدیز تیز بہر گزند
وہ آئے بائیں طرف دست ظلم کر کے بلند — یہ آئے دہنی طرف شیر سے اڑا کے سمند

انھیں جو چھپان تھا اس حد پہ آگیا ظالم
قدم غریں سے رُخ کے زد پہ آگیا ظالم

لگائی تیغ دو دم کہہ کے یا علی ولی — اُٹھا لعین کا سر نحس پھر نہ موت ٹلی
گلے سے کھینچ کے دوبارا جیبھ کر یہ چلی — دوبارہ ہو کے گرا دشمنِ خدا و علی رض

غرور شیر نے بدمست کا نکال دیا
زمیں پہ فیل کو چو رنگ کر کے ڈال دیا

نفیس

۹۳ چوسر کا کھیل

عجب طرح کی ورنگین چوپڑ غرض بچھائی ہے اب خدا نے
کوئی ہے پھنکل کسی کا جگ ہی پھریں ہیں نرد ہیں بھی خانے خانے
جو پا سا پھینکے بنا بنا کر وہ داؤں کتنے ہی دل میں ٹھانے
جو چاہتا ہو اٹھارہ آویں تو اس کو پڑتے ہیں تین جانے
پڑے بھٹکتے ہیں لاکھ دانا کروڑ دل پنڈت ہزار سیانے
جو خوب دیکھا تو یارو آخر خدا کی باتیں خدا ہی جانے

نظیر

۹۴ ریچھ کا تماشا

کل راہ میں جاتے جو ملا ریچھ کا بچہ　　لے آئے وہیں ہم بھی اٹھا ریچھ کا بچہ
سو نعمتیں کھا کھا کے پلا ریچھ کا بچہ　　جس وقت بڑھا ریچھ ہوا ریچھ کا بچہ
جب ہم بھی چلے ساتھ چلا ریچھ کا بچہ

تھا ہاتھ میں اک اپنے سوا من کا جو سونٹا　　لوہے کی کڑی اس پہ کھڑکتی تھی سراپا
کاندھے پہ چڑھا جھولنا اور ہاتھ میں پیالا　　بازار میں لے آئے دکھانے کو تماشا
آگے تو ہم اور پیچھے وہ تھا ریچھ کا بچہ

تھا ریچھ کے بچے پہ وہ گہنا جو سراسر　　ہاتھوں میں کڑے سونے کے بجتے تھے جھمک کر
کانوں میں دُر اور گھنگرو پڑے پاؤں کے اندر　　وہ ڈور بھی ریشم کی بنائی تھی جو پُر زر
جس ڈور سے یارو تھا بندھا ریچھ کا بچہ

جھمکے وہ جھمکتے تھے پڑے جن پہ کرن پھول　　مقیش کی لڑیوں کی پڑی پیٹھ اوپر جھول
اور ان کے سوا کتنے تھمائے تھے جو گل پھول　　یوں لوگ گرے پڑتے تھے سر پاؤں کی سدھ بھول
گویا وہ پری تھا کہ نہ تھا ریچھ کا بچہ

اک طرف کو تھیں سیکڑوں لڑکوں کی پکاریں　　اک طرف کو تھیں پیر و جوانوں کی قطاریں
کچھ ہاتھیوں کی قیقی اور اونٹوں کی ڈکاریں　　غل شور مزے بھیڑ ٹھٹھ انبوہ بہاریں
جب ہم نے کیا لا کے کھڑا ریچھ کا بچہ

کہتا تھا کوئی ہم سے میاں آؤ قلندر — وہ کیا ہوئے اگلے جو تمہارے تھے وہ بندر
ہم ان سے یہ کہتے تھے یہ پیشہ ہے قلندر — ہاں چھوڑ دیا بابا انہیں جنگل کے اندر

جس دن سے خدا نے یہ دیا ریچھ کا بچہ

مدت میں اب اس بچہ کو ہم نے ہے سدھایا — لڑنے کے سوا ناچ بھی اس کو ہے سکھایا
یہ کہہ کے جو ڈھپلی کے تئیں گت پہ بجایا — اس ڈھب سے اسے چوک کے جمگھٹ میں نچایا

جو سب کی نگاہوں میں کھبا ریچھ کا بچہ

پھر ناچ کے وہ راگ بھی گایا تو وہاں واہ — پھر کہروا ناچا تو ہر اک بولی زباں واہ
ہر چار طرف سے کہیں پیر و جواں واہ — سب ہنس کے یہ کہتے تھے میاں واہ میاں واہ

کیا تم نے دیا خوب نچا ریچھ کا بچہ

اس ریچھ کے بچہ میں تھا اس ناچ کا ایجاد — کرتا تھا کوئی قدرت خالق کے تئیں یاد
ہر کوئی یہ کہتا تھا خدا تم کو رکھے شاد — اور کوئی یہ کہتا تھا ارے واہ رے استاد

تو بھی جئے اور تیرا سدا ریچھ کا بچہ

جب ہم نے اٹھا ہاتھ کڑوں کو جو ہلایا — خم ٹھونک پہلواں کی طرح سامنے آیا
لپٹا تو کشتی کا ہنر آن دکھایا — جو چھوٹے بڑے جتنے تھے ان سب کو رجھایا

ہم بھی نہ تھکے اور نہ تھکا ریچھ کا بچہ

جب کشتی کی ٹھہری تو وہیں سر کو جو جھاڑا — للکار کے پھر اس نے وہیں آن اکھاڑا

گر ہم نے پچھاڑا اسے گھٹنے نہ بچھاڑا — اک ڈیڑھ پہر ہو گیا کشتی کا اکھاڑا
گو ہم بھی نہ ہارے نہ ہارا ریچھ کا بچہ

یہ داؤں میں پیچوں میں جو کشتی میں ہوئی دیر — یو بہتے لپٹ پیسے کہ آندھی بن گو یا بیر
سب نقد جو بیٹے آکے سوا لاکھ روپئے ڈھیر — جو کہتا تھا ہر ایک سے اس طرح سے منہ پھیر
یارو تو لٹا دیکھو زرا ریچھ کا بچہ

کہتا تھا کھڑا کوئی جو کر آہ اہا ہا — اس کے تم ہی استاد ہو واہ اہا ہا
یہ سحر تم سے تو ناگاہ اہا ہا — کیا کہیئے غرض آخرش اے واہ اہا ہا
ایسا تو نہ دیکھا نہ سنا ریچھ کا بچہ

جس دن سے نظیر اپنے تو دل شاد یہی ہیں — جاتے ہیں جدھر کو ادھر ارشاد یہی ہیں
سب کہتے ہیں وہ صاحب ایجاد یہی ہیں — کیا دیکھتے ہو تم کھڑے استاد یہی ہیں
کل چوک میں تھا جن کا لڑا ریچھ کا بچہ

نظیر

٩٥۔ آگرہ کی تیراکی

جب پیرنے کی رت میں دلدار پیرتے ہیں — عاشق بھی ساتھ ان کے غمخوار پیرتے ہیں
بھولے ہیں جا کے غفلت ان کے شیدا بھی پیرتے ہیں — پھر چلبلے وہ لڑکے عیار پیرتے ہیں

ادنیٰ غریب مفلس زردار پیرتے ہیں
اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

جھرنے سے لے کے یارو تنہا کنارا پیارا
چھتری سے برج خونی دارا کا چونترا کیا
مہتاب باغ، سید تیلی قلعہ و روضہ
غل شور کی بہاریں انبوہ سیر چرچا

ہر اک مکاں میں ہو کر ہشیار پیرتے ہیں
اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

باغ حکیم اور جو شیو واس کا چمن ہے
ان میں جگہ جگہ پر مجلس ہے انجمن ہے
میوہ مٹھائی کھانے او نلج دل لگن ہے
کچھ پیرنے کی دھومیں کچھ عیش کا چلن ہے

ہر اک مکاں میں ہو کر ہشیار پیرتے ہیں
اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

برسات میں جو آکر چڑھتا ہی خوب دریا
ہر جا گھڑی و چادر بندا اور نا ند چکوا
مینڈھا بھسورا چھالن چکر سمیت مالا
مینڈ گمیر تختہ کتّے پچھاڑ کرا

وان بھی ہنر سے اپنے ہشیار پیرتے ہیں
اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

تو ہنی میں اہالہ ہوتی ہیں کیا بہاریں
خلقت کے ٹھٹ ہزاروں ہر اک کی قطاریں
پیریں نہاویں اچھلیں کودیں لڑیں پکاریں
لیتے وہ جیت غوطے کی کھا کے [illegible]

کیا کیا تماشے کر کر اظہار پیرتے ہیں
اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

جمنا کا پاٹ گویا صحن چمن ہے پیارے — پیراک اس میں پیریں جیسے کہ چاند تارے
منہ چاند کے سے ٹکڑے تن گورے پیارے پیارے — پریوں سے بھر رہے ہیں منجدھار او کنارے
کچھ وار پیرتے ہیں کچھ پار پیرتے ہیں
اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

کتنے کھڑے ہیں پیریں اپنا دکھا کے سینہ — سینہ چمک رہا ہے ہیرے کا جوں نگینہ
آدھے بدن پہ پانی آدھے پہ ہے پسینہ — سردوں کا بہ چلا ہے گویا کہ اک قرینہ
دامن کمر پہ باندھے دستار پیرتے ہیں
اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

چاقیاں میں کتنے پانی پہ صاف ہوتے — کتنوں کے ہاتھ پنجرے کتنوں کے سر پہ طوطے
کتنے پتنگ اڑاتے کتنے سوئی پروتے — حقوں کا دم لگاتے ہنس ہنس کے شاد ہوتے
سو سو طرح کے کر کر ابستار پیرتے ہیں
اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

کچھ ناچ کی بہاریں پانی کے کچھ تاڑے — دریا میں بیچ ہے ہیں اندر کے سو اکھاڑے
پیرز کی خوبی سے ہر طرف کرارے — بجرے و ناؤ چیتو ڈونگی نئے نواڑے

ان جھمگھٹوں سے ہوکر سرشار پیرتے ہیں
اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

ناؤں میں وہ جو گلرو ناچیں ہیں چھنک رہی ہیں — جوڑے بدن میں رنگیں گہنے چھنک رہی ہیں
تانیں ہوا میں اٹھتی طبلے کھڑک رہے ہیں — عیش و طرب کی دھومیں پانی چھپک رہی ہیں
سو ساٹھ کے بناکر اطوار پیرتے ہیں
اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

ہر آن بولتے ہیں سید کبیر کی جے — پھر اس کے بعد اپنے استاد پیر کی جے
سور و مکٹ کنہیا جمنا کے تیر کی جے — پھر غول کے سب اپنے خرد و کبیر کی جے
ہر دم بہ کر خوشی کی گفتار پیرتے ہیں
اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

کیا کیا نظیر یاں کے ہیں پیرنے کے بانی — ہیں جن کے پیرنے کی ملکوں میں آن مانی
استاد اور خلیفہ شاگرد یار جانی — سب خوش رہے ہیں جب تک جمنا کے بیچ پانی
کیا کیا ہنسی خوشی سے ہر بار پیرتے ہیں
اس آگرہ میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

نظیر

۹۶۔ آصف الدولہ کی سخاوت

درو دروازہ یوں جواب کس کا — کہ نہ واں بیل و پیلباں ہووے

خوانِ نعمت نہیں ہے ایک کا یوں — جس پہ تا سو نہ میہماں ہووے

عیش و عشرت سے ہے سدا دمساز — پیر ہو کوئی یا جواں ہووے

ہے جو کچھ جس کنے سبے اس کی عطا — آصف الدولہ اور جہاں ہووے

دیکھ کر جس کو خلق بولے ہے — تو ہو اور عمر جاوداں ہووے

تجھ سا آفاق میں ہو جب ممدوح — اور سودا سا مدح خواں ہووے

نہیں شایاں کہ عرض مطلب کی
اس کے ہر بار بر زباں ہووے

سودا

۹۷۔ عیش پرستی

عجب لوگ ہیں وہ کہ جن کو مدام — نہیں ہے بجز خوش دلی اور کام

میسر ہے ہر وقت خوباں کا دید — ہے ہر شب شبِ قدر و ہر روز عید

کسی زلف سے گاہ کرتے ہیں لہو — گہے نشے میں رہتے ہیں محو

گہے بوس لب سے کنایات ہے — گہ آنکھوں میں حرف و حکایات ہے

کبھو دے ہے وہ لاکھ زوروں سے جام — کبھو لے ہے یہ سو نہوروں سے کام
کبھو سیر بجتی ہے آہنگ کی — کبھو تھاپ لگتی ہے مردنگ کی
کبھی ناچتا ہے وہ مہوش حضور — کہ جوں برق رخشندہ بکھیرے نور
ہے جنبش میں جس کی یہ سب تاؤ بھاؤ — کہ جوں شعلہ بھڑکے ہے بہنے سے باؤ
وہ نکلی یہ سب زیب و زیور میں غرق — کہ نکلے ہے جس طرح بادل سے برق
کروں کیا میں صورت کا اس کی بیاں — کہ ہر عضو اس کا تھا آشوبِ جاں
نہ تھی خلقت سے اس آب و گل کی پری — نجانے کہ تھی حور یا وہ پری
وہ گھنگرو کہ جن کی جھمک یہ بلائے — کہ مردہ کو خوابِ عدم سے جگائے
بجی ان کی جب پاؤں میں اس کے جا — ہوا چار سو شورِ محشر بپا
زبس عود سوز دل روشن تھا عود — تھی بوئے خوش آتی کثیر الوجود
کہ کہتی تھی گھبرا کے ہر دم نسیم — کہ اٹھتا نہیں مجھ سے بارِ شمیم
مئے لعل مانندِ خونِ حمام — کہ یاقوت جس کا ہے ادنیٰ غلام
ہر اک سمت تھا اس کا مجلس میں دور — پیے تھے زن و مرد پانی کے طور

یہ نہیں تھا کوئی لحظہ بے نائے و نوش
تھے عیش و طرب ہمدگر گرم جوش

قائم

۹۸۔ شادی کی دھوم

وہ جیغہ وہ سرپیچ جوہر نگار
عدو کو یہ اختر ہے دنبالہ دار

نہ الماس کے تکمہ کا ہے ظہور
گرہ ہو رہا ہے تجلّی کا نور

وہ بازو پہ کیا نورتن جلوہ گر
کئی رنگ کے پھول اک شاخ پر

کمربند میں تکمۂ لعل ناب
شفق رنگ نصف النہار آفتاب

دلوں میں ہیں کیس کی شادی کے چاؤ
کہ ہے شاہدانِ چمن کا بناؤ

رکھا آئینہ آب کو روبرو
سنورتا ہے سروِ لبِ آبِ جو

ہر اک سو عجب ہیں خوش اندامیاں
چلے سازیاں حلہ پردازیاں

ہر اک برج پر روشنی کا عروج
زمیں آسماں وار ذات البروج

فلک پر تھی دود چراغاں کو راہ
لگا لینے کاجل سکورے پہ ماہ

مچا شادیانوں کا غل تا فلک
گئے بھول تسبیح خوانی ملک

یہ ہر ایک شہنا سے آئی صدا
کہ تجھ کو مبارک یہ شادی شہا

کرے فیض کا تجھ سے وہ اکتساب
کہ نوشہ ہے مہ اور تو آفتاب

رہے ساز تا دست ناہید میں
شباہت تا جام رخ خورشید میں

تری بزم میں جام ہو روز و شب
مے عیش اور نغمہ ہائے طرب

ممنون

۹۹۔ مفلس کے گھر شادی

مفلس جو بیاہ بیٹی کا کرتا ہے بول بول
پیسا کہاں؟ جو جاکے وہ لاوے جہیز مول
جورو کا وہ گلا ہے کہ ہو جیسے پھوٹا ڈھول
گھر کی حلال خوری تلک کرتی ہے ٹھٹھول
ہیبت تمام اس کی اٹھاتی ہے مفلسی

بیٹے کا بیاہ ہووے تو بھائی یہ ساتھی ہے
نے روشنی نہ باجے کی آواز آتی ہے
ماں پیچھے ایک میلی چدر اوڑھے جاتی ہے
بیٹا بنا ہے دولہ تو باوا براتی ہے
مفلس کی یہ برات چڑھاتی ہے مفلسی

گر بیاہ کر چلا ہے سحر کو تو یہ بلا
شہدا نزنانا ہیجڑا اور بھاٹ منڈ چڑا
گھیرے ہوئے اسے چلے جاتے ہیں جا بجا
وہ آگے آگے لڑتا ہوا جاتا ہے چلا
اور پیچھے ٹھیڑیوں کو بجاتی ہے مفلسی

دروازہ پر زنانے بجاتے ہیں تالیاں
اور گھر میں بیٹھی ڈومنی دیتی ہیں گالیاں
مالن گلے کا ہار ہو دوڑے لے ڈالیاں
سقہ کھڑا سناتا ہے باتیں رذالیاں
یہ خواری یہ خرابی دکھاتی ہے مفلسی

نظیر

۱۰۰۔ شہر آشوب

کہا میں آج یہ سودا سے کیوں تو ڈانواڈول
پھرے ہے، جا کہیں نوکر ہو، لے کے گھوڑا مول
لگا وہ کہنے یہ اس کے جواب میں دو بول
جو میں کہوں گا تو سمجھے گا تو کہ ہے یہ ٹھٹھول
بتا کہ نوکری بکتی ہے ڈھیریوں یا تول

سپاہی رکھتے تھے نوکر امیر دولت مند
سو آمد ان کی تو جاگیر سے ہوئی ہے بند
کیا ہے ملک کو مدّت سے سرکشوں نے پسند
جو ایک شخص ہے بائیس صوبے کا خاوند
رہی نہ اس کے تصرف میں فوجداری کول

رہی فقط عربی باجے پر انھوں کی شان
جو چاہیں اس کو نہ بجوا دیں یہ تو کیا امکان
پران کا فکر ہے تخفیف خرچ پر ہر آن
رہے گا حال اگر ملک کا یہی تو ندان
گلے میں تاشا کہاروں کے پالکی میں ڈھول

امیر اب جو ہیں دانا انھوں کی ہے یہ چال
ہوئے ہیں خانہ نشیں دیکھ کر زمانہ کا حال
بچھی ہے سوزنی خوجا کھڑا جھلے ہے رومال
حضور بیٹھے ہیں اک دو ندیم اہلِ کمال
دھری ہے رو برو اک پیکدان اک تنبول
پڑے جو کام انھیں تب نکل کے کھائی ہے
رکھیں وہ فوج جو موئی بھرے لڑائی سے
پیادے ہیں سو ڈریں سر منڈاتے نائی سے
سوار گر پڑیں سوتے میں چارپائی سے
کرے جو خواب میں گھوڑا کسی کے نیچے الول
کہے جو مودی سے جا کر دواب کے حالات
جواب دے ہے کہ ہے اونٹ تو فرشتے کی ذات
ہوا چھٹی ہے بیلوں کی اور بھس پہ برات
جو چھڑی ہیں انھوں نے پیا ہے آب حیات
تمہارے کھانے کو دانا کہو تو دیجئے تول
اور اب جو زعم میں آقا کے فیل خانہ ہے
جو ہستی اندھی ہے اس میں تو ہاتھی کانا ہے

نہ ٹھور چارے کا راتب کا نے ٹھکانا ہے
ہر ایک بھوک سے سوئے عدم روانا ہے
اب اس کو خواہ وہ پایل سمجھ لیں خواہ بجھول
کرے ہے بھوک سے شاگرد پیشہ اب یہ معاش
کہیں پلاؤ تو باورچی واں پکاوے آش
کریں قناتوں میں دربان بیٹھے پردہ فاش
تلے سے کھینچ لے مسند کو آن کر فراش
اگر کہیں کہ مشا اٹھ کے چاندنی کا جھول

سودا

۱۰۱۔ شہر آشوب

ہے اب تو کچھ سخن کا مرے اختیار بند
رہتی ہے طبع سوچ میں لیل و نہار بند
دریا سخن کی فکر کا ہے موج دار بند
ہو کس طرح نہ منہ میں زباں بار بار بند
جب آگرہ کی خلق کا ہو روزگار بند

بے روزگاری نے یہ دکھائی ہے مفلسی
کوٹھے کی چھت نہیں ہے یہ چھائی ہے مفلسی
دیوار و در کے بیچ سمائی ہے مفلسی
ہر گھر میں اس طرح سے بھر آئی ہے مفلسی
پانی کا ٹوٹ جاوے ہے جوں ایکبار بند

کڑیاں جو سال کی تھیں بکیں وہ تو اگلے سال — لاچار قرض و دام سے چھپر ہیں ڈال
پھوس اور ٹھیکرے اسکے ہیں جس کے گھر کے بال — اس کھرے پھوس سے ہی یہاں چھپروں کا حال
گویا کہ ان کے بھول گئے ہیں بچار بند

کپڑا نہ گٹھری بیچ نہ تھیلی میں زر رہا — خطرہ نہ چور کا نہ اُچکے کا ڈر رہا
سوتے کو بن کواڑ کا پھوٹا کھنڈر رہا — کھٹکا جو جاگنے کا نہ مطلق اثر رہا
آنے سے بھی جو ہو گئے چور و چکار بند

اب آگرہ میں جتنے ہیں سب لوگ ہیں تباہ — آتا نظر کسی کا نہیں ایک دم نباہ
مانگو عزیزو ایسے برے وقت سے پناہ — وہ لوگ ایک کوڑی کے محتاج اب ہیں آہ
کسب و ہنر کے یاد ہیں جن کو ہزار بند

صرّاف بنیے جوہری اور سیٹھ ساہوکار — دیتے تھے سب کو نقد سو کھاتے ہیں اب ادھار
بازار میں اُڑے ہے پڑی خاک بے شمار — بیٹھے ہیں یوں دکانوں پہ اپنی دکاندار
جیسے کہ چور بیٹھے ہوں قیدی قطار بند

سوداگروں کو سود نہ بیوپاری کو فلاح — بزاز کو ہے نفع نہ پنساری کو فلاح
دلّال کو ہے یافت نہ بازاری کو فلاح — دکھیا کو فائدہ نہ لبہاری کو فلاح
یاں تک ہوا ہے آن کے لوگوں کا کار بند

مارے ہیں ہاتھ ہاتھ پہ سب یاں کے دستکار — اور جتنے پیشہ وار ہیں روتے ہیں زار زار

کوٹے ہے تن لہار تو پیٹے ہی سر سنار ‏ کچھ ایک دو کے کام کا رونا نہیں ہے یار
چھتیس پیشے والوں کا ہے کاروبار بند

درزی کے بھی جتنے کام تھے وہ سب دبک گئے ‏ اور ریشمی قوام بھی یک سر چٹک گئے
زردار اٹھ گئے تو بٹنے سرک گئے ‏ چلنے سے کام تار کشوں کے بھی تھک گئے
کیا بال ستلی کھینچیں جو ہو جائے تار بند

بیٹھے لبا ٹلی راہ میں تنکے سے چنتے ہیں ‏ جلتے ہیں تان بائی تو بھڑ بھونجے بھنتے ہیں
دھنئے بھی ہاتھ ملتے ہیں اور سر کو دھنتے ہیں ‏ روتے ہیں وہ جو مشروع و دالی بنتے ہیں
اور وہ تو مر گئے جو بنتے تھے ازار بند

بیچیں تھے وہ جو گوندھ کے پھولوں کے بدھی ہار ‏ مرجھا رہی ہے جل کی کلی جی ہے داغدار
جب آدھی رات تک نہ بکی جنس آبدار ‏ لاچار پھر وہ ٹوکری اپنی زمیں پہ مار
جاتے ہیں گرد کان کو آخر وہ ہار بند

حجام پر بھی یاں تئیں ہے مفلسی کا زور ‏ پیسا کہاں جو سان پہ ہو استروں کا شور
کلنے بیچی سر جھکوتے بجنے اس کی بیوپیو ‏ کیا بات ایک بال کٹے یا تراشے کور
یاں تک ہے استرے و نہرنی کی دھار بند

محنت سے ہاتھ پاؤں کے کوڑی نہ ہاتھ آئے ‏ بیکار کب تلک کوئی قرض و ادھار کھائے
دیکھوں جسے وہ کرتا ہے رو رو کے ہائے ہائے ‏ آتا ہے ایسے حال پہ رونا ہمیں تو ہائے
دشمن کا بھی خدا نہ کرے روزگار بند

آمدنہ خادموں کے تئیں مقبروں کے بیچ　　بامن بھی سر پٹکتے ہیں سب مندروں کے بیچ
عاجز ہیں علم والے بھی سب مدرسوں کے بیچ　　حیران ہیں پیرزادے بھی اپنے گھروں کے بیچ
نذر و نیاز ہو گئی سب ایک بار بند

کیا چھوٹے کام والے و کیا پیشہ ور نجیب　　روزی کے آج ہاتھ سے عاجز ہیں سب غریب
ہوتی ہے بیٹھے بیٹھے جب آ شام عنقریب　　اُٹھتے ہیں سب دکان سے کہہ کر کہ یا نصیب
قسمت ہماری ہو گئی بے اختیار بند

کیونکر بھلا نہ مانگئے اس وقت سے پناہ　　محتاج ہو جو پھرنے لگے در بدر سپاہ
یاں تک امیر زادے سپاہی ہوئے تباہ　　جن کے جلو میں چلتے تھے ہاتھی گھوڑے آہ
وہ دوڑتے ہیں اور کے پکڑے شکار بند

ہے جن سپاہیوں کے نہ بندوق اور سناں　　کُندے کا ان کے نام نہ چلّے کا ہے نشاں
چاندی کے بند تار تو پیتل کے ہیں کہاں　　لاچار اپنی روزی کا باعث سمجھ کے ہاں
رسی کے ان میں باندھے ہیں پیادے سوار بند

ایسا سپاہ مرد کا دشمن زمانہ ہے　　روٹی سوار کو ہے نہ گھوڑے کو دانہ ہے
تنخواہ نے طلب ہے نہ پیتا نہ کھانا ہے　　پیادے دوال بند کا پھر کیا ٹھکانا ہے
در در خراب پھرنے لگے جب نقار بند

جتنے ہیں آج آگرہ میں کارخانجات　　سب پر پڑی ہے آن کے روزی کی مشکلات

کس کس کے دکھ کو رویئے اور کس کی کہئے بات　　روزی کے اب درخت کا ہلتا نہیں ہے پات
ایسی ہوا کچھ آکے ہوئی ایک بار بند

ہیں باغ جتنے یاں کے سو ایسے پڑے ہیں خوار　　کانٹے کا ان میں نام نہیں پھول در کنار
سوکھے ہوئے کھڑے ہیں درختانِ میوہ دار　　کیاری میں خاک دھول روش پر پڑی غبار
ایسی خزاں کے ہاتھوں ہوئی ہے بہار بند

دیکھے کوئی چمن تو پڑا ہے اجاڑ سا　　غنچہ نہ پھل نہ پھول نہ سبزہ ہرا بھرا
آواز قمریوں کی نہ بلبل کی ہے صدا　　نہ حوض میں ہے آب نہ پانی ہے نہر کا
چادر پڑی ہے خشک تو ہے آبشار بند

بے وارثی سے آگرہ ایسا ہوا تباہ　　پھوٹی حویلیاں ہیں تو ٹوٹی شہر پناہ
ہوتا ہے باغباں سے ہر اک باغ کا نباہ　　وہ باغ کس طرح نہ لٹے اور نہ اجڑے آہ
جس کا نہ باغباں ہو نہ مالک نہ خار بند

ہے کونسا وہ دل جسے فرسودگی نہیں　　وہ گھر نہیں کہ روزی کی نابودگی نہیں
ہرگز کسی کے حال میں بہبودگی نہیں　　اب آگرہ میں نام کو آسودگی نہیں
کوڑی کے آکے ایسے ہوئے رہگزار بند

کیوں یارو اس مکاں میں یہ کیسی چلی ہوا　　جو مفلسی سے ہوش کسی کا نہیں بجا
جو ہے سو اس ہوا میں دوانا سا ہو رہا　　سودا ہوا مزاجِ زمانے کو یا خدا
تو ہے حکیم کھول دے اب اس کے چار بند

ہے میری حق سے اب یہ دعا شام اور سحر　　ہو آگرے کی خلق پہ پھر مہر کی نظر
سب کھاویں پیویں یاد کریں کھیلیں اپنے گھر　　اس ٹوٹے شہر پر بھی الٰہی تو فضل کر
کھل جاویں ایک بار تو سب کاروبار بند

عاشق کہو اسیر کہو آگرے کا ہے　　ملّا کہو دبیر کہو آگرے کا ہے
مفلس کہو فقیر کہو آگرے کا ہے　　شاعر کہو نظیر کہو آگرے کا ہے
اس واسطے یہ اس نے لکھے پانچ چار بند

نظیر

تمت بالخیر

مناظر قدرت

(جلد چہارم)

ضمیمہ

شعرا اور ان کا کلام

استدعا:۔ ذیل شعرا کے متعلق جو جو حالات دریافت طلب ہیں اگر کوئی صاحب ان سے مطلع فرمائیں گے تو باعث شکر گزاری ہوگا۔

ا۔ ۲ اسمٰعیل۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم

ولادت سنہ ۱۸۴۴ء وطن میرٹھ وفات سنہ ۱۹۱۷ء مدفن میرٹھ — صفحہ

صفحہ

۲ - اقبال - سر محمد اقبال

ولادت سنہ ۱۸۷۰ء وطن سیالکوٹ

۳ - انس - میر مہر علی صاحب مرحوم

ولادت وطن فیض آباد وفات مدفن

۴ - جوش شبیر حسن خاں صاحب رئیس ملیح آباد

ولادت سنہ ۱۸۹۴ء وطن ملیح آباد

صفحہ

صفحہ

۱۱۔ صادق۔ صادق علی خاں صاحب

ولادت　　وطن سری نگر

۱۲۔ صفدر۔ صفدر مرزا پوری

ولادت　　وطن مرزا پور

۱۳۔ طالب بنارسی۔ منشی دیبی پرشاد صاحب

ولادت　　وطن بنارس

۱۴۔ قائم۔ قیام الدین صاحب مرحوم

ولادت　　وطن چاندپور　　وفات　　مدفن

صفحہ

صفحہ

صفحہ

صفحہ

۲۵ - واقف ۔ واقف بہاری ۔

ولادت وطن

۲۳ - گنگا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۲۶ : وجاہت ۔ سید وجاہت حسین صاحب

ولادت جھجھانہ

۳۵ - جیب گھڑی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۲۷ - وحید ۔

ولادت وطن وفات مدفن

۱۵ - جنت الفردوس ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۱۸ - بزم قدرت کسی کی آمد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۳۸ - بہشتی پرند ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۹۱ - طرز جنگ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۲۸ - یاور ۔ مرزا محمد بہادر صاحب

ولادت وطن خیرآباد

۷۲ - مسرف متفروضی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۲۹ - ؟

۳۱ - مرجھایا ہوا پھول ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

معارف ملّت

قومی نظموں کا یہ مجموعہ چار حصّوں پر
تمل ہے ——

ت ہر حصّہ کی جُداگانہ ہے ——
شاعری کا یہ خزینہ الگ الگ
ں میں انتہائی خوبصورتی سے شائع
گیا ہے۔ ——

ملنے کا پتہ

انہ نذیریہ مسلم منزل کھاری باؤلی دہلی